خطبات الرشید
جلد ۴
فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
۱ دینی جماعتیں ۲ جشنِ آزادی
۳ خواتین کی تفریح ۴ حقوق القرآن
۵ دینداری کے تقاضے ۶ جہیز اور داماد
۷ حفاظتِ نظر ۸ حفاظتِ زبان
۹ اللہ کا ذکر کثرت سے کریں
کتاب گھر
ناظم آباد ۴ ۔ کراچی ۷۵۶۰۰
www.ahlehaq.org

خطباتُ الرشید

جلدِ چہارم

— مواعظ —

فقیہ العصر مفتیٔ اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: ـ [illegible]

نام: ـ خطباتُ الرشید جلد۴

بمقام: ـ جامع مسجد دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بوقت: ـ بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: ـ شعبان ۱۴۲۵ھ

مطبع: ـ حسان پرنٹنگ پریس فون: ۶۶۳۱۰۱۹-۰۲۱

ناشر: ـ کتاب گھر، ناظم آباد نمبر۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۶۶۰۲۳۶۱-۰۲۱ فیکس: ۶۶۲۳۸۱۴-۰۲۱

ملنے کے پتے

1. پورے پاکستان میں "ضربِ مؤمن" کے تمام دفاتر میں دستیاب۔
2. دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔
3. ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور۔
4. ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی۔
5. مظہری کتب خانہ، گلشن اقبال، کراچی۔
6. میمن اسلامک پبلشرز، لیاقت آباد ۱/۱۸۸، کراچی۔
7. اقبال بک ڈپو، صدر، کراچی۔

اجمالی فہرست

جلدِ چہارم

عرض ناشر

فقیہ العصر مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ نے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا جس شخص نے حضرت والا کے مواعظ پڑھے، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ لوگ جو اب تک نافرمانی اور گناہوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، حضرت والا کے مواعظ پڑھ کر اپنے گناہوں سے تائب ہو گئے اور ان کی زندگیاں پر سکون ہو گئیں۔ ان کے گھروں سے گناہوں کے آلات نکل گئے اور وہ گھر چین و سکون کا گہوارہ بن گئے۔

اب تک حضرت والا کے یہ مواعظ علیحدہ علیحدہ کتابچوں کی شکل میں شائع ہو رہے تھے۔ ضرورت اس کی تھی کہ ان مواعظ کو یک جا کتابی شکل میں منظم کر دیا جائے تاکہ ان سے فائدہ اُٹھانا آسان ہو جائے۔ چنانچہ ''خطبات الرشید'' کے نام سے یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ اس کی چوتھی جلد ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بقیہ جلدیں بھی رفتہ رفتہ جلد وجود میں آ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے فیض کو قیامت تک جاری رکھے اور ہم سب کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

خادم کتاب گھر ناظم آباد کراچی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ
حفاظت زبان	۱۴۷

عنوان	صفحہ

اللہ کا ذکر کثرت سے کریں

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام: اللہ کا ذکر کثرت سے کریں

بمقام: جامع مسجد دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ:

بوقت: بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

مطبع: حسان پرنٹنگ پریس فون: ۰۲۱-۶۶۴۱۰۱۹

ناشر: کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۰۲۱-۶۶۰۲۳۶۱ فیکس: ۰۲۱-۶۶۲۳۸۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہِ تالیف

ایک مرتبہ لاہور کے سفر میں ''جامعہ اشرفیہ'' میں حاضری ہوئی۔ وہاں کے ایک عالم فرمانے لگے:

''میرے خیال میں علماء کو ذکر و شغل اور نوافل و تلاوت کی بجائے درس و تدریس اور افتاء و ارشاد میں مشغول رہنا زیادہ ضروری ہے۔''

انہوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں یہ حدیث پڑھی:

''فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ''

ترجمہ: ''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔''

بندہ نے عرض کیا: ''جو عالم ذکر و تلاوت وغیرہ عبادتِ نافلہ کثرت سے نہیں کرتا وہ اصطلاحِ شرع میں عالم ہی نہیں'' اللہ تعالیٰ نے اس پر کچھ دلائل بیان کرا دیئے، یہ قصہ عصر و مغرب کے درمیان پیش آیا، نماز مغرب کے بعد وہ عالم تشریف لائے اور فرمایا:

''آپ کے بیان سے متاثر ہو کر میں آج اوّابین پڑھ کر آ رہا ہوں۔''

میں نے کراچی واپس آ کر سفر کی روئیداد میں یہ قصہ بھی ذکر کیا، اس وقت کسی نے ٹیپ ریکارڈ لگا رکھا تھا، اس میں یہ بیان محفوظ ہو گیا، سننے والوں نے بہت پسند کیا اور اس کی اشاعت کی ضرورت بیان کی۔ بندہ کو بھی خیال ہوا:

''کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم مذکور کی طرح اس غلط فہمی میں مبتلا

دوسرے علماء کے لئے بھی اسے نافع بنا دیں۔"

چنانچہ میں نے یہ مضمون ٹیپ سے نقل کروا کر استاذ محترم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا، آپ بہت مسرور ہوئے اس پر اپنا تأثر تحریر فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"دارالعلوم کے سب اساتذہ کو جمع کر کے یہ مضمون سنایا جائے۔"

حضرت مفتی صاحب کی نظر میں اس کی اس قدر اہمیت ثابت ہونے کے بعد اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور ہم سب کے لئے نافع بنائیں، "وفقنا اللّٰہ الجمیع لما یحب ویرضی، آمین."

رشید احمد

۷؍صفر ۹۷ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

کا

تأثر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز محترم مولانا رشید احمد صاحب زادہ اللہ تعالیٰ فضلاً و کمالاً کا مضمون متعلقہ حدیث: ''فضل العالم علی العابد'' شوق سے سنا، ماشاء اللہ حجت کے اعتبار سے سنگین اور اثر کے اعتبار سے رنگین ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ایسے اقوال جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دین کی کتابوں کا مطالعہ یا درس و تدریس قیام اللیل سے افضل ہے ان سے بہت سے اہل علم اس مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ تہجد اور نوافل و اوراد کو بالکلیہ ترک کر کے سارا وقت تبلیغ و تعلیم میں خرچ کریں، لیکن خود حضرات فقہاء و محدثین اور تمام علماء سلف و خلف کا تعامل دیکھا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اہم نوافل تہجد وغیرہ اور اہم اذکار کو چھوڑ کر علمی خدمات کو اختیار نہیں کیا بلکہ علمی خدمات کے ساتھ اوراد و اذکار اور تہجد و نوافل کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عین اس زمانہ میں جب کہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھے، رات کو تین سو رکعت پڑھتے تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں کسی جگہ لکھا ہے (جو اس وقت سرسری تلاش سے نہیں ملا) کہ تعامل

علماء سلف کا یہ تھا کہ دن کا وقت تو زیادہ تر علمی خدمات درس و تدریس، تبلیغ و تعلیم یا تصنیف وفتویٰ میں صرف کرتے تھے مگر رات کا بڑا عمل ان کا نماز تہجد و تلاوت ہی ہوتا تھا اور حقیقت ہے کہ تعلیم و تبلیغ کی خدمت بھی مؤثر و مفید جب ہی ہوتی ہے جب کہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے لازمی اثرات اس میں موجود ہوں، واللّٰہ المستعان۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۱۲/۶/ ۸۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ

اللہ کا ذکر کثرت سے کریں

یہ رسالہ علماء کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس لئے اس کا نام عربی میں "استیناس الاٰبد بشرح فضل العالم علی العابد" رکھا گیا تھا اور قرآن کریم کی آیات، احادیث اور عربی و فارسی عبارات وابیات کا ترجمہ نہیں لکھا گیا تھا، یہ رسالہ پہلے مستقل شائع ہوتا رہا، پھر اس کو احسن الفتاویٰ جلد اول کا جزء بنادیا گیا۔
اب بعض احباب کی خواہش پر اس کو عام فہم بنانے کے لئے آیات، احادیث اور عربی و فارسی عبارت وابیات کے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو عام و تام بنائیں اور قبول فرمائیں، آمین۔ ناشر

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ"

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔"

علماء کی ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اس حدیث کے پیش نظر بعض علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اہل علم کو نفل عبادت کی بجائے علمی مشغلہ رکھنا چاہئے۔ اوابین، تہجد اور ذکر و شغل وغیرہ میں

مشغول ہونا صحیح نہیں۔ یہ وقت علم دین کی خدمت و اشاعت میں صرف کرنا افضل ہے۔

مگر یہ محض مغالطہ اور نفس و شیطان کا کید ہے، اس لئے حدیث مذکور کی تشریح کی ضرورت پیش آئی۔

علم کی تعریف قرآن کی نظر میں:

اولاً یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت کی نظر میں علم کسے کہتے ہیں؟ سو واضح ہو کہ نظرِ شرع میں علم وہ معتبر ہے کہ جس سے خشوع و خضوع اور تقویٰ و فکر آخرت اور حساب و کتاب کا استحضار اور دنیا و مافیہا سے زہد اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط﴾ (۳۵-۲۸)

ترجمہ: ''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔''

اور اس سے معلوم ہوا کہ علم سے خشیت پیدا ہوتی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اَنَا اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ''

''اَیْ اَنَا اَتْقَاکُمْ لِاَنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ.''

ترجمہ: ''میں تم سے زیادہ متقی ہوں اور تم سے زیادہ عالم ہوں۔''

یعنی زیادہ علم کی وجہ سے زیادہ متقی ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ زیادہ علم زیادہ تقویٰ کا مورث ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ فِیْ زِیْنَتِہٖ ط قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ لا اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾

(۲۸-۷۹،۸۰)

ترجمہ: ''پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب ہیں کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے، واقعی بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم عطاء ہوا تھا وہ کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو، اللہ کا ثواب بہت بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ انہی کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔''

ان آیات سے جہل و علم کی حقیقت معلوم ہوئی کہ حیات دنیا پر نظر رہنا جہل اور ثواب پر نظر ہونا علم ہے اور یہ بھی ثابت ہوا: ''ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ'' ''اللہ کا ثواب بہت بہتر ہے۔'' کا صرف اعتقاد حاصل ہو جانا علم نہیں بلکہ تحقق علم کے لئے اس کا استحضار اور اس کے مطابق عمل ضروری ہے۔ ''وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ'' ''اور وہ انہی کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔'' سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، لہٰذا خواہ کوئی دنیا بھر کے علوم حاصل کر لے مگر بدوں تقویٰ کے وہ نظر شرع میں اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ مثال:

﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ﴾ (۶۲-۵)

ترجمہ: ''ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔''

اور مشہور مقولہ: ''چار پائے بروکتا بے چند'' (چوپائے پر کچھ کتابیں لدی ہوئی ہیں) کا مصداق ہوگا۔

عقلاً بھی یہ امر مسلّم اور بدیہی ہے کہ حقیقی علم معرفت خالق ہی ہے۔

؎ فکر آن باشد کہ بکشاید رہے
راہ آن باشد کہ پیش آید شہے

ترجمہ: ”فکر وہ ہے جو راستہ کھولے، اور راستہ وہ جو بادشاہ تک پہنچائے۔“

اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی چیز کی صفات کی جس حد تک معرفت ہوگی اسی حد تک اس کے آثار بھی مرتب ہوں گے۔ سو اللہ تعالیٰ کی شان جلالی و جمالی کی معرفت کے بعد غلبۂ شوق و غلبۂ خوف اور ان کے آثار کا ترتب لازمی ہے۔

تحصیلِ تقویٰ و خشوع کے طریقے:

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ تقویٰ اور خشوع کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اس کی تحصیل کے قرآن کریم نے مختلف مواضع میں متعدد طریقے بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ (۲-۴۶)

ترجمہ: ”اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ہے مگر ان لوگوں پر جن کے قلوب میں خشوع ہو، وہ لوگ جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف واپس جانے والے ہیں۔“

اس مضمون کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ توجہ الی الآخرۃ (آخرت کی طرف توجہ) موقوف ہے زھد عن الدنیا (دنیا سے بے رغبتی) پر، کیونکہ تحلیہ بلا تخلیہ (تہذیب اخلاق بلا اصلاح نفس) ناممکن ہے۔

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ے آینت دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست
روتو زنگار از رخ او پاک کن
بعد زین این نور را ادراک کن

ترجمہ: ”تیرے دل کے آئینہ میں اس لئے محبت الٰہیہ کا عکس نظر نہیں آتا کہ اس پر گناہوں کا زنگار چڑھا ہوا ہے، تو اس پر سے زنگار صاف کر تو نور معرفت کا ادارک ہوگا۔“

اور زھد عن الدنیا (دنیا سے بے رغبتی) نام ہے ازالہ حب دنیا کا جو شامل ہے حب مال وحب جاہ کو، سو فرماتے ہیں کہ حب مال کا علاج صبر یعنی ترک لذات و شہوات سے کرو۔ اس لئے کہ تحصیل لذات کے لئے مال کی ضرورت پڑے گی تو مال کی طلب بڑھے گی۔ لہٰذا نفس کو ترک لذات کا عادی بناؤ تا کہ مال کثیر کی ضرورت نہ پڑے۔ قال البوصیری رحمہ اللہ تعالٰی

النفس کالطفل ان تھملہ شب علی
حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ترجمہ: ”نفس دودھ پیتے بچہ کی طرح ہے اگر مشقت برداشت کر کے اس کا دودھ نہ چھڑایا تو جوان ہو کر بھی ماں کے سینے سے دودھ پینے کا خواہش مند رہے گا۔“

اور حب جاہ کا علاج نماز سے کرو، اس لئے کہ نماز میں سراسر عجز وانکسار ہے اور نماز کی گرانی کا علاج خشوع یعنی سکون قلب ہے، اس طرح کہ اعضاء کی حرکات قلب کی حرکات (خیالات وارادات) کے تابع ہیں۔ اس لئے نماز میں سکون اعضاء کی قیود (یعنی چلنے پھرنے، بولنے دیکھنے، کھانے پینے سے ممانعت) اس وقت تک گراں معلوم ہوں گی جب تک قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا۔ اور سکون قلب (خشوع)

حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ اپنے رب سے لقاء اور حساب و کتاب، جزاء و سزا کا مراقبہ کرتے رہا کرو:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝﴾ (۲۲-۱،۲)

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی جس روز تم لوگ اس کو دیکھو گے، تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے کو بھول جائیں گی، اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔“

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۝﴾ (۳۱-۳۳)

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے۔“

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا امر فرما کر اس کی تحصیل کا طریقہ بیان فرمایا کہ قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا مراقبہ کیا کرو۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ (۴-۱)

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے

پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔“

اس میں تحصیل تقویٰ کے لئے باری تعالیٰ نے اپنی قدرت قاہرہ کے مراقبہ کا حکم فرمایا۔

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝﴾ (۱۰۰-۸تا۱۱)

ترجمہ: ”اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جائیں گے مردے قبروں کے، اور آشکارا ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے، بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے۔“

اس میں اللہ تعالیٰ نے حب مال کا علاج یہ بیان فرمایا کہ حشر اور حساب و کتاب کا مراقبہ کیا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ اور فکر آخرت پیدا کرنے کے لئے مراقبہ موت کی تعلیم فرمائی:

”اَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِهَا زِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ“

ترجمہ: ”سب لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔“

”كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا“

ترجمہ: ”موت نصیحت کے لئے کافی ہے۔“

”زُوْرُوْهَا (الْقُبُوْرَ) فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ“

ترجمہ: ”قبروں کو دیکھنے جایا کرو اس لئے کہ وہ آخرت کو یاد دلانے والی ہیں۔“

''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرٰکَ''

ترجمہ: ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اس لئے کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

اس حدیث میں مراقبۂ ذات حق کا حکم فرمایا:

''حَقِیْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ مَجَالِسُ یَخْلُوْ فِیْھَا وَیَذْکُرُ ذُنُوْبَہٗ فَیَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْھَا'' (ہب)

ترجمہ: ''انسان کے لئے کچھ خلوت کی مجلسیں ضروری ہیں جن میں وہ اپنے گناہوں کو یاد کرکے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مغفرت طلب کیا کرے۔''

اس سے محاسبہ کی تاکید فرمائی:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (۵۹-۱۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کل کے لئے بھیجے ہوئے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے۔''

یہاں تقویٰ اختیار کرنے کے لئے محاسبۂ اعمال کا حکم فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝﴾ (۹-۱۱۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

اس آیت میں تحصیل تقویٰ کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ صادقین کے ساتھ رہ پڑو، یعنی کثرت صحبت صادقین۔''

﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾ (۱۳-۲۸)

ترجمہ: ''خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کثرت ذکراللہ سے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے اوراوپر آیۃ کریمہ: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ کی تفسیر میں بیان ہوا کہ سکون قلب سے نماز سہل ہو جاتی ہے۔ جس سے حب جاہ زائل ہوتی ہے جس سے فکر آخرت پیدا ہوتی ہے۔

ذکرالله خاليًا ففاضت عيناه. یعنی جو شخص خلوت میں ذکراللہ کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اسے اللہ تعالیٰ ایسے قرب سے نوازتے ہیں کہ قیامت کے روز اس کو اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دیں گے جب کہ لوگ تمازت سے پریشان ہوں گے اور پسینہ میں ڈوب رہے ہوں گے۔

غرضیکہ مراقبہ، محاسبہ، صحبت اولیاء اللہ اور کثرت ذکر سے علم و معرفت میں ترقی ہوتی ہے، جس سے تقویٰ، خشوع اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے کثرت ذکر کا حکم دیا گیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ (۳۳-۴۱،۴۲)

تَرجَمہ: ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام ان کی تسبیح بیان کیا کرو۔“

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝﴾

(۷-۲۰۵)

تَرجَمہ: ”اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی بہ نسبت کم آواز سے صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے نہ ہو۔“

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى

جُنُوْبِکُمْ ﴾ (۴-۱۰۳)

ترجمہ: ''جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر۔''

اس میں ارشاد ہے کہ نماز میں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس کو کافی سمجھ کر نماز کے بعد ذکر سے غافل نہ ہو جاؤ بلکہ بعد میں بھی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو۔

﴿ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا ﴾ (۶۲-۱۰)

ترجمہ: ''جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زمین میں چلو پھرو اور روزی تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔''

اس میں ارشاد ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر دنیوی کاروبار میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی ذکر اللہ سے غفلت نہ ہونے پائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِاللّٰہِ''

ترجمہ: ''تیری زبان ذکر اللہ سے تر رہے۔''

''اُذْکُرُوا اللّٰہَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ''

ترجمہ: ''ذکر اللہ اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔''

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

این قدر گفتیم باقی فکر کن
فکر گر جامد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید این افسردہ ساز

ترجمہ: ”اس قدر ہم نے کہہ دیا آگے فکر کرو، اگر فکر میں حرکت نہیں تو ذکر کرو۔“

”ذکر فکر کو حرکت میں لاتا ہے جس طرح آفتاب برف پگھلا دیتا ہے۔“

نتیجہ یہ نکلا کہ علم موقوف ہے کثرت ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور صحبت اولیاء اللہ پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کئی روز تک مراقبہ اور تخلیہ کروانے کے بعد علم وعرفان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحلیہ (آراستہ کرنا) فرمایا گیا۔

اذکار واشغال کی حقیقت:

پس ابتداء تو یہ اذکار واشغال مرض جہل سے نجات حاصل کرنے کے لئے بطور علاج ضروری ہیں مگر جب ان کی بدولت علم اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ وخشوع کی نعمت مل جاتی ہے تو یہ اذکار واشغال خود مرض بن کر عاشق پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کسی مرض کے لئے افیون یا تمبا کو استعمال کروایا جائے جس سے اصل مرض کا علاج تو ہو جائے مگر خود افیون یا تمباکو کی عادت کا لاعلاج مرض ہمیشہ کے لئے سوہان روح بن جائے ابتداء میں انسان علاج کے طور پر بادل نخواستہ ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے مگر کچھ وقت کے بعد یہ اذکار واشغال کو ایسے پکڑتے ہیں کہ ان سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

مکتب عشق کا دنیا سے نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

اسی حالت کے بارے میں حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اب تو چھوڑے سے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا
حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اذکار واشغال میں یہ فرق ہے کہ اشغال خود مقصود نہیں صرف ذریعہ مقصود ہیں

اوراذکار ذریعہ مقصود ہونے کے علاوہ بذات خود بھی مقصود ہیں، ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ (۵-۸۳)

ترجمہ: ”اور جب وہ ان کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں۔“

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (۸-۲)

ترجمہ: ”ایمان والے تو صرف وہ ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔“

﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (۲۲-۳۴،۳۵)

ترجمہ: ”اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے، جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔“

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ﴾ (۳۹-۲۳)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دہرائی گئی ہے، جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔“

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا

لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝﴾ (۱۷-۱۰۷ تا ۱۰۹)

ترجمہ: ”جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہی ہوتا ہے اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔“

عشاق الٰہیہ کے حالات:

﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝﴾ (۱۹-۵۸)

ترجمہ: ”جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر جاتے تھے۔“

یعنی کثرت ذکر و مراقبات سے ان پر ایسی رقت قلب طاری ہو جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی باتیں سن کر ان کے قلوب پر زلزلہ آنے لگتا ہے، وریدوں کا خون گرما جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، روتے ہوئے بیساختہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور آنکھوں سے سیل اشک جاری ہو جاتا ہے جو اس قدر کثرت سے بہتا ہے کہ گویا خود آنکھیں ہی بہی جا رہی ہیں۔

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے
اے سیل اشک تو ہی بہادے ادھر مجھے
از حال خود آگہ نیم جز این قدر دانم کہ تو
ہر گہ بخاطر بگذری اشکم زدامان بگذرد

ترجمہ: ”مجھے بے خودی میں سوائے اس کے کچھ خبر نہیں کہ جب بھی دل میں تیرا خیال گزرتا ہے میرے آنسو دامن سے گزر جاتے ہیں، یعنی زمین تک پہنچ جاتے ہیں۔“

محبوب حقیقی نے اپنے عشاق کے مراقبہ، محاسبہ، کثرت ذکر، کثرت صلوٰۃ اور قیام لیل کا تذکرہ قرآن کریم میں بار بار دہرایا ہے۔ فرماتے ہیں:

﴿يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝﴾

(۲۴-۳۷)

ترجمہ: ”وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔“

یعنی قیامت کی ہولناکیوں کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں۔

﴿يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ (۲۳-۶۰)

ترجمہ: ”وہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔“

اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ حسنات قبول بھی ہوئیں یا نہیں؟

﴿يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝﴾ (۲۵-۶۴)

ترجمہ: ”راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔“

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝﴾ (۵۱-۱۸)

ترجمہ: ”وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر شب میں استغفار

کیا کرتے تھے۔“

اس میں اولاً مادۂ قلت، ثانیاً اس کی تنکیر للتقلیل، ثالثاً من تبعیضیہ، رابعاً ما تاکیدیہ لاکر کس شان کے ساتھ ان کے قیام لیل کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رات کو بہت ہی کم سوتے ہیں اور جب رات قریب الختم ہوتی ہے تو رات بھر کی عبادت کا محاسبہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی عبادت نہ کر سکے: مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔ تیری شان کے لائق ہم عبادت نہ کر سکے۔ اپنی عبادت کا نقص سامنے آتا ہے اس پر استغفار کرتے ہیں۔

؎ نیکیاں یا رب مری بدکاریوں سے بد ہوئیں
وہ بھی رسوا کن ترے دربار میں بے حد ہوئیں

یہ عشاق اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بھی خود کو قصوروار ہی سمجھتے ہیں۔

؎ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

﴿وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ (۲۶-۲۲۷)

ترجمہ: ”اور انہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا۔“

﴿وَذَكَرَاللّٰهَ كَثِيرًا﴾ (۳۳-۲۱)

ترجمہ: ”اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو۔“

﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (۳-۱۹۱)

ترجمہ: ”وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔“

یعنی کثرت ذکر و مراقبۂ قدرت میں لگے رہتے ہیں۔

حقیقی مؤمن کی علامت:

﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾

(۳۹-۹)

تَرجَمہ: ''بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو اور آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید کر رہا ہو آپ کہیے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں؟ وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔''

اس میں اہل علم اسے کہا گیا ہے جو رات میں خشوع و خضوع اور خوف و رجا کی حالت میں کثرت سے نوافل پڑھے بلکہ آیات ذیل کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں غلبۂ خشیت، خشوع و خضوع، کثرت ذکر، کثرت قیام لیل نہیں وہ مؤمن ہی نہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾

(۸-۲)

تَرجَمہ: ''ایمان والے تو صرف وہ ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔''

﴿اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾ (۳۲-۱۶)

ترجمہ: ”ہماری آیتوں پر تو صرف وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے، ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

ان آیات میں: اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے، یعنی جب تک صفات مذکورہ نہیں پائی جائیں گی ایمان کا وجود ہی نہیں ہوسکتا، ان آیات کے ظاہر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک رجال اللہ کے تعامل سے کثرت ذکر و قیام لیل کی فرضیت بلکہ شرط ایمان ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

فرض کی دو قسمیں:

حقیقت یہ ہے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں:

1. ضابطہ کا فرض۔
2. رابطہ کا فرض۔

مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کے علاج کے مصارف اور بیوی کے ذمہ شوہر کی خدمت ضابطۂ شرعیہ میں فرض نہیں، مگر رابطہ کی حیثیت سے یہ ایسا اہم فریضہ شمار ہوتا ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والے شوہر یا بیوی کو زوجیت کے لائق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اگرچہ ضابطہ کی رو سے یہ میاں بیوی ہیں۔ اسی طرح ضابطہ کی رو سے اگرچہ کوئی شخص مسلمان ہو مگر مسلمان کہلانے کے لائق اور رابطہ کا مسلمان جب بنے گا کہ رابطہ کے فرائض و شرائط (خشوع وخضوع، کثرت ذکر و قیام لیل) کو ادا کرے گا۔ اس پوری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک مراقبہ، محاسبہ، خشوع وخضوع، کثرت ذکر وقیام لیل متحقق نہ

ہوگا اس وقت تک عالم بننا تو درکنار صحیح معنی میں مسلمان بھی نہیں بن سکتا۔

اب حدیث کا مطلب واضح ہوگیا کہ عالم سے مراد وہ ہے جو نظر شرع میں عالم ہو اور کامل مؤمن ہو، یعنی کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقت علم اور کمال ایمان کے لئے شرط ہے۔ جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی ورنہ وہ عالم ہی نہیں بلکہ اس لائق بھی نہیں کہ اسے مؤمن کہا جائے۔ اگرچہ حقیقت میں مؤمن ہو، پس عالم سے مراد وہ شخص ہے جو کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقت علم کے لئے موقوف علیہ ہے اور زیادہ وقت مشاغل علمیہ میں صرف کرتا ہو اور عابد سے مراد وہ ہے جو درجہ موقوف علیہ سے بھی زیادہ عبادت کرتا ہو اور علم بقدر ضرورت سے زیادہ حاصل نہ کیا ہو، پس دونوں عالم بھی ہیں اور عابد بھی، فرق اتنا ہے کہ ایک علم بقدر ضرورت یعنی بقدر فرض عین حاصل کر کے فرض کفایہ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے کثرت عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے اور دوسرا عبادت بقدر ضرورت (جو حقیقت علم و کمال ایمان کے لئے موقوف علیہ ہے) کرتا ہے اور علم سے فرض کفایہ کا درجہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔

حقیقت علم منکشف ہونے کا طریقہ:

حقیقت علم منکشف ہونے کے لئے درد محبت کی ضرورت ہے۔

درد درون خود بیفزا دردرا
تا ببینی سبز و سرخ و زردرا

ترجمہ: ”اپنے اندر درد محبت بڑھاؤ تا کہ تمہیں ہر چیز کی حقیقت نظر آنے لگے۔“

اس درد کی بدولت ایسے علوم منکشف ہوتے ہیں کہ عقل خیرہ ہو جاتی ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیا
بے کتاب و بے معید و اوستا

ترجمہ: ’’اپنے اندر بغیر کتاب و استاد کے انبیاء علیہم السلام کے علوم پاؤ گے۔‘‘

جو لوگ اس لذت درد سے نا آشنا ہیں ان کو حقیقت علم کی کیا خبر۔

؎ تو ندیدی گہے سلیماں را
چہ شناسی زبان مرغاں را

ترجمہ: ’’تو نے کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں، تو پرندوں کی زبان کیا جانے۔‘‘

؎ آگاہ نئی تپ دروں را
نشر چہ زنی رگ جنوں را

ترجمہ: ’’تو دل کے اندر کی آگ سے باخبر نہیں، جنون کی رگ پر کیا نشتر چلاتا ہے۔‘‘

ان کو تو خود پرستی محبوب حقیقی کی طرف آنے ہی نہیں دیتی۔

؎ اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید
معشوق درین جاست بیائید بیائید

ترجمہ: ’’اے حج کو جانے والی قوم کہاں ہو، معشوق یہاں ہے، ادھر آؤ ادھر آؤ۔‘‘

ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاران فضل دارد از علوم
جان خود را می نہ داند ایں ظلوم
جان جملہ علمہا این است و این
کہ بدانی من کیم در یوم دین
ایہا القوم الذی فی المدرسہ
کل ما حصلتموہ وسوسہ

علم نبود الا علم عاشقی
ماقی تلبیس ابلیس شقی

ترجمہ: ”علوم سے لاکھوں کمالات رکھتا ہے، لیکن یہ ظالم اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا، سب علوم کی روح صرف یہی ہے کہ تو یہ جان لے کہ قیامت میں میری کیا حالت ہوگی؟ اے مدرسہ میں رہنے والی قوم جو کچھ تم نے حاصل کیا ہے وہ صرف وسوسہ ہے، علم عاشقی کے سوا جو کچھ ہے وہ ابلیس کی تلبیس ہے۔“

خشک دلوں سے ایک سوال:

خدمت علم دین کا بہانہ بنا کر عبادت سے جی چرانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی اور آج تک رجال امت کے سلسلہ کا طرز عمل دنیا کی آنکھوں سے اوجھل کر سکتے ہیں؟ آپ لوگ تو بزعم خود صرف علم دین کے محافظ و مبلغ ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تو مبلغ ہونے کے علاوہ حکومت کی ذمہ داریاں بھی تھیں، پھر ان نفوس قدسیہ میں جذبۂ تبلیغ واحساس ذمہ داری کس حد تک تھا یہ ہمارے وہم وگمان سے بھی خارج ہے۔

وكيف يدرك في الدنيا حقيقته
قوم نيام تسلوا عنه بالحلم

ترجمہ: ”دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو سوئی ہوئی قوم کیسے سمجھ سکتی ہے جو خوابوں ہی سے تسلی حاصل کر رہی ہے۔“

معہٰذا آپ قیام لیل کس حد تک فرماتے تھے؟ کمر باندھ لیتے، احیاء لیل فرماتے، پاؤں متورم ہو جاتے اور کثرت سے نفل روزے رکھتے اور ہر وقت ذکر اللہ

میں مشغول رہتے تھے، آپ نے یہ خیال کیوں نہ فرمایا کہ کثرت نوافل کی بجائے یہ وقت بھی تبلیغ علم دین اور نظم و اقامت حکومت ہی میں صرف کرنا چاہئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک مسلسل عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، ایک قرآن مجید روزانہ ختم فرماتے تھے۔ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف ہدایہ نے تیرہ سال تک مسلسل روزہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کیا آپ کا جذبۂ حفاظت و اشاعت علم دین ان مقدس ہستیوں سے بھی بڑھ کر ہے؟ مثال کے طور پر ان دو ہستیوں کا ذکر کر دیا۔ ورنہ اس سلسلہ کے ہر فرد کی یہ کیفیت ہے۔

؎ زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

ترجمہ: ”سر سے لے کر پاؤں تک جہاں بھی میں دیکھتا ہوں، کرشمہ دل کے دامن کو کھینچتا ہے کہ جگہ یہاں ہے۔“

ایک مرتبہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے استاذ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مہمان ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی نے مہمان کی دیگر ضروریات کے ساتھ تہجد کے وضو کے لئے پانی بھی رکھ دیا، صبح کو جب دیکھا کہ پانی ویسے ہی رکھا ہے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یوں شکایت کی: طالب علم لیس له حظ فی الصلوة۔ یہ کیسا طالب علم ہے جسے تہجد کی بھی توفیق نہیں ہوتی؟ ایک جلیل القدر امام کی صاحبزادی کا یہ جملہ مدعیان علم کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دریافت فرمانے پر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ رات آپ کے ہاں جو کھانا کھایا اس کے انوار اس قدر محسوس ہوئے کہ رات بھر عبادت میں گزری، ایک لمحہ کے لئے بھی غفلت نہیں ہوئی لہٰذا وضو کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

ماضی قریب کے خدام دین:

ماضی قریب ہی میں ایسے رجال گزرے ہیں کہ امت مسلمہ پر کوئی دینی یا دنیوی ادنیٰ سی آفت بھی ان کو پریشان کردیتی تھی۔ جس سے ان کی نیند غائب اور آرام کافور ہو جاتا تھا۔ ایک درد تھا جو کسی وقت چین نہ لینے دیتا تھا، ان کے جذبۂ اشاعت دین کی مدعیان حفاظت علم کو تو ہوا بھی نہیں لگی، ایک طرف جہاد، وعظ وتقریر، تبلیغ واشاعت، تدریس وافتاء، تصنیف وتالیف، کے میدان میں یہ حضرات سباق (بہت سبقت لے جانے والے) تھے، دوسری طرف مراقبہ، محاسبہ، کثرت ذکر وشغل، نوافل وقیام میں ممتاز اور امراض باطنہ کے طبیب حاذق تھے، ایک جانب بلاواسطہ علم نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں شاگرد اور مواعظ وملفوظات و تصانیف سے مستفید ہونے والے کروڑوں افراد اور دوسری جانب ان کے مطب روحانی سے صحت یاب ہونے والے اور نور نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ ان حضرات نے فقہ، قرآن وحدیث، علوم نقلیہ وعقلیہ، ظاہرہ وباطنہ کی ایسی گتھیاں سلجھائی ہیں کہ مدعیان علم وفراست سمجھانے پر نہ سمجھ سکیں۔ مدعیان حفاظت واشاعت علم ان عشاق کی تبلیغ و اشاعت دین جیسا کوئی ادنیٰ سا نمونہ تو پیش کریں۔

؎ اولٰئك اسلافي فجئني بمثلهم
اذا جمعتنا يا عنيد المجامع

تَرجَمَہ: ”یہ ہیں ہمارے اسلاف تم ان کی مثال لاکر دکھاؤ۔“

تبلیغ کی شرط اوّل:

حقیقت یہ ہے کہ جب تک تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک تبلیغ و اشاعت کا فریضہ ادا ہی نہیں ہوسکتا، آج کل خطرناک ضلالت یہ ہے کہ علم حقیقی کا

مدعیان علم مذاق اڑانے لگے ہیں اور اپنے حلقۂ اثر کو اس سے روکتے ہیں۔

؎ منعم کنی زعشق وے اے مفتیٔ زمن
معذور دارمت کہ تو اورا ندیدۂ

ترجمہ: ”اے مفتی زماں! تو مجھے اس کے عشق سے روکتا ہے! میں تجھے معذور سمجھتا ہوں، اس لئے کہ تو نے اسے دیکھا ہی نہیں۔“

؎ خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

ترجمہ: ”خواجہ سمجھتا ہے کہ اسے کچھ حاصل ہے، لیکن اسے سوائے خود بینی کے کچھ بھی حاصل نہیں۔“

عوام کالانعام (حیوانوں جیسے عوام) کی واہ واہ انسانوں کو تباہ کر دیتی ہے، عوام کی عقیدت اور دست بوسی پر عجب و پندار کوتاہ نظری اور مہلک ہے، کسی صاحب نظر سے تشخیص کروائیے۔

؎ بنما بصاحب نظرے گوہر خودرا
عیسیٰ نتوان گشت بتصدیق خرے چند

ترجمہ: ”کسی صاحب نظر کو نبض دکھاؤ، چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسیٰ نہیں بن سکتا۔“

؎ ہمیں کہتی ہے دنیا تم ہو دل والے جگر والے
ذرا تم بھی تو دیکھو کہ ہو تم بھی تو نظر والے

یہ لوگ بصورت علم و بحقیقت جہل کے پندار میں مبتلا ہیں۔

؎ ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

یہ علم کی لذت اور اہل دل کے سوز و گداز کو کیا جانیں۔

؎ لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

ع ذوق این بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

ترجمہ: ”بخدا تو اس پیالہ کی لذت کو نہیں جان سکتا جب تک چکھے نہیں۔“

؎ چون دل بمہر نگارے نہ بستۂ اے ماہ
ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر

ترجمہ: ”تو نے کسی معشوق سے دل نہیں اٹکایا، تو تجھے ہمارے نیاز اور دل کے سوز کی کیا خبر؟“

اہل انصاف کے لئے اسی قدر مضمون کافی ہے۔ چنانچہ ایک معروف اہل علم جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس مضمون کا صرف خلاصہ سنتے ہی انہوں نے اوابین اور اشراق وغیرہ نوافل شروع کر دیئے اور اہل اعتساف (ضدی لوگوں) کی خدمت میں یہ دو شعر پیش کرتا ہوں۔

؎ با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی
بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

ترجمہ: ”مدعی سے عشق و مستی کے راز مت کہو، اسے خود بینی کے رنج میں مرنے دو۔“

؎ تو وطوبیٰ وما و قامت یار
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ترجمہ: ”تجھے دنیا کی رنگینیاں مبارک اور ہمیں عشق مولیٰ، ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے۔“

آخر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم حقیقی کی دولت سے نوازیں۔

ؔ زہد زاہد را و دیں دیندار را
ذرہ دردت دل عطار را

ترجمہ: ”زاہد کو زہد اور دیندار کو دین مبارک، مجھے تو درد عشق کا ذرہ چاہئے۔“

”اللھم نور قلوبنا بنور معرفتك ابداً، اٰمین.“

ترجمہ: ”یا اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے منور فرمادے، آمین۔“

رشید احمد
اوائل ذی الحجہ ۸۵ھ

تکملہ

اشکال:

کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ علماء کے لئے تدریس، تبلیغ، افتاء اور تصنیف جیسی خدمات انجام دینا فرض کفایہ ہے اور ذکر، شغل، مراقبہ، محاسبہ وغیرہ عبادات نافلہ ہیں اور فرض کی اہمیت وثواب نفل سے زیادہ ہے۔ پھر میں علماء کو کثرت ذکر وفکر کی تبلیغ کیوں کرتا ہوں؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب:

میں نے نصوص قرآنیہ سے ثابت کیا ہے کہ جو عالم عبادت نافلہ اور ذکر وفکر کی کثرت نہیں کرتا وہ نظر شرع میں عالم تو درکنار مؤمن کہلانے کے لائق بھی نہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کے اقوال سے اس کی اہمیت ثابت کی ہے اور بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر علماء امت کا تعامل یہی چلا آیا ہے کہ وہ اشاعت دین کی متعدی خدمات کے ساتھ اپنے اوقات کا بڑا حصہ عبادت نافلہ اور ذکر وفکر میں صرف فرماتے تھے، علماء آبدین (نفل عبادات سے ڈرنے والے) اس پر غور فرما کر جواب دیں۔

تحقیقی جواب:

دوسروں کو تبلیغ اور ان کی اصلاح کی کوشش فرض کفایہ ہے۔ مگر اپنی اصلاح فرض عین ہے۔ اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ معاصی ظاہرہ و باطنہ سے احتراز کیا جائے اور یہ موقوف ہے ذکر وفکر اور محاسبہ ومراقبہ کے اہتمام پر۔ سو فرض عین کا موقوف علیہ بھی

فرض عین ہوگا، ذکر وفکر اور محاسبہ ومراقبہ اور صحبت کامل کے معتد بہ درجہ کے سوا معاصی سے بچنے کی فکر ہی نہیں ہوتی بلکہ معاصی باطنہ میں سے اکثر کا تو علم اور احساس ہی نہیں ہوتا۔ کسی مرض کا کچھ احساس ہو بھی تو وقت پر اس کا استحضار نہیں ہوتا اور استحضار بھی ہو تو اس سے بچنے کی فکر اور علاج کا خیال نہیں ہوتا، لہٰذا ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور کسی کامل کی صحبت کا کم از کم وہ درجہ فرض ہے جو معاصی ظاہرہ سے حفاظت کے ساتھ معاصی باطنہ سے بھی پاک کردے، رذائل سے تخلیہ (پاک ہونا) اور فضائل سے تحلیہ (آراستہ ہونا) کا موجب ہو، اس مقصد میں کامیابی کے بعد بھی ذکر وفکر کے اس درجہ کا التزام اس لئے ضروری ہے کہ اس میں غفلت سے امراض کے عود (لوٹنے) کا سخت خطرہ ہے۔

مزید بریں ذکر وفکر کے درجۂ مذکورہ پر اضافہ بھی لازم ہے۔ اس لئے کہ اس سے قلب کی صلاحیت بڑھتی ہے، محبت واخلاص میں ترقی ہوتی ہے اور محبت واخلاص میں جس حد تک ترقی ہوگی اسی درجہ میں اعمال کے اجر اور دوسروں کو تبلیغ کے اثر میں اضافہ ہوگا اور علم میں نور اور تصنیف وتالیف میں برکت ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے بعد اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جبل احد کے برابر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا خرچ کرے، وہ متقدمین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک مد (۸۸۴،۵ گرام) جو بلکہ اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا درجہ اس سے بھی کم ہے اور غیر صحابی کا درجہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی سے بھی بہت کم ہے اس حدیث میں لفظ "اصحابی" سے ثابت ہوا کہ کثرت مجاہدہ کے علاوہ صحبت بھی زیادت اجر کا باعث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی بدولت ان کے قلوب میں جو صلاحیت اور محبت واخلاص تھا وہ غیر میں نہیں ہوسکتا، اس سے ثابت ہوا کہ قلب کی صلاحیت سے اجر میں اضافہ اور کام

میں برکت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء عابدین کے کام اور تبلیغ میں جو برکت ہے وہ آبدین (بھگوڑوں یعنی نفل عبادات سے جی چرانے والوں) میں نہیں اور فرق اجر کا مشاہدہ آخرت میں ہوگا، بلکہ اہل بصیرت کو اس کا اثر دنیا میں بھی مشاہد ہے۔

"اللّٰھم ارزقنا حبك وحب من يحبك وحب عمل يقرب الى حبك، اللهم اجعلنا ممن يعبدك كأنه يراك، آمين"

تَرْجَمَہٗ: "یا اللہ! ہمیں اپنی محبت عطاء فرما اور تجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت اور ایسے اعمال کی محبت عطاء فرما جو تیری محبت کا ذریعہ بنیں اور ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیری اس طرح عبادت کرتے ہیں گویا کہ تجھے دیکھ رہے ہیں، آمین۔"

رشید احمد

۲ر جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ

جشنِ آزادی کیا ہے؟

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر
ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

نام: جشنِ آزادی کیا ہے؟

بمقام: جامع مسجد دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ:

بوقت: بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

مطبع: حسان پرنٹنگ پریس فون: ۶۶۴۱۰۱۹-۰۲۱

ناشر: کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۶۶۰۲۳۶۱-۰۲۱ فیکس: ۶۶۲۳۸۱۴-۰۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعظ

جشن آزادی کیا ہے؟

الحمد للّٰه نحمده ونستعینه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل علیه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یهده اللّٰه فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریك له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وعلی اٰله وصحبه اجمعین.

اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰه الرحمن الرحیم.

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (۲-۲۵۷)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، ان کو

تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں
ان کے ساتھی شیاطین ہیں اور وہ ان کو نور سے نکال کر یا بچا کر تاریکیوں
کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں یہ لوگ
اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

یہ آیت چودہ اگست کی مناسبت سے پڑھی ہے پہلے باب العبر کا قصہ درمیان میں آ گیا تھا اسی پر بات چل پڑی تھی، اب ذرا دعاء کر لیجئے کہ آج اللہ تعالیٰ یہ مضمون اپنی مرضی کے مطابق کہلوا دیں، اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور اپنی رحمت سے قبول فرمائیں۔

لوگ چودہ اگست کو ”یوم آزادی“ کہتے ہیں۔ پہلے تو یہ سمجھئے کہ آزادی کے معنی کیا ہیں؟ آزادی اور پابندی دو متقابل چیزیں ہیں، جو شخص بندھا ہوا جکڑا نظر آئے لوگ کہتے ہیں۔ یہ پابند ہے یا کہتے ہیں قید میں ہے اور جو بے خوف وخطر اپنی مرضی سے گھوم پھر رہا ہے جس پر کوئی روک ٹوک نہیں ایسے شخص کو کہتے ہیں یہ آزاد ہے۔

ہر آزادی محمود نہیں:

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھئے کہ ہر آزادی محمود نہیں نہ ہی ہر قید اور پابندی مذموم ہے، آپ اس پر غور کریں تو آپ کی عقل بھی یہی فیصلہ کرے گی۔ مثلاً آپ ایک بہت بہترین اور عالی شان محل میں رہتے ہیں، جس میں سکون اور راحت کے تمام اسباب جمع ہیں، آپ اپنے محل میں ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے ہیں اب کوئی احمق آ کر آپ سے کہے کہ آپ تو مصیبت میں ہیں، محل سے نکلتے ہی نہیں محل میں مقید ہیں، پابند ہیں، اس لئے دعاء کیجئے یہ محل جلد گر جائے اور آپ آزاد ہوں۔ اسی طرح کھانا، پینا، لباس وغیرہ میں بھی انسان کے لئے پابندیاں ہیں، کھانے کی خاطر کتنی مشقت کرنا پڑتی ہے، دن میں تین تین، چار چار وقت دکانوں سے جا کر مختلف چیزیں خریدو، پکاؤ پھر کھاؤ، بار بار

دانت گھساؤ، لقمہ چبانے کے بعد پھر نگلو، پھر ہضم ہو جانے کے بعد اسے نکالو، بار بار بیت الخلاء کے چکر لگاؤ، اتنی مصیبتیں جھیلنے کی بجائے، کھانا پینا ہی چھوڑ دو، آزاد ہو جاؤ، یہی حال لباس کی پابندی کا ہے، پہلے بازار جاؤ، پیسے خرچ کر کے کپڑا خرید و پھر درزی کو دو اور مزید پیسہ سلائی پر خرچ کرو، سلائی کے بعد اب اسے پہنو، چند دن میں جب میلا ہونے لگے تو اتار کر دھو، سوکھنے کے بعد پھر استری کرو، دیکھئے یہ کتنی پابندیاں ہیں، اس سے بہتر نہیں کہ لباس کے جھنجھٹ میں ہی نہ پڑو۔ آزاد رہو، سنا ہے امریکہ میں ایک قوم ایسے آزاد لوگوں کی بستی ہے وہ ننگے ہی رہتے ہیں۔

ایسے ہی بیوی بچوں کا حال دیکھ لیں ان کی خاطر انسان کتنے مصائب جھیلتا ہے، کتنی پابندیوں میں جکڑا رہتا ہے ان پر کتنا مال خرچ کرتا ہے، ان کے حقوق کی رعایت کرتا ہے، شادی شدہ انسان بیوی بچوں کے لئے دن رات پابندیوں میں گرفتار رہتا ہے کیا یہ اچھا نہیں کہ بیوی بچے چھوڑ کر ان تمام پابندیوں سے آزاد ہو جائے؟ کیا کوئی عقلمند انسان اسے گوارا کر سکتا ہے؟

ان مثالوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ہر آزادی اچھی نہیں، اور ہر پابندی بری نہیں، بہت سی پابندیاں بہت بڑی رحمت ہیں اور بہت سے آزادیاں بہت بڑی بربادی ہیں۔

ہر پابندی مذموم نہیں:

مثلاً مختلف حکومتوں کے مختلف قوانین اور ان کی پابندی، اگر کوئی یہ سمجھے کہ حکومت قوانین بنا بنا کر ہمیں پابندیوں میں گرفتار کرنا چاہتی ہے، ہماری آزادی سلب کرنا چاہتی ہے کہ چوری مت کرو، ڈکیتی مت کرو، رشوت خوری مت کرو، ٹریفک کے قوانین کی پابندی کرو، یہ پابندی وہ پابندی، پابندیوں پر پابندیاں، پھر ان پابندیوں کو برقرار رکھنے کے لئے عدالتوں پر عدالتیں، ججوں پر جج رکھے ہوئے ہیں، خلاف ورزی

کرنے والوں کو سخت سخت سزائیں دی جارہی ہیں، سوچئے یہ دنیوی حکومتوں کے معمولی سے قوانین کتنی اہمیت رکھتے ہیں؟ اگر لوگ ان قوانین کو پس پشت ڈال کر آزاد ہو جائیں تو دنیا کا یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، دنیا کا سارا نظام ان قوانین کی انہی پابندیوں سے چل رہا ہے، ان کے بغیر دنیا ایک دن بھی نہیں چل سکتی سو خوب سمجھ لیجئے کہ ہر آزادی اچھی نہیں ہوتی اور ہر پابندی بھی بری نہیں ہوتی۔ یہ تو ایک بات ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ اس کا معیار کیا ہے یعنی کون سی آزادی اچھی ہے اور کون سی پابندی اچھی ہے، کون سی آزادی بری ہے اور کون سی پابندی بری ہے؟

اس سے پہلے ایک مثال سمجھ لیجئے۔ ایک شخص محبوب کے فراق میں عرصہ سے گھل رہا تھا کہ اچانک راہ چلتے اس سے ملاقات ہوگئی، محبوب نے پکڑ کر بغل میں لے کر زور سے دبایا، یہ وصال محبوب کے مزے لوٹ رہا ہے، محبوب سے کہتا ہے اور دباؤ اور دباؤ مگر ایک انجان شخص دیکھ کر اس پر ترس کھا رہا ہے کہ بے چارہ کیسی مصیبت میں پھنس گیا؟ ظالم بے دردی سے دبا رہا ہے، بیچارے کو چھوڑتا ہی نہیں، اس کو چاہئے کہ اس ظالم کی گرفت سے نکل کر کہیں بھاگ جائے اور اس پابندی سے آزاد ہو جائے، مگر یہ پکار کر کہتا ہے ارے اللہ کے بندے! تمہیں کیا معلوم یہ گرفت اور پابندی میرے لئے کس قدر لذیذ اور خوشگوار چیز ہے، اس پابندی پر تو لاکھوں آزادیاں قربان۔

؎ اے اسیر بند زلفش از پریشانی منال
مرغ زیرک چون بدام افتد تحمل بایدش

شاعر کہتا ہے:

ع اے اسیر بند زلفش از پریشانی منال

ترجمہ: ”ارے محبوب کی زلف کی قید میں اگر تو گرفتار ہے تو روتا کیوں ہے؟ رونے کی بجائے دعاء کر کہ اللہ کرے یہ قید تو بڑھتی جائے بڑھتی ہی چلی جائے۔“

زلف محبوب کی قید، ارے کیا کہنا سبحان اللہ! اس قید پر تو دنیا بھر کی آزادیاں قربان، ایسی جیل میں تو پوری زندگی گزر جائے۔

ع اے اسیر بند زلفش از پریشانی منال

نیک بندوں کی کیفیت:

جن نیک بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق قائم ہو جاتا ہے، وہ دنیا میں کتنی بڑی مصیبتوں میں ہوں، کتنی ہی سختیوں میں ہوں، دیکھنے والے ان پر ترس کھائیں مگر ان کی باطنی کیفیت یہی ہوتی ہے۔

ع اے اسیر بند زلفش از پریشانی منال

وہ زلف محبوب کی قید میں ہے، محبوب محبت کی چٹکیاں لے رہا ہے، لوگ اسے قید میں سمجھیں، پابند سمجھیں مگر وہ اندر سے مسرور بلکہ سراپا سرور ہے۔

ے روتے ہوئے ایک بار ہی ہنس دیتا ہوں مجذوب
آ جاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا میرے دل میں

سچے عاشق کی تو یہ حالت ہوتی ہے، بتائیے کیا محبوب کی قید اور بندش کو کوئی پابندی کہے گا؟ ہرگز نہیں، ایسی قید کو دنیا کا کوئی احمق بھی برا نہیں کہتا اس کے برعکس اگر دشمن نے کسی کو گرفتار کر کے بڑے وسیع وعریض باغ میں چھوڑ دیا ہے یا بہت بڑے محل میں بٹھا دیا ہے، لیکن ساتھ دھمکی بھی دی ہے کہ ذرا یہاں بیٹھو ابھی تھوڑی دیر بعد تمہاری خبر لیتے ہیں، تو کیا اس دشمن کے بارے میں کوئی کہے گا کہ اس نے آزادی دے رکھی ہے، ایسی بدترین قید کو کوئی بھی آزادی کا نام نہیں دے سکتا۔ سنا ہے کہ جن کو موت کی سزا دی جاتی ہے سزا سے پہلے ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ کی آخری خواہش کیا ہے؟ آپ جو خواہش کریں گے پوری کی جائے گی بتائیے کوئی احمق اس کو آزادی کہے گا؟ اگرچہ یہ بظاہر آزادی ہی ہے مگر بدترین آزادی ہے۔ اب تو سمجھ گئے

کہ ہر آزادی اچھی نہیں نہ ہی ہر پابندی بری ہے، اب اس کا معیار سمجھئے کہ کون سی آزادی اچھی ہوتی ہے اور کون سی بندش یا گرفتاری اچھی ہوتی ہے۔

اچھائی کا معیار:

اس کا معیار یہ ہے کہ جس حالت میں انسان کے لئے نعمتیں اور راحتیں ہوں، لذتیں اور فرحتیں ہوں وہ حالت انسان کے لئے بہتر ہے، خواہ وہ آزادی ہو، خواہ بظاہر پابندی ہو، دیکھنے میں کچھ بھی ہو، وہ ہے درحقیقت آزادی، اور انسان کے حق میں نعمت ہے بظاہر کوئی کیسا ہی نظر آئے مطلق آزاد ہو یا پابند اور گرفتار اس کا کچھ اعتبار نہیں، اصل دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ راحت ولذت کس حالت میں ہے؟ دل میں سرور کب آتا ہے؟ یہ مقصد جہاں اور جس حالت میں حاصل ہو بس وہی آزادی ہے۔

دلی والوں کی نہاری تو سب لوگوں نے کھائی ہوگی، یا کم از کم ان لوگوں کو کھاتے تو دیکھا ہی ہوگا، میں نے تو کبھی کھائی نہیں اور اللہ نہ کھلائے اس لئے کہ سنا ہے اس میں مرچیں بہت زیادہ ہوتی ہیں اور میں مرچوں سے بہت ڈرتا ہوں، کوئی شخص دلی والوں کی نہاری کھا رہا ہو اور تیز مرچوں کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے اور ناک سے پانی بہہ رہا ہو، پسینے سے بھی شرابور ہو اور لقمہ کے ساتھ منہ سے سی سی کی آوازیں بھی نکال رہا ہو، تیز مرچ کھانے سے یہ آوازیں نکلتی ہیں۔ کسی زمانے میں ایک مرچ کمپنی تھی اس کا نام تھا ''سی سی مرچ'' یا شاید ''سی سی مصالحہ'' اس پر میں کہا کرتا تھا کہ اس کا مطلب یہ ہے اس کی مرچیں اتنی تیز ہیں کہ کھانے والوں کی سی سی نکلوا دیتی ہیں، دلی والا نہاری کھا رہا ہے، بظاہر یہ پریشان اور مضطرب نظر آرہا ہے، پسینہ پونچھ رہا ہے، بے چارہ ہل جل رہا ہے کبھی اِدھر کو کبھی اُدھر کو، کوئی ناواقف دیکھنے والا کہے کہ یہ تو بڑی مصیبت میں ہے بڑی پابندی میں ہے بڑی تکلیف میں ہے لہٰذا اس مصیبت سے چھٹکارا دلا کر اس پر احسان کرنا چاہئے لیکن وہ دلی والا کیا کہے گا؟ نہیں نہیں، مجھے

میرے حال پر چھوڑ دو میں اس مصیبت میں گرفتار ہی اچھا ہوں، مجھ پر احسان نہ کرو تمہارے احسان سے میں ایسے ہی اچھا ہوں، بس مہربانی کرو اس مصیبت میں مجھے گرفتار رہنے دو۔

ع　　اے اسیر بند مرچاں از پریشانی منال

سو آزادی کا بہتر ہونا یا پابندیوں کا بہتر ہونا اس کا معیار یہ ٹھہرا کہ ان میں سے جس چیز میں لذت و راحت و سرور ہو وہ بہتر ہے۔ یہ دو باتیں ہو گئیں۔

حصول راحت:

تیسری بات یہ کہ راحت و سرور کن حالات سے ہوتا ہے؟ اور کن حالات سے راحت و سکون کی بجائے تکالیف بڑھتی ہیں، اس کا فیصلہ کرنا ضروری ہے، ورنہ یہ کیسے پتا چلے گا کہ یہ آزادی ہمارے لئے بہتر ہے یا نہیں؟ دیکھیے ہاتھ پر پھول رکھتے ہی راحت محسوس ہونے لگتی ہے ہاتھ اس کی لطافت اور نرمی سے لذت محسوس کرتا ہے، دل و دماغ اس کی خوشبو سے معطر ہونے لگتے ہیں، اس کی بجائے دہکتا ہوا انگارہ ہاتھ پر رکھے تو ہاتھ جل جاتا ہے۔ اسی طرح آنکھ میں سرمہ ڈالیں عمدہ قسم کا جس میں کافور یا عرق گلاب کی آمیزش ہو تو مزا آتا ہے، آنکھیں ٹھنڈک اور راحت محسوس کرتی ہیں، اس کی بجائے پسی ہوئی مرچیں آنکھ میں ڈالیں تو خود سوچیں کیا حشر ہوگا؟ بظاہر انگارہ پھول سے بھی زیادہ خوش نما اور حسین لگتا ہے، پسی ہوئی مرچ بھی سرمہ کی بنسبت زیادہ پر کشش محسوس ہوتی ہے، اسی طرح سب حواس ظاہرہ ہر چیز کا اثر لیتے ہیں، اچھی چیز دیکھنے، چھونے، سونگھنے کا اچھا اثر اور بھدی بری چیز کا برا اثر لیتے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ سب چیزوں کا ایک ہی اصول ہو بلکہ بعض چیزوں سے راحت اور بعضوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ سو دنیا میں بظاہر جتنی نعمتیں نظر آ رہی ہیں ان میں امتیاز ضروری ہے کہ کون سی نعمت واقعی نعمت اور کون سی چیز دیکھنے میں نعمت اور حقیقت میں زحمت ہے؟ اس کا

فیصلہ کریں گے تو پتا چلے گا کہ اس سے آزادی میں کچھ فائدہ ہے یا نہیں؟ ویسے جتنی چاہیں آزادیاں مناتے رہیں، جھنڈے لہراتے رہیں اور نعرے لگاتے رہیں جنگی مشقیں کرتے رہیں اور جو کچھ چاہیں کرتے رہیں مگر جب تک دل آزاد نہیں ہوگا حقیقی آزادی حاصل نہیں ہوگی۔ آزادی کے نعرے بھی لگاتے رہیں گے مگر دوسروں کی غلامی کا طوق بھی گلے میں پڑا رہے گا، ان کے جوتے بھی سر پر برستے رہیں گے، خود سوچئے! ایسی آزادی نعمت ہے یا عذاب؟

نعمت کی پہچان:

آگے یہ سمجھنے کے لئے کہ کون سی چیز نعمت ہے اور کون سی چیز نعمت کی شکل میں عذاب؟ چند اصول سمجھ لیجئے! پہلا سیدھا سادھا اور فطری اصول یہ ہے کہ جس ذات نے تمام اشیاء پیدا کی ہیں، انہیں عدم سے وجود میں لائی ہے اور جو ذات ان اشیاء کی حقیقت و ماہیت کو جانتی ہے، اس کی بات مان لی جائے، وہ جس چیز کو نافع بتائے ہم بھی اپنے حق میں اسے نافع سمجھیں اور جسے نقصان دہ قرار دے ہم بھی اسے اپنے حق میں مہلک اور نقصان دہ سمجھیں، سب اشیاء کے حقائق کا عالم کون ہے؟ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ الاٰیۃ﴾ (۶۷-۱۴)

تَرجَمَۃ: ”کیا جس نے پیدا کیا اس کو معلوم نہیں؟۔“

اس کو سب معلوم ہے کہ کس چیز میں نفع ہے اور کس چیز میں ضرر ہے، اللہ تعالیٰ جیسے خود کامل ہیں ان کا علم بھی کامل ہے، ان سے زیادہ علم کسی کو نہیں ہوسکتا، دوسرا اصول یہ ہے کہ جس نے نعمتیں دی ہیں دینے والا ہی جانتا ہے کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کس مقصد سے کسی کو دی جارہی ہیں، دینے والے کی بات کا اعتبار ہے، لینے والے کا کچھ اعتبار نہیں۔ ایک شخص کسی کو شربت کے گلاس میں زہر ڈال کر دے رہا ہے

اور دل میں خوش ہے کہ زہر پیتے ہی تڑپنا شروع کر دے گا، مگر پینے والا اس سازش سے بالکل بے خبر ہے اور روح افزا سمجھ کر خوشی سے گلاس پی جاتا ہے، پینے والا بھی خوش پلانے والا بھی خوش مگر خود سوچئے کس کی خوشی سچی خوشی ہے اور کس کی خوشی وقتی اور جھوٹی؟ آپ زہر پینے والے بے وقوف کا اعتبار کریں گے یا پلانے والے عیار کا؟

مچھلی کی مثال تو دیتا ہی رہتا ہوں، شکاری لوگ کانٹے میں خراطین پھنسا کر مچھلی کا شکار کرتے ہیں، آج کل بارش میں یہ کیچوے بہت نکل رہے ہیں شکاری مچھلی کو دھوکا دینے کے لئے کانٹے میں خراطین پھنسا کر انہیں دریا میں ڈال دیتے ہیں، یہ دیکھ کر مچھلی خوش ہو جاتی ہے، خوشی سے اچھلنے لگتی ہے کہ ہم نے فلاں پیر صاحب سے وظیفہ پوچھا اور تعویذ لیا تھا، اس کی برکت دیکھئے کہ کتنی جلدی ہمیں رزق مل گیا، بلکہ گھر بیٹھے رزق خود چل کر آگیا۔ یہ سوچ سوچ کر خوشی سے پھولی نہیں سماتی اور بھاگی چلی آرہی ہے کیچوا کھانے کے لئے، لیکن یہ تو شکاری جانتا ہے کہ اس میں رزق نہیں بلکہ مچھلی کی موت ہے لینے والے کو کچھ معلوم نہیں، دینے والا ہی جانتا ہے جس نے کانٹے میں کیچوا لگا رکھا ہے کہ اس رزق کی صورت میں مچھلی کو کیا ملے گا، وہ دل ہی دل میں خوش ہے، مچھلی سے کہتا ہے ہولے خوش بس ابھی چند لمحوں میں پتا چل جائے گا۔

یاد کر لیجئے یہاں تک یہ دو قاعدے بیان ہو گئے ایک یہ کہ جو ذات تمام اشیاء کو پیدا کرنے والی اور ان کی حقیقتوں کو جاننے والی ہے اسی کا فیصلہ معتبر اور قابل اتباع ہے۔

دوسرا قاعدہ یہ کہ دینے، لینے والے میں سے دینے والے کی بات کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

تیسرا قاعدہ بھی سمجھ لیجئے وہ یہ کہ جس ذات کے قبضے میں سب کچھ ہے عقل کا تقاضا ہے کہ جب تک اس کو راضی نہیں کریں گے وہ مالک اس حال میں جو کچھ بھی دے گا اس میں برکت اور رحمت نہیں ہو سکتی، وہ حقیقت میں عذاب ہی عذاب ہوگا، کئی بار پہلے بھی یہ بات بتا چکا ہوں، یہ کوئی مشکل بات نہیں بلکہ عقل کا قطعی فیصلہ ہے، دنیا کا پاگل سے پاگل بھی یہ موٹی سی حقیقت جانتا ہے کہ جس کے قبضے میں سب کچھ ہو

اس سے اگر آپ کچھ بھی لینا چاہیں تو اس کو راضی کئے بغیر اس سے کچھ بھی نہیں لے سکتے، ناراض ہونے کی صورت میں اول تو وہ دے گا نہیں، ثانیاً کچھ دے بھی دیا تو وہ لینے والے کے حق میں کبھی بھی فائدہ مند نہ ہوگا، بلکہ دینے والا ضرور اس میں زہر ڈال کر دے گا، جس میں لینے والے کا کوئی نفع نہیں بلکہ اس کے لئے موت ہے، بہرحال اپنے سے زبردست اور غالب کو راضی کئے بغیر اس سے کچھ لینا ممکن نہیں۔

رب کی رضا کیسے حاصل ہو؟

راضی کرنے کا مطلب بھی سمجھ لیجئے! آپ لوگوں کے ذہن میں تو یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ مالک کو راضی کر لینا بڑا آسان ہے، فلاں وظیفہ پڑھ لو اور اتنی تسبیح استغفار کی، اتنی تسبیح کلمہ کی پڑھ لو بس اللہ تعالیٰ ان تسبیحات اور وظائف سے خوش ہو جائیں گے، ان کی نافرمانی چھوڑنے کی ضرورت نہیں جو جی میں آئے کرتے رہو، بس تسبیح ہاتھ میں رہے۔ معاذ اللہ! آج کا مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو کسی پاگل انسان کے ساتھ کیا جاتا ہے، فلاں وظیفہ پڑھ لو اللہ تعالیٰ راضی، فلاں تسبیح پڑھ لو اللہ تعالیٰ خوش، خالق کے بجائے مخلوق کو تو اس طرح سے راضی کر کے دکھایئے، کسی شخص کی بات نہ مانیں ہر بات میں اس کی مخالفت کریں لیکن ساتھ ساتھ منہ پر اس کے سامنے جھوٹی تعریف اور خوشامد کرتے رہیں، بتایئے! کیا کوئی پاگل بھی اس طریقے سے راضی ہوگا؟ ہرگز نہیں، جب کوئی مخلوق اس طریقے سے دھوکے میں نہیں آ سکتی تو اللہ تعالیٰ کس طرح راضی ہوں گے؟ وہ تو بار بار اعلان پر اعلان فرما رہے ہیں کہ جو میری نافرمانی نہیں چھوڑے گا وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا بچ کر کہیں جا ہی نہیں سکتا، قرآن میں وہ بار بار اعلان کر رہے ہیں مگر آج کے مسلمان کا قرآن پر ایمان ہو تو بات سمجھ میں آئے، قرآن پر تو بس اتنا ایمان ہے کہ اس کو پڑھ لو، پڑھ کر مٹھائیاں کھالو، بس پڑھ پڑھ کر ختم کر کر کے مٹھائیاں کھاتے کھلاتے رہو، قرآن گویا اترا ہی ان کو

مٹھائیاں کھلانے کے لئے ہے، آج کے مسلمان کا قرآن پر ایمان ہے اسے قرآن سے محبت بھی ہے مگر مٹھائیاں کھانے کی حد تک، اللہ کرے کہ قرآن پر صحیح ایمان آجائے۔
یہ تین باتیں ہوئیں۔

عقل و نقل کا قطعی فیصلہ:

چوتھی بات یہ کہ آپ دنیا میں تجربہ کرلیں، مشاہدہ کریں، لوگوں کے حالات کا تجزیہ کریں، پوری دنیا کا چکر لگالیں اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہ رہیں گے کہ دنیا میں کسی نافرمان کو کبھی بھی سکون نہیں ملتا، یہ عقل و نقل کا قطعی فیصلہ ہے، دنیا میں کبھی بھی اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا، نافرمان کے لئے سکون و چین حرام ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوگا سکون اور چین سے محروم ہوگا یہ نعمت کبھی بھی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ تجربہ کرکے دیکھ لیجئے نافرمانی اور سکون دو متضاد چیزیں ہیں جو کبھی بھی یکجا جمع نہیں ہوسکتیں، اول تو کسی گناہ گار اور نافرمان کو آپ سکون میں دیکھیں گے نہیں، ثانیاً دیکھ بھی لیا تو یہ نظر کا دھوکہ ہوگا ورنہ یہ ناممکن ہے محال ہے کہ نافرمان نافرمانی سے باز آئے بغیر سکون سے رہ سکے، ہاں دیکھنے والے سطح بین لوگوں کو اس ظاہری عیش و عشرت اور چمک دمک دیکھ کر یہ دھوکا ہونے لگتا ہے کہ یہ شخص بڑے مزے میں زندگی گزار رہا ہے۔

درسِ عبرت:

ایک مستجاب الدعوات بزرگ تھے، انہوں نے کسی شخص سے کہا تم جو دعاء کہو تمہارے لئے کردیتا ہوں مگر دعاء کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرو اس لئے کہ دعاء صرف ایک ہی بار کروں گا، اگر وہ ایک دعاء بھی اُلٹی پڑگئی تو عمر بھر روتے پھرو گے، پھر دوبارہ دعاء نہیں ہوگی، خوب سوچ لو اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرکے بتاؤ۔ یہ سن کر وہ سوچ میں پڑگیا، سوچتے سوچتے ایک تجویز ذہن میں آئی کہ شہر بھر کے لوگوں کا جائزہ لوں جو شخص سب

سے زیادہ آسودہ حال اور تونگر نظر آئے اس کا نام بتا کر دعاء کراؤں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس جیسا بنا دے، آخر جستجو کرتے کرتے ایک جوہری پر نظر پڑ گئی جو دیکھنے میں بہت صحت مند اور موٹا تازہ تھا، اپنی دکان میں ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے، تجوریاں بھری پڑی ہیں، ہر طرف اشرفیوں کی بارش ہے، آگے پیچھے نوکروں کا تانتا بندھا ہے، سواریوں کی قطاریں ہیں، ہر طرف ''ہٹو بچو'' کا شور ہے، یہ منظر دیکھ کر اس کے منہ سے ریال ٹپکنے لگیں۔ ریال تو سمجھتے ہیں نا؟ یہ میری خاص اصطلاح میں رال کی جمع ہے، ایک آئے تو رال ہوتی ہے زیادہ ٹپکنے لگیں تو ریال، لوگ ریالوں پر تو رالیں ٹپکا رہے ہیں، گھروں سے بے گھر ملکوں میں سرگرداں پھر رہے ہیں، ریال جمع کرنے کی خاطر، جہاں کہیں ریال کا نام سنا بس ریال ٹپکنے لگیں، جوہری کو دیکھ کر یہ بھی بہت خوش ہوا ریال ٹپکنے لگیں، دل میں سوچنے لگا بس آج کام بن گیا بھاگتا ہوا اس بزرگ کے پاس پہنچا اور کہا جلدی سے دعاء کر دیجئے کہ فلاں جوہری جیسا بن جاؤں۔ انہوں نے فرمایا اچھی طرح سوچ لو دیکھ بھال لو، میں دعاء کروں گا لیکن دعاء الٹی پڑ گئی تو پھر رونا مت، اس لئے بہتر ہے کہ مزید تحقیق کر لو، اس نے کہا نہیں بس یہ تو قطعی فیصلہ ہے مزید سوچنے کی ضرورت نہیں، بس آپ جلدی سے دعاء کر دیجئے، بزرگ نے فرمایا جس جیسا بننے کی دعاء کرا رہے ہو اس سے ذرا پوچھ تو لو، مگر اسے ایک ہی ضد کہ جلدی دعاء کیجئے اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ پوچھنے کی بات تو ہے ہی نہیں یہ تو سو فیصد بلکہ دو سو فیصد پکی بات ہے پھر پوچھنے سے کیا فائدہ؟ ان باتوں کو چھوڑیئے دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ جلدی مجھے اس جیسا بنا دیں۔

جیسے یہاں ایک حکیم صاحب آئے تھے ان کی زبان پر بھی ایک بات تھی کہ فلاں لڑکی مجھے دلا دیں، خواہ کچھ بھی ہو لڑکی ہر قیمت پر دلا دیجئے۔ میں نے کہا سنت کے مطابق استخارہ کریں، اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ کے لئے بہتری ہوگی تو مل جائے گی، مگر پھر بھی ان کی وہی رٹ کہ لڑکی دلا دیں۔ خواہ بعد میں وہ گلا پکڑ کر جوتے ہی

لگاتی رہے۔ جتنا سمجھاؤ مانتے ہی نہیں، پھر جب کوڑا دکھایا تو بھاگے دماغ درست ہوگیا۔

بزرگ نے اسے کہا کہ جوہری سے مل کر ذرا پوچھ لو پوچھنے میں تمہارا بگڑتا کیا ہے؟ جب جوہری سے جا کر پوچھا تو اس نے ٹال دیا کہ تمہیں کیا پڑی میرے حالات پوچھنے کی، لیکن جب اس نے سارا قصہ بتا دیا تو جوہری نے کہا اللہ کے بندے جیسی تکلیف اور پریشانی میں میں مبتلا ہوں ایسا پوری دنیا میں شاید کوئی نہیں ہوگا، میں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میرے جیسا بننے کی دعاء کبھی بھول کر بھی مت کروانا، اس نے اپنی پریشانی کی تفصیل بتائی، اس وقت یہاں تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔

بہرحال آپ جن لوگوں پر رالیں ٹپکاتے رہتے ہیں کہ فلاں سیٹھ صاحب فلاں دولت مند کروڑ پتی اور فلاں فلاں..... سب کا تصور کر کے رالیں ٹپکاتے ہیں اگر گہرائی میں اتر کر ان لوگوں کے حالات کا جائزہ لیں تو ان سب کا حال بھی اس پریشان جوہری سے مختلف نہیں بلکہ شاید اس سے بھی کہیں بدتر دکھائی دے، اگر یقین نہ آئے تو خواہ انہی سے پوچھ لیجئے یا چند روز ان کے پاس رہ کر دیکھ لیجئے، خود اندازہ ہو جائے گا، یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں، ان پر تو اللہ تعالیٰ نے سکون و اطمینان کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس جس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا وہ دیکھنے میں کتنی بڑی مصیبت میں ہو، کھانے کو چنے، پہننے کے لئے بمشکل ستر ڈھانکنے جیسی لنگوٹی اور رہنے کے لئے جھونپڑی تک مشکل سے نصیب ہو مگر اس کے دل سے کوئی پوچھے کہ کتنے سرور میں ہے، کیسی راحت اور کس قدر لذت میں ہے۔

ع اے اسیر بند زلفش از پریشانی منال

وہ تو اسیر بند زلف محبوب ہوتا ہے اس کے نشاط اور مستی کا کیا پوچھنا۔

اب تک جو میں نے بیان کیا ہے اس کی روشنی میں سوچ لیجئے کہ جو آزادی ہم نے حاصل کی اور جس پر ہم جشن منا رہے ہیں، ہر طرف خوشی کے شادیانے بج رہے

ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ واقعی آزادی کی نعمت ہے جس سے ہمیں سکون قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے یا آزادی کے نام سے بدترین غلامی اور قید ہے، جس سے مصائب اور پریشانیاں پہلے سے زیادہ ہوگئیں؟ سوچ کر خود فیصلہ کیجئے۔

مسلمانوں کے کرتوت:

دورِ غلامی اور دورِ آزادی دونوں کا موازنہ کیجئے، غلامی کے دور میں جو مشکلات اور پریشانیاں تھیں کیا آزادی حاصل کرنے کے بعد ان سے چھٹکارا مل گیا؟ آزادی سے پہلے انگریز مسلمانوں کی دنیا و آخرت کو تباہ کر رہے تھے اور ہندو مسلمانوں کا خون بہاتے تھے آج کیا ہے؟ مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ آج کے مسلمان نے ظلم وزیادتی، قتل و غارت گری میں کفار کو بھی مات دے دی ہے، ظلم کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں مسلمانوں کے کرتوت سب کے سامنے ہیں، عیاں راچہ بیاں۔ خود ہی بتائیے کہ یہ جو آزادی کے جشن منائے جا رہے ہیں کیا ان کا کوئی جواز ہے؟ سوچ ایسی الٹی ہوگئی کہ مصائب و آلام اور قید و بند کا نام ہی آزادی رکھ لیا ہے اور اپنے آپ کو مسلسل دھوکا دیتے رہتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں، اگر واقعی آزادی کے خواہش مند ہیں تو مصائب کو آزادی سے بدلنے کا نسخہ سن لیجئے۔

مصائب کو آزادی سے بدلنے کا نسخہ:

نسخہ صرف ایک ہی ہے کہ مالک کی نافرمانی چھوڑ دیں، اسے راضی کرلیں بس ہر مصیبت سے ہر پریشانی سے آزاد ہو جائیں گے۔ آزادی سے متعلق ایک اہم بات مزید سمجھ لیں اللہ کرے کہ یہ بات سمجھ میں آجائے وہ یہ کہ کوئی شخص دشمن کے چنگل سے نکل جائے، دشمن کی گرفت سے آزاد ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں ماشاء اللہ! آزاد ہوگئے، رہائی مل گئی، ہم لوگ عرصہ دراز سے ظالم انگریز کی گرفت میں تھے اس سے آزاد ہوگئے، اس لئے خوشیاں مناتے ہیں، مگر دوسری طرف یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقی

آزادی اور سچی خوشی وہ ہے جس میں انسان ہر قسم کی قید و پابندی سے چھوٹ جائے، اگر چھوٹے دشمن سے بچ کر بڑے دشمن کی گرفت میں چلے گئے تو وہ آزادی کہاں ہوئی؟ وہ تو بربادی ہوئی، یہ وہی قصہ ہوگیا کہ بھیڑیا بکری کو پکڑ کر لے جارہا تھا ایک شخص نے آگے بڑھ کر بھیڑیئے سے اسے چھڑا لیا بکری کی جان میں جان آئی، خوش ہوکر اس کا شکریہ اداء کرنے لگی کہ حضور جزاک اللہ جزاک اللہ آپ نے مجھے دشمن کے چنگل سے چھڑا لیا آپ نے مجھے آزادی دلا دی، دل ہی دل میں خوش ہوکر جشن آزادی منا رہی تھی کہ اس شخص نے چھری اٹھائی اور اس کی گردن پر رکھ دی، یہ دیکھ کر بکری کی خوشیاں خاک میں مل گئیں، اب کہتی ہے ارے ظالم مجھے معلوم نہیں تھا کہ تو تو خود بھیڑیا ہے تو تو اس سے بھی بڑا بھیڑیا نکلا۔

سوچئے حقیقی آزادی کون سی ہوتی ہے جس میں دشمن سے چھوٹنے کے بعد کسی دوسرے دشمن کی گرفت میں نہ چلا جائے، جب حقیقی خوشیاں نصیب ہوں ایسی آزادی تو مبارک ہے اور اس پر خوشیاں منانے کا بھی جواز ہے لیکن آزاد ہوتے ہی انسان اسی جیسے بلکہ اس سے بھی بڑے دشمن کے پنجے میں آجائے نفس اور شیطان کی قید میں چلا جائے تو یہ آزادی کس کام کی؟

جیسے کوئی پرندہ پنجرے میں بند ہو وہاں سے بھاگے لیکن جیسے ہی اوپر پہنچے اور عقاب اسے جھپٹ لے، اب سوچئے اس آزادی سے اسے کیا ہاتھ آیا سوائے اس کے کہ جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا، پنجرے میں جس حال میں تھا زندہ تو تھا مگر نکلتے ہی عقاب نے چیر پھاڑ کر ختم کر دیا، لمحہ بھر کی اس کی رہائی کو آزادی کا نام دینا اور اس کا جشن منانا کیا عقل کی بات ہے؟ ان باتوں کو سوچیں۔ ویسے شاید بھول جائیں نمبروار یاد کیجئے۔

حقیقی دشمن:

1. آزادی حقیقی معنوں میں وہ ہے کہ آپ ہر قسم کے دشمنوں سے آزاد ہو جائیں،

چھوٹے دشمن سے چھوٹ کر اس سے بڑے دشمن کی گرفت میں چلے گئے تو وہ آزادی نہیں قید ہے، بلکہ یہ قید اس پہلی قید سے بھی بدتر ہے۔

❷ سب سے بڑا دشمن کون ہے؟ انسان کا اپنا نفس، جو ہر وقت برائیوں کا حکم دیتا ہے، گناہوں پر اکساتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنا دیا:

"اِنَّ اَعْدٰی اَعْدَائِکَ مَا بَیْنَ جُنْبَیْکَ"

تیرا سب سے بڑا دشمن سب سے بدترین دشمن تیرے پہلو میں ہے، وہ تیرا دل ہے جو تجھے برائیوں کا حکم کرتا ہے، جو تیری دنیا کو بھی تباہ کرتا ہے اور آخرت کو بھی تباہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے، سب سے بڑا دشمن تو یہ ہے، دوسرے درجے میں دشمن شیطان ہے وہ بھی ہر وقت ساتھ رہتا ہے، پریشان کرتا ہے، جہنم میں لے جانا چاہتا ہے یہ دو دشمن ہوئے، شیطان کی دشمنی تو سب کو معلوم ہے اس دشمن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ۚ الآیۃ﴾ (۳۵-۶)

بلاشبہہ یہ بات یقینی طور پر سمجھ لو "اِنَّ" کے معنی یہ بات محقق ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ یہ بات یقینی ہے شیطان تمہارا دشمن ہے، پھر اتنے پر بھی اکتفا نہیں، آگے فرمایا "فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا" اس کو دشمن ٹھہرالو، اللہ تعالیٰ کتنی تاکید فرما رہے ہیں، جب یہ بتا دیا کہ یہ بات یقینی ہے بلاشبہہ ہے کہ یہ تمہارا دشمن ہے تو اس سے آگے اور بڑی بات کیا رہ جاتی ہے، اس کے باوجود فرمایا کہ اس کو دشمن ٹھہرا لو، اسے اپنا دشمن سمجھو، اس کی چالوں سے ہوشیار رہو، اس بات کو بار بار سوچا کرو کہ یہ بڑا دشمن ہے، بدترین دشمن ہے، دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان وہ ہے جس نے تمہارے ابا اور تمہاری اماں کا لباس اتار دیا تھا، اس بدترین دشمن نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو جنت میں ایسا دھوکا دیا کہ ان کا لباس اتر گیا یاد رکھو یہ شیطان وہ ہے کہ اس نے تمہارے ابا اور تمہاری اماں کو بے لباس کر دیا، جب آدم اور حوا کو نہ چھوڑا تو تمہارے ساتھ کیا

کرے گا؟ خوب سوچ لو کہ شیطان کی دشمنی کا یہ عالم ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تیرا نفس اس سے بھی بڑا دشمن ہے اور قرآن کریم میں بھی اس پر بار بار تنبیہ فرمائی گئی مثلاً:

﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ ؕ الاٰیة﴾ (۲۵-۴۳)

ترجمہ: ''اے رسول! آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا اللہ اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔''

اس سے صاف معلوم ہوا کہ سب سے بدترین اور خطرناک دشمن اپنا نفس ہے جو اندر چھپا ہوا ہے، نفس و شیطان کی دشمنی کے بارے میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے قطع نظر عقل کی رو سے بھی انسان سوچے تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے، اس لئے کہ اگر انسان کا انسانوں میں سے کوئی دشمن ہوتا ہے تو وہ سامنے آکر مقابلہ کرتا ہے لیکن یہ دونوں دشمن سامنے نہیں آتے، ظاہر نہیں ہوتے بلکہ گوریلا جنگ لڑتے ہیں اس لئے زیادہ خطرناک ہیں، دشمن کتنا ہی قوی و بہادر ہو لیکن سامنے آکر لڑے تو اس کا مقابلہ اور دفاع آسان ہوتا ہے لیکن نفس و شیطان نظر نہیں آتے ان کا وار بھی ہمیشہ مخفی اور خطرناک ہوتا ہے، شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ؕ﴾ (۷-۲۷)

شیطان اور اس کا پورا قبیلہ تمہیں دیکھ رہا ہے مگر تم ان کو نہیں دیکھ رہے، اس لئے ان کے شر سے بچتے رہو، ہوشیار رہو، غفلت میں پڑ گئے تو یہ گوریلا دشمن جو ہر وقت گھات میں ہے تم پر وار کردے گا اور تمہاری دنیا و آخرت تباہ کردے گا۔

۳ نفس اور شیطان انسان کو بظاہر اپنے دوست معلوم ہوتے ہیں اس لئے ان کا ہر تقاضا انسان کو مزین اور بھلا معلوم ہوتا ہے یہ تقاضا دل میں اٹھتے ہی انسان چاہتا ہے کہ میں جلد اس کو پورا کروں، مثلاً نفس نے تقاضا کیا کہ جھوٹ بول کر دھوکا دے کر فلاں شخص کا پیسہ مار لو، بنی اسرائیل کی مچھلیاں سامنے آئیں تو کچھ دیر نظر بازی کرلو،

منکرات و معاصی کو بالخصوص بدعات کو مزین کر کے پیش کرتا ہے، گویا کہ وہ ظالم حلوے میں زہر ملا کر کھلا رہا ہے، حلوے میں زہر بہت خطرناک ہے۔

بے دین معاشرہ:

ان دو قسموں کے علاوہ ایک تیسری قسم ہے، اسے مستقل قسم کہہ لیجئے یا انہی دو قسموں میں شامل سمجھ کر شیطان کے انڈے بچے کہہ لیجئے، یہ قسم ہے برا معاشرہ، اس معاشرہ میں رہنے والا دیندار شخص بڑی آزمائش میں ہے، بے چارہ ایک مسلمان ہر طرف سے شیاطین کے گھیرے میں ہے، عزیز واقارب بے دین، دوست احباب بے دین حتیٰ کہ اپنے والدین بیوی بچے تک بے دین، ہر طرف بے دینی کی ایک یلغار ہے پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں ہے، یہ بے دین معاشرہ، یہ شیطان کے انڈے بچے شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، اس لئے کہ شیطان کا شیطان اور دشمن ہونا تو سب سمجھتے ہیں مگر شیطان کے روپ میں ان انسانوں کو آپ اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہمارے عزیز دوست ہیں، رشتہ دار ہیں، حالانکہ یہی دوست آپ کے حق میں شیطان ہیں، شوہر دیندار ہے تو اس کے لئے بیوی شیطان ہے اور بیوی دیندار ہے تو شوہر اس کا شیطان ہے، والدین نیک ہیں تو اولاد ان کے لئے شیطان اور کہیں اس کے برعکس اولاد نیک اور ان کے والدین شیطان، کہیں بھائیوں میں یہ تقسیم، غرض گھر گھر میں شیطان نے جال پھیلا رکھے ہیں، یہ شیطان کے بندے مل کر آپ کا دین برباد کرنا چاہتے ہیں، ان کے مقابلے میں آپ کا دین پر قائم رہنا یقیناً بہت بڑا جہاد ہے، بہت ہی بڑا جہاد، اس قسم کے حالات پیش آنے پر بہت سے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں، ان کو پریشان نہیں ہونا چاہئے بلکہ الحمد للہ! کہنا چاہئے الحمد للہ! الحمد للہ!! ارے مجھے تو بڑا مزا آرہا ہے آپ بھی ایسے ہی مزے لے لے کر کہا کریں الحمد للہ! اور سوچا کریں میرے اللہ کا یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ گھر بیٹھے اس نے جہاد کا موقع دے دیا، جہاد کا ثواب

حاصل کرنے کے لئے کئی مجاہدین افغانستان جا رہے ہیں، کشمیر جا رہے ہیں مگر میرے اللہ کا کرم دیکھئے کہ جس نے مجھے گھر بیٹھے جہاد کا موقع دے دیا، بیوی دین کی دشمن، والدین دین کے دشمن، بہن بھائی دین کے دشمن، دوست احباب دین کے دشمن، غرض دشمنوں کی پوری ایک فوج جمع ہے جو مل کر آپ کو جہنم میں دھکیلنا چاہتی ہے، لیکن آپ بھی ڈٹ جائیں ایسی استقامت دکھائیں کہ یہ پوری شیطانی فوج مل کر بھی آپ کو ایک بال برابر دین سے منحرف نہ کر سکے، ایسی استقامت اور مضبوطی دکھائیں کہ یہ سب دشمن گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں اور تسلیم کر لیں کہ یہ واقعی مسلمان ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے دین سے پھیر نہیں سکتی، گھر بیٹھے شیطان کا مقابلہ کرنا استقامت دکھانا کوئی معمولی بات نہیں جہاد ہے، عظیم جہاد، ایسی آزمائش آنے پر پریشان ہونے کی بات نہیں بلکہ مسلمان کو خوش ہونا چاہئے، آپ کو یہ موقع پیش آئے تو دو رکعت شکرانہ ادا کریں، سات بار الحمد للہ! کہیں اور دعاء کریں کہ یا اللہ! تیرا کرم ہے کہ تو نے گھر بیٹھے جہاد کی نعمت عطاء فرما دی، تجھے اپنی اسی نعمت اور اس رحمت کا صدقہ کہ تو اس جہاد میں مجھے کامیاب فرما، استقامت عطاء فرما، یا اللہ! یہ فرعونی تو تیں مجھے گرانے کے لئے جمع ہو گئی ہیں تو ان کو ہدایت دینے پر بھی قادر ہے یا اللہ!! ان کو ہدایت دے دے اگر ہدایت ان کے مقدر میں نہیں تو ان کو تباہ و برباد کر دے، جو آیت میں مسلسل تین جمعات سے پڑھ رہا ہوں اس کا ترجمہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا، ان کو جہنم کے اندھیروں سے نکال کر جنت کے نور کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں جو ان کو نور جنت سے نکال کر جہنم کے اندھیروں کی طرف لے جانا چاہتے ہیں یا اللہ! تو ہم سب کو اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل فرما لے، ہمیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرما، دنیا کی جہنم سے بھی بچا، آخرت کی جہنم سے بھی نجات عطاء فرما، یا اللہ! ہر قسم کی جہنم سے بچا کر اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرما۔

حقیقی آزادی:

بات آزادی کی چل رہی تھی، ان دنوں اس کا بڑا چرچا ہے، ہر طرف آزادی کی رٹ لگ رہی ہے، ملک بھر میں اس کا ڈھنڈھورا پیٹا جا رہا ہے اور بڑے جوش وخروش سے آزادی کے نام پر ایک طوفان برپا ہے ہر طرف جھنڈے لہرا رہے ہیں، جنگی مشقیں دکھائی جا رہی ہیں، اخباروں میں بیان بازی ہو رہی ہے، ریڈیو ٹی وی پر بھی قوم کے لیڈر خوب تقریریں جھاڑ رہے ہیں، سننے والے جھوم رہے ہیں، ان باتوں کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ کیا واقعی آپ کو آزادی ملی ہے یا آزادی کا دھوکا ہے۔ آزادی کا معیار پہلے بتا چکا ہوں کہ حقیقی آزادی وہ ہے جس سے دلوں میں سکون وسرور پیدا ہو، راحت واطمینان نصیب ہو، ہر قسم کے قید و پابندی سے انسان چھوٹ جائے، اس کی بجائے اگر زبان پر آزادی کے نعرے ہوں اور دل میں بے چینی ہو، ہر طرف پریشانیاں ہوں، پورا معاشرہ عذاب میں مبتلا ہو، رہا سہا سکون بھی غارت ہو جائے تو اسے آزادی کا نام دینا کسی طرح درست نہیں، قید و بند میں جکڑے رہنے کے باوجود اگر اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اور ہر طرف آزادی آزادی کا شور برپا کر رکھا ہے اس کو آزادی کا نام تو نہیں دے سکتے البتہ استدراج کہہ سکتے ہیں، استدراج کے کیا معنی ہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو ڈھیل دی جاتی ہے، یہ ایک قسم کا ابتلاء اور امتحان ہوتا ہے کہ دیکھئے یہ بندہ ان حالات کو دیکھ کر میری طرف متوجہ ہوتا ہے یا مجھ سے اعراض کرتا ہے، میری نافرمانی سے باز آتا ہے یا نہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے، خوب سمجھ لیجئے کہ بہت سی چیزیں جو بظاہر نعمت نظر آتی ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوتا ہے۔

ومن یحمد الدنیا لعیش یسرہ
فسوف لعمری عن قریب یلومہا

اذ ادبرت کانت علی المرء حسرة
واذا اقبلت کانت کثیرا همومها

جس نے دین کی بجائے دنیوی ترقی کو معیار بنالیا، دنیوی ترقی کو کامیابی کا مدار سمجھ لیا زندگی کا مقصد سمجھ لیا اسے کبھی سکون میسر نہیں آسکتا، یقین نہ آئے تو اس کے حالات کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے۔

بندگانِ ہوس:

ومن یحمد الدنیا لعیش یسره
فسوس لعمری عن قریب یلومها

کسی دنیا کے بھوکے کو دنیا کی نعمتیں مل جائیں، مال و دولت کے انبار ہاتھ لگ جائیں تو انجام کار وہ پچھتائے گا اور روئے گا کہ کاش یہ دنیا میرے ہاتھ نہ آتی، دولت کی بہتی گنگا دیکھ کر جن کی رالیں ٹپکنے لگتی ہیں کہ ہم بھی اس میں ہاتھ ڈالیں اس میں سے کچھ دولت ہمارے ہاتھ بھی آجائے ان بندگان ہوس کو اس سے سبق لینا چاہئے کہ بالفرض یہ ساری ہوس پوری ہو جائے، دل کے سب ارمان نکل جائیں تو بھی انجام حسرت وافسوس کے سوا کچھ نہ ہوگا، آخر میں یہ شخص پچھتائے گا اور اپنے آپ کو ملامت کرے گا کہ کاش یہ دنیا کی دولت میرے پاس نہ ہوتی کاش میں اس کی حرص نہ کرتا، اس کے لئے دعائیں کر کر کے وظیفے پڑھ پڑھ کر میں نے غلطی کی اس دنیا کا آنا بھی مصیبت اس کا جانا بھی مصیبت۔

اذا ادبرت کانت علی المرء حسرة
واذا اقبلت کانت کثیرا همومها

حب مال کے مریض کی یہ حالت ہے کہ دنیا کی نعمتیں جب اس کے پاس نہیں ہوتیں دوسروں کے پاس دیکھتا ہے تو اس پر حسرت چھا جاتی ہے، حسرت بھری نگاہوں

سے دیکھتا ہے، دیکھ دیکھ کر مرا جا رہا ہے اور دل پر سانپ لوٹ رہے ہیں، جو اچھی چیز کسی کے ہاتھ نظر آئی رال ٹپک پڑیں کہ کاش یہ میرے پاس ہوتی، دوسروں کی چیزیں دیکھ دیکھ کر حسرت و افسوس کے ساتھ ساتھ ناشکری کے جذبات بھی ابھر آئے، کہیں اچھی سی گاڑی نظر آئی اور اس نے آہیں بھرنا شروع کر دیں ہائے! میرے پاس تو سائیکل بھی نہیں اور یہ اتنی اچھی گاڑی لئے پھر رہا ہے کاش یہ گاڑی میرے پاس ہوتی، ایسے ہی اچھا سا مکان نظر آیا تو بھی یہی حسرت کہ میرے پاس تو جھونپڑی بھی نہیں اور اس نے اتنی بڑی عمارت بنالی، کاش یہ میرے پاس ہوتی یہ سوچ سوچ کر مرا جا رہا ہے بس مرا جا رہا ہے، ایک دن میں نہ معلوم کتنی بار مرتا ہے بلکہ ہر گھڑی، ہر لمحہ چھریاں چل رہی ہیں اور مر رہا ہے، اہل جہنم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ﴾ (۱۴-۱۷)

ترجمہ: ''اور ہر طرف سے اس پر موت کی آمد ہوگی اور کسی طرح مرے گا نہیں۔''

جب یوں مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آیا تو وظیفہ پوچھنے ایک عامل کے پاس گئے، دوسرے کے پاس تیسرے چوتھے کے پاس سب نے ایک ہی تشخیص کی کہ کسی نے بندش لگادی ہے، اچھا تو کھولو بندش، بندشیں کھلواتا رہا، پھر قسمت کا سوراخ بھی کشادہ کرتا رہا۔

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ مکان کی چھت پر اناج کا ڈھیر ہے، چھت میں چھوٹے بڑے کئی سوراخ ہیں جن میں سے اناج کے دانے گر رہے ہیں، سوراخوں کی وسعت کے مطابق کم و بیش گر رہے ہیں، وہاں کوئی نگران بھی ہے، اس شخص نے نگران سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ قسمت کے سوراخ ہیں، ہر شخص کی قسمت کے مطابق چھوٹے بڑے ہیں، اس نے پوچھا کہ میری قسمت کا سوراخ کون سا ہے؟ اس نے دکھایا تو وہ بہت چھوٹا تھا، جس میں سے کوئی کوئی دانہ گر رہا تھا، نگران سے پوچھا کہ اجازت ہو تو میں اپنی قسمت کا سوراخ کشادہ کرلوں، اس نے کہا

اجازت ہے، اس نے اپنی قسمت کے سوراخ کو کشادہ کرنے کے لئے اس میں انگلی ڈال کر اس کو گھمانا شروع کیا، اتنے میں آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ اپنے پاخانے کے مقام میں انگلی گھمارہا ہے۔ یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد جب دولت ہاتھ آگئی تو اب پہلے سے بھی زیادہ مصیبت میں گرفتار، دولت کیا ہاتھ آئی مصیبت گلے پڑ گئی، سیٹھ صاحب نے کارخانہ لگوایا اور خوشیاں منا رہا تھا کہ مزدوروں نے ہڑتال کر دی، جلوس نکالا اور خود سیٹھ صاحب پر چڑھائی کر دی، انہیں کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا کہ یا ہمارے مطالبات پورے کرو ورنہ جان سے ماردیں گے، ان کے مطالبات پورے کر دیئے، تنخواہیں بڑھادیں، لیکن کچھ دن بعد نیا ہنگامہ اس سے پیچھا چھڑایا تو تیسرا ہنگامہ، غرض پوری زندگی ہنگاموں کی نظر، اب سیٹھ صاحب افسوس کر رہے ہیں پچھتا رہے ہیں کہ یہ پیسہ اور دولت کما کر مصیبت اپنے سر لی، کاش عاملوں سے بندشیں نہ کھلواتا قسمت کے سوراخ تنگ ہی رہنے دیتا، مگر وہ حب دنیا کا مریض ہے، مرض کہاں آسانی سے نکلتا ہے، حسرت وافسوس بھی کر رہا ہے اور اس سانپ کو اپنے ساتھ چمٹا کر بھی رکھا ہے اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتا، ارے محبوب! تیرے عشق میں مر تو جاؤں گا، جان دے دوں گا، چھوڑوں گا نہیں، جان جائے تو جائے لیکن تیرا دامن ہاتھ سے نہ جائے۔

ایک ریچھ پانی میں بہتا چلا جارہا تھا، دور سے کسی حریص کی نظر پڑ گئی وہ سمجھا کہ کمبل بہا چلا جارہا ہے، بس یہ خیال آتے ہی اسے پکڑنے کے لئے پانی میں کود پڑا مگر جب قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ کمبل نہیں بلکہ ریچھ ہے، ریچھ بے چارہ پانی میں بہتا جارہا تھا، معلوم نہیں کتنے روز کا بھوکا تھا یہ قریب پہنچا تو ریچھ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے غذا بھیج دی، مضبوطی سے پکڑ لیا یہ ریچھ کے ساتھ ساتھ پانی میں بہا جارہا ہے، کنارے پر اس کے جاننے والے جو ساتھی کھڑے تھے وہ یہ منظر دیکھ کر بڑے حیران ہو رہے تھے کہ اسے کیا ہو گیا؟ کمبل لانے کی بجائے خود اس کے ساتھ بہتا چلا جارہا ہے، کہیں

ڈوب ہی نہ جائے اور وہ آوازیں دے رہے ہیں، چلا چلا کر پکار رہے ہیں ارے! کمبل قابو میں نہیں آتا تو چھوڑ دو جانے دو کمبل کو، اپنی جان بچاؤ کمبل کو جانے دو، وہ جواب دیتا ہے:

''میں تو کمبل کو چھوڑ رہا ہوں کمبل بھی تو مجھے چھوڑے۔''

میں کمبل کو چھوڑ رہا ہوں کمبل مجھے نہیں چھوڑ رہا کمبل سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔ یہی حال ان دنیا دار لوگوں کا ہے دنیا کی خاطر ذلیل ہو رہے ہیں، جوتے کھا رہے ہیں، لیکن پھر بھی اس سے چمٹے ہوئے ہیں، اس سے جدائی گوارا نہیں۔

دنیا طلبی کا انجام:

ایک شخص نے بتایا کہ ہم لوگ بڑے مال دار اور لاکھوں پتی ہیں، میرے بیٹے نے شادی کے لئے ایسی لڑکی کا انتخاب کیا جو ہمارے خاندان سے بھی بڑھ کر امیر ہے، ہم لاکھوں پتی ہیں وہ کروڑوں پتی ہیں، اس کا اپنا ہی بیان ہے کہ میں نے لڑکے کو بہت سمجھایا نصیحت کی کہ بیٹا! اس لڑکی میں کوئی خوبی نہیں، شکل کی بھدی، رنگ کی کالی کلوٹی ہے، اس کے ساتھ شادی کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ مگر اس کی نظر دولت پر تھی اسے رنگ اور صورت سے کیا سروکار؟ اس لئے ایک نہ سنی، باپ چیختا ہی رہ گیا شادی ہوگئی، لڑکی کو اپنی دولت کا گھمنڈ تھا، وہ ایسے زن مرید شوہر کو کہاں خاطر میں لاتی؟ شوہر کو غلام بنا رکھا ہے، جوتے لگاتی رہتی ہے اور شوہر کو چیخنے بھی نہیں دیتی، آرام سے خاموش بیٹھے جوتے لگواتے رہو، اس کا باپ کہتا ہے کہ اگر تو نے کبھی طلاق کا نام بھی لیا تو سن لے میرے کارخانوں کے مزدور اتنے ہیں کہ جب وہ تجھے کاٹ کر تکہ بوٹی کریں گے تو ہر ایک کے حصے میں ایک ایک بوٹی بھی نہیں آئے گی، ذرا سوچ لے طلاق کا ارادہ بھی کیا تو اس کی سزا ہے۔ کروڑ پتی بیوی کمبل بن کر اس کو چمٹ گئی وہ چھوٹنا چاہتا ہے، زور لگا رہا ہے مگر کمبل نہیں چھوڑ رہا، اب اس کے لئے کوئی راستہ نہیں

سوائے اس کے کہ اس کی جھڑکیاں سہتا رہے اس سے جوتے کھاتا رہے اور مزے لے لے کر کھاتا رہے لیکن طلاق کا نام زبان پر نہ لائے ورنہ جسم کی ایک بوٹی بھی نہ رہے گی۔ یہ ہے دنیا طلبی کا انجام کہنے والے نے خوب کہا ہے۔

؎ اذ ادبرت كانت على المرء حسرة
واذا اقبلت كانت كثيرا همومها

جس کے دل میں دنیا کی ہوس ہوگی، اس کا یہی حال ہوگا وہ ہر دم مصیبت میں ہے اگر دنیا کی نعمتیں مل گئیں تو مصیبت میں اور اگر نہیں ملیں تو بھی مصیبت میں کہ اچھی گاڑی، اچھا مکان، اچھی دکان فلاں کے پاس ہے، میرے پاس کیوں نہیں، یہ سوچ سوچ کر گھلا جا رہا ہے، ان چیزوں کے عشق میں مرا جا رہا ہے، کسی حال میں سکون نہیں ملتا، ہر حال میں پریشانی ہی اس کا مقدر ہے، دنیا نہیں ہے تو عذاب میں اور مل گئی تو عذاب میں، عذاب اور مصیبت سے اس کا پیچھا نہیں چھوٹتا، ہر حال میں اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں گرفتار رکھتے ہیں ایک شعر بہت دنوں بعد یاد آیا۔

؎ عمر بھر میں دو ہی گھڑیاں مجھ پہ گزری ہیں کٹھن
اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

شاعر تو کہتا ہے میرے لئے پریشانی کی گھڑیاں صرف دو ہی ہیں ایک گھڑی محبوب کے آنے سے پہلے کی دوسری گھڑی اس کے جانے کے بعد کی۔ لیکن میں نے موجودہ حالات کا جائزہ لے کر اور دنیا کی محبت میں تڑپنے والے لوگوں کے حالات سامنے رکھ کر اس شعر میں قدرے ترمیم کردی ہے ؎

عمر بھر میں تین گھڑیاں مجھ پہ گزری ہیں کٹھن
اک تیرے آنے سے پہلے اک ترے آنے کے بعد اک ترے جانے کے بعد

کسی نے ایک بار کہا کہ یہ دوسرا مصراع تو بہت لمبا ہوگیا اور شعر کا وزن ٹوٹ گیا، پھر انہوں نے مصراع بنا کر دیا کہ اگر یوں پڑھیں تو وزن برقرار رہے گا، میں نے

کہا مصراع لگانا تو میں خود بھی جانتا ہوں مگر جان بوجھ کر نہیں لگا رہا اس کو ایسے ہی رہنے دیجئے، زیادہ لمبا ہوگیا ہے تو لمبا ہی سہی ظاہری وزن نہ سہی، معنوی وزن تو بالکل ٹھیک ہے۔

عربی شعر کا مطلب تو آگیا سمجھ میں کہ ان دنیا داروں کی جان عجیب مصیبت میں ہے دنیا ان کے پاس آئے تو پریشان، جائے تو پریشان، اللہ تعالیٰ ایسی مصیبت سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے، آزادی کے معنی تفصیل سے بتا چکا ہوں ذہن نشین کر لیجئے کہ جلسے جلوسوں اور ہنگاموں کا نام آزادی نہیں آزادی کا تعلق تو باطنی سکون سے ہے، حقیقی آزادی وہ ہے جس کے بعد انسان پر کسی قسم کی قید اور پابندی نہ رہے، دشمن کی گرفت سے بالکل آزاد اور رہا ہو جائے، دل کا سکون اور چین میسر ہو، کسی قسم کی فکر اور پریشانی باقی نہ رہے، ظاہر ہے کہ یہ کیفیت اس وقت نصیب ہوگی جب مسلمان نفس اور شیطان کی قید سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجائے، ہر قسم کے ظاہری و باطنی گناہوں سے اس کی زندگی پاک ہو جائے، ایسے شخص کو دل کا سکون نصیب ہوگا اور حقیقی آزادی حاصل ہوگی ؎

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکر گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا
بس ایک مجذوب کو اس غم کدہ میں شادماں پایا
غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ ہو جائے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی آزادی نصیب فرمائیں۔

وصل اللهم وبارك وسلم على عبدك ورسولك محمد وعلى اله وصحبه اجمعين والحمد لله رب العلمين.

جہیز اور داماد

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام: جہیز اور داماد

بمقام: جامع مسجد دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ:

بوقت: بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: محرم ۱۴۲۳ھ

مطبع: حسان پرنٹنگ پریس فون: ۰۲۱-۶۶۴۱۰۱۹

ناشر: کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۰۲۱-۶۶۰۲۳۶۱ فیکس: ۰۲۱-۶۶۲۳۸۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعظ

جہیز اور داماد

(۱۸/صفر ۱۴۱۷ھ)

الحمد للّٰہ نحمدہ ونحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝﴾

حب دنیا کا علاج:

حب مال وحب جاہ سے متعلق جو ہدایات پہلے بتائی تھیں اور ان کے علاج کے بارے میں پرچہ بھی شائع کر دیا گیا ہے کہ روزانہ اس مہلک مرض کا محاسبہ اور اس کے علاج کے لئے موت کا مراقبہ کیا کریں اور اس کی ماہانہ اطلاع دیا کریں ماہانہ اطلاع کے لئے گوشوارے کا نقشہ بھی بتا دیا گیا ہے اس کے بعد بحمد اللہ تعالیٰ کچھ کچھ حرکت شروع ہوئی ہے لیکن زیادہ تر لوگ شاید اس خوف سے سہمے ہوئے ہیں کہ واللہ اعلم مال کے فراق سے زندہ بھی رہ سکیں گے یا نہیں؟ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کی رحمت سے انہیں بھی ہوش آجائے گا بہرحال کچھ نہ کچھ حرکت تو شروع ہو چکی ہے۔ جو حالات سامنے آرہے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ ایک خاتون نے معلوم کروایا ہے کہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ چھ جوڑے تین سردیوں کے اور تین گرمیوں کے رکھنے کی جو اجازت دی گئی ہے ان میں بے سلے کپڑوں کو بھی شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ویسے تو وہ صرف دو جوڑے سلے ہوئے استعمال کر رہی ہیں لیکن بے سلے بھی بہت سے جوڑے رکھے ہوئے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ یہاں سے پوچھا گیا کہ بے سلے کیوں رکھے ہوئے ہیں وہ بھی تو اسی شمار میں ہیں! صندوقوں کے صندوق بھر بھر کر رکھتے چلے جائیں گے پھر دو دو تین تین جوڑے سلواتے رہیں گے اس سے کیا مقصد؟ جواب میں بتایا گیا کہ وہ جہیز کے ہیں۔ جنہوں نے معلوم کروایا تھا انہیں تو ابھی جواب دینے کا موقع نہیں ملا پھر بتا دوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور ہوسکتا ہے کہ وہ آج خود بیان میں آئی ہوں تو سن ہی لیں گی آپ سب خواتین وخواتین تو ابھی سن لیں۔

ٹیڑھی کھیر:

جہیز کا مسئلہ بہت اٹکا ہوا ہے بہت ہی زیادہ ویسے ہی جیسے ایک لڑکے کے استاذ حافظ جی نابینا تھے لڑکے نے حافظ جی سے کہا حافظ جی! میری امی نے معلوم کروایا ہے

کہ آپ کھیر کھالیں گے؟ انہوں نے پوچھا کہ کھیر کیسی ہوتی ہے؟ اس نے کہا سفید ہوتی ہے، حافظ جی نے پوچھا سفید رنگ کیسا ہوتا ہے؟ لڑکے نے کہا بگلے کے رنگ جیسا، حافظ جی نے پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے؟ لڑکے نے ہاتھ بگلے کی صورت جیسا بنا کر سامنے کر دیا کہ ایسا ہوتا ہے، حافظ جی نے جب چھو کر دیکھا تو کہا: بھیا! یہ تو نہیں کھائی جائے گی بڑی ٹیڑھی ہے اتنی ٹیڑھی کھیر تو میرے حلق میں نہیں اترے گی۔ اسی طرح آج کل حب دنیا کا مسئلہ ہی حلق میں اتارنا مشکل معلوم ہو رہا ہے، جہیز کا مسئلہ اتارنا تو اس سے بھی بہت زیادہ مشکل ہے۔

مسئلہ بتانے کے فائدے:

ہو سکتا ہے کسی کو خیال ہو کہ جو بات کوئی مانے گا ہی نہیں یعنی کوئی بھی عمل نہیں کرے گا وہ بتانے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہ کیسے پتا چلا کہ کوئی بھی عمل نہیں کرے گا۔ باب العبر پڑھ کر دیکھیں کیسے کیسے لوگوں کو عمل کی توفیق ہوئی، اس لئے یہ سوچنا کہ کوئی بھی عمل نہیں کرے گا غلط ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جاتی ہے، بہت سے عمل کرنے والے اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں مثلاً دارالافتاء میں ایک عالم نے داخلہ لیا، چھٹیاں گھر پر گزار کر کل ہی واپس آئے ہیں اور مجھے پرچہ لکھ کر دیا کہ میں نے وہاں جا کر ڈاڑھی پر جو بیان کئے ہیں تو پانچ نوجوانوں نے ڈاڑھیاں رکھ لیں اور کٹانے سے بھی توبہ کر لی، الغرض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ مشکل نہیں کہ کسی کو ہدایت ہو جائے۔

مغربی ممالک میں میرے وعظ سن کر کتنے مردوں نے ڈاڑھیاں رکھ لیں اور خواتین نے شرعی پردہ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی۔

ہدایت کے اسباب میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی امید بھی رکھا کریں اور مانگا بھی کریں، دونوں کام کیا کریں، ساتھ ہی ساتھ نسخے بھی

استعمال کیا کریں دوسری بات یہ کہ صحیح مسئلے کی اشاعت سے باوجود کسی کو عمل کی توفیق نہ بھی ہو پھر بھی کم سے کم علم تو صحیح ہو جائے گا۔ اللہ کا قانون معلوم ہو جانا یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے شاید کبھی عمل کی توفیق بھی مل جائے۔ قانون کا علم ہو جائے تو ایسا شخص خود کو اقراری مجرم سمجھے گا اور اعتراف کرے گا کہ یا اللہ! مجھے تیرے قانون کا علم ہے پھر بھی میں عمل نہیں کر رہا میں کمزور ہوں، اقراری مجرم ہوں باغی نہیں، مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہوں، یا اللہ! تو معاف فرما دے اور آئندہ کے لئے میرے اندر ہمت پیدا فرما۔ الغرض صحیح مسئلہ معلوم ہو جانے سے باغی مجرم اقراری مجرم بن جائے گا۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی ایک بات پوچھنے پر ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے، رکعتیں بھی آج کل کے مسلمان جیسی نہیں کہ دو منٹ میں چار رکعتیں پڑھ لیتے ہیں بلکہ ویسی ہزار رکعتیں جیسی پڑھی جاتی ہیں ایسی ایک ہزار رکعتیں پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ میں اللہ کی رحمت سے یہ امید رکھتا ہوں کہ جب پوچھنے پر ایک ہزار رکعت پڑھنے سے زیادہ ثواب عطاء فرماتے ہیں تو بتانے پر ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اپنی شان کے مطابق مجھے اس سے بھی زیادہ عطاء فرمائیں گے۔ واہ میرے اللہ! تیری رحمت کا کوئی ٹھکانا نہیں، یا اللہ! اپنی رحمت کے مطابق معاملہ فرما، اپنی رحمت سے نواز دے۔

جہیز کا مسئلہ:

اب جہیز کا مسئلہ سنئے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کیجئے جہیز اتنا دیتے ہیں کہ اس کی مالیت سے حج کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اگر جہیز کا پورا سامان لڑکی کی ملک میں دے دیا جائے، اسے مالک بنا دیا جائے اور وہ حج کی درخواستیں دینے کے وقت میں بھی لڑکی کی ملک میں ہو تو فوراً اسی سال اس کے لئے حج پر جانا فرض ہو جائے گا۔ اب یہ والدین کے ذمے ہے کہ اسے حج کروائیں۔ البتہ لڑکی نے حج کی درخواستیں

دینے کا وقت آنے سے پہلے ہی مال اپنی ملک سے نکال دیا، مثلاً جہاد میں لگا دیا تو اس پر حج فرض نہ ہوگا۔ جو والدین اولاد پر حج فرض تو کر دیتے ہیں مگر حج کروانے کا انتظام نہیں کرتے وہ مجرم ٹھہریں گے۔ حج کی فرضیت علی التراخی نہیں علی الفور ہے علی التعجیل ہے یعنی پہلے ہی سال میں جانا فرض ہو جاتا ہے۔ اگر یہ خیال کریں کہ دوسرے سال جائیں گے یا بعد میں کبھی چلے جائیں گے تو پہلی بات تو یہ کہ کیا معلوم دوسرے سال تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں اور اگر دوسرے سال تک زندہ رہ گئے اور حج بھی کر لیا تو بھی دیر کرنے کا گناہ ہوگا، حج کا فرض تو اداء ہو جائے گا مگر دیر کرنے کا گناہ پھر بھی ذمے رہے گا، کیوں دیر کی؟

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ:

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد صاحب نے اپنے کارخانے میں کچھ حصہ حضرت کے نام کر دیا، آپ نے والد صاحب سے دریافت کیا کہ کیا کسی مصلحت سے میرے نام کیا ہے یا واقعۃً مجھے مالک بنا دیا ہے؟ والد صاحب نے فرمایا کہ رکھا تو تھا مصلحۃً مالک بنانا مقصود نہیں تھا مگر اب میرا خیال بدل گیا ہے اب آپ کو مالک بنا دیا ہے۔ حضرت نے عرض کیا: ”میں بیچ کر حج کے لئے جاتا ہوں۔“ والد صاحب نے فرمایا ابھی ذرا ٹھہر جائیں آئندہ سال چلے جائیں ابھی آپ کی بہنوں کی شادی کے مصارف ہیں اس لئے آپ آئندہ سال چلے جائیں۔ حضرت نے عرض کیا کہ آپ اس کی ضمانت لے سکتے ہیں کہ میں آئندہ سال تک زندہ رہوں گا اس سے پہلے نہیں مروں گا؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں ایسے تو نہیں ہو سکتا۔ فرمایا جب ایسے نہیں ہو سکتا تو میں ابھی جا رہا ہوں، بیچ کر تشریف لے گئے۔

یہ قصہ اس پر بتایا کہ اگر لڑکی کو جہیز کے سامان کا مالک بنا دیا اور حج کی درخواستیں دینے کا وقت آ گیا تو اس پر فوراً اسی سال حج کے لئے جانا فرض کر دیا۔

والد کی حماقت:

اگر کوئی والد اس خیال سے لڑکی کو مالک نہ بنائے کہ اگر اسے مالک بنا دیا تو کہیں وہ حج پر نہ چلی جائے، اس خیال سے وہ مالک تو خود ہی رہے لیکن سامان اس لئے جمع کر رکھا ہو کہ جب اس کی شادی ہوگی تو جہیز میں دے دیں گے، ایسے والد کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے خیال میں تو بڑی ہوشیاری کر رہا ہے مگر اللہ کی نظر میں یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ ایسے والدین اپنے خیال میں تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں لڑکی کا جہیز تیار کر لیا ہے اور مالک خود ہی ہیں جب لڑکی کی شادی ہوگی تو اسے دیں گے، ایسے لوگوں کے داماد بھی بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہماری شادی ایک سیٹھی سے ہوگی جب وہ دولت لائے گی تو کتنے مزے ہوں گے کچھ نہ پوچھئے، لیکن ایسے داماد یہ بھول جاتے ہیں کہ جو لڑکی دولت لائے گی وہ دولتی بھی لگائے گی۔ عبرت کے لئے ایک قصہ سن لیجئے اگرچہ میں مضمون بہت مختصر کرنا چاہتا ہوں مگر عبرت کی جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈال رہے ہیں کہتا چلا جاؤں اگر مضمون لمبا بھی ہو گیا تو کیا ہوا۔

حب مال کا وبال:

ایک کروڑوں پتی نے ایک اربوں پتی کی لڑکی سے اس ہوس میں شادی کر لی کہ بیوی جو ادھر سے دولت لائے گی تو کچھ نہ پوچھئے دونوں مل کر کیا گل کھلائیں گے، قارون کے خزانے بھی اس کے سامنے کچھ نہ ہوں گے۔ دنیا کی اس ہوس میں اس نے اس سے شادی کر لی۔ لڑکی جب گھر میں آئی تو اس نے شوہر کے دولتی لگانی شروع کر دی اس زعم میں کہ ہم تو ہیں اربوں پتی اور یہ ہے کروڑوں پتی، یہ تو ہمارے تابع ہیں۔ ایسا بجانا شروع کیا کہ کچھ نہ پوچھئے اور ادھر لڑکی کے والد نے داماد سے کہا: خبردار! کان کھول کر سن لے، اگر کبھی طلاق کا نام بھی لیا تو میرے کارخانوں کے مزدور اتنے ہیں

کہ اگر میں نے تجھ پر چھوڑ دیئے تو انہیں ایک ایک بوٹی بھی نہیں آئے گی۔ تیری بوٹی بوٹی کردیں گے، خبردار! طلاق کا نام بھی لیا تو دیکھو کیا حشر کروں گا۔ یہ قصہ خود اس کے رشتہ داروں نے بتایا کہ اس پر یہ حالت گزر رہی ہے۔

جہیز سے متعلق بتا رہا تھا کہ اگر لڑکی کو مالک نہیں بنایا اور بہت بڑے بڑے سامان جہیز میں جمع کر لئے اور ایسا ہوشیار والد مر گیا تو سارا مال وارثوں میں تقسیم ہوگا، لڑکیوں کو صرف اتنا ہی ملے گا جتنا شریعت کی رو سے وراثت میں ان کا حق ہوگا، پورا مال تو ہرگز نہیں ملے گا خواہ ان کا والد وصیت کر جائے کہ یہ جہیز ان لڑکیوں کا ہے ایسی تحریر لکھ کر اس کا رجسٹریشن کروالے، ہزاروں گواہ بنالے کچھ بھی کر لے بہرحال لڑکیوں کو اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا شریعت نے مقرر کیا ہے، وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں۔ سو ذرا سوچئے کہ آخر کار کے گدھے بن کر لڑکی کے لئے اتنا کچھ جمع کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ ایسی حماقت کیوں کی؟ اس صورت میں جہیز کے لئے رکھے ہوئے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی والد پر فرض ہے۔

جہیز دینے کی وجہ سے محبت یا خوف؟

کسی نے جہیز کے بارے میں یہ بات بتائی کہ والدین یہ کہتے ہیں کہ ہم تو بیٹی سے محبت کی وجہ سے دیتے ہیں اس میں حرج کیا ہے۔ اس بارے میں یہ سمجھ لیں کہ گھر بیٹھے بیٹھے بات کہہ دینا آسان ہے ذرا کسی طبیب حاذق کو نبض دکھائیں تو پتا چلے گا کہ حرج ہے یا نہیں؟

ہمیں کہتی ہے دنیا تم ہو دل والے جگر والے
ذرا تم بھی تو دیکھو کہ ہو تم بھی تو نظر والے

گھر میں بیٹھ کر بات بنالینا آسان ہے کسی صاحب نظر کو نبض دکھائیں وہ بتائے کہ تیرے اندر کون سی خرابی ہے، ایسے بیٹھے بیٹھے باتیں نہ بنالیا کریں۔ اب ذرا اس کی

تفصیل بتاتا ہوں اللہ تعالیٰ صحیح کہنے کی اور سننے والوں کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ بیٹی سے محبت ہے محبت کی بناء پر جہیز دیتے ہیں ذرا اس کا تجزیہ سنئے، جب بیٹی پیدا ہوئی اس وقت میں بھی محبت تھی، پیدائش سے لے کر شادی کے وقت تک محبت ہے شادی ہو جانے کے بعد بھی مرتے دم تک محبت رہے گی سو شادی کے وقت ہی محبت کو جوش کیوں اٹھتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نہیں دیں گے تو لوگ طعنے دیں گے ناک کٹ جائے گی ناک، لوگوں میں عزت نہیں رہے گی، لوگ طعنے دیں گے کہ بیٹی کو گھر سے ایسے نکال دیا جیسے مرگئی ہو، کفن دے کر نکال دیا کچھ دیا ہی نہیں۔

ایک مولوی صاحب کے گھر بہو آئی تو مولوی صاحب کی بیگم بہو کو طعنے دے رہی تھیں اری! تو لائی کیا ہے دو چیتھڑے۔ وہ بے چاری معلوم نہیں کتنا جہیز لائی ہوگی اور ساس کی طرف سے طعنہ پھر بھی وہی کہ لائی کیا ہے دو چیتھڑے۔ یہ حال ہے لوگوں کا کہتے ہیں کہ اگر ہم نے بیٹی کو جہیز نہیں دیا تو سسرال والے تو اسے طعنے دے دے کر ماردیں گے اور دوسرے لوگ بھی والدین کو طعنے دیں گے، یہ خبریں بہت سننے میں آتی ہیں اس کا جواب سنئے آپ ساری دنیا کی دولت بھر کر اپنی بیٹی کو دے دیں ساس پھر بھی یہی کہے گی کہ لائی کیا دو چیتھڑے اور دماغ ایسا۔ بتائیں دنیا میں ایسا کہیں ہوا ہے کہ کسی نے بہت زیادہ جہیز دیا ہو ٹرکوں کے ٹرک بھر کر اور جب بیٹی گئی سسرال تو ساس اس سے نہ لڑی ہو اسے طعنے نہ دیئے ہوں وہ تو پھر بھی لڑتی ہے اس کا تدارک تو ہو ہی نہیں سکتا دنیا میں ساس بہو ایک دوسرے سے صحیح رہ ہی نہیں سکتیں۔

کہیں ہمیں بھی اس میں شامل نہ سمجھ لیں بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ہاں کوئی ایسی بات نہیں اللہ کا فضل و کرم ہے۔ انوار الرشید میں میری دعاء پڑھیں اس کے مطابق عمل کریں اللہ دعائیں تو سب کی قبول کرتا ہے ایسا تو نہیں کہ صرف میری قبول کرتا ہے آپ کی دعائیں بھی قبول کرے گا اصل چیز دین داری ہے جہاں دین ہوگا وہاں فساد نہیں

ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطاء فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو ایسے عذاب میں مبتلا رکھتے ہیں، ایک عورت کہہ رہی تھی کہ جب میں بہو بن کر گئی تو ساس اچھی نہیں ملی اور جب میں ساس بنی بہو گھر میں لائی تو بہو اچھی نہیں ملی۔ خود درمیان میں حد اوسط ہے، خود کو ولیۃ اللہ سمجھتی ہے، ساس ملی تو وہ اچھی نہیں ملی بہو لائی چھانٹ چھانٹ کر تو بہو اچھی نہیں ملی۔ یہ بات چھوڑ دیں کہ سسرال والے کیا کہیں گے اور خاص طور پر ساس طعنے دے گی۔ پوری دنیا کی دولت بھی سمیٹ کر بیٹی کو دے دیں ساس تو پھر بھی طعنے دے گی۔ یہ عذر غلط ہے کہ محبت کی وجہ سے کرتے ہیں درحقیقت یہ لوگوں کے ڈر سے کرتے ہیں۔

ہدیہ جائز ہونے کی شرط:

ایک مسئلہ اور سمجھ لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ“ (مسند احمد)

ہدیہ وہ حلال ہے جس میں شرح صدر، طیب خاطر، مکمل خوشی کا یقین ہو، اگر کسی نے آپ کو خوشی سے ہدیہ نہیں دیا بلکہ کسی خوف کی وجہ سے دیا تو وہ حلال نہیں۔ حالات کو دیکھیں جو باتیں میں کہتا ہوں انہیں اپنے طور پر سوچا کریں مجھے تو مذکر سمجھیں، مذکر کے معنی ہیں یاد دلانے والا، مطلب یہ ہے کہ یہ باتیں تو عقل میں ویسے ہی آنی چاہئیں مگر عقل ادھر متوجہ نہیں ہوتی تو میں آپ لوگوں کی عقل کو متوجہ کر دیتا ہوں، ذرا اپنی عقل کو متوجہ کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ بات بالکل صاف صاف سامنے آجائے گی، سوچیں جب والدین جہیز دیتے ہیں لوگوں کے ڈر سے، ساس کے ڈر سے تو خوشی سے کہاں دیتے ہیں؟ قرض لے لے کر خرکار کے گدھے بن بن کر، بھیک مانگ مانگ کر، جہیز بنانے کے لئے بھیک مانگتے ہیں، لوگوں کے دروازوں پر جا جا کر، سیٹھوں کے کارخانوں پر جا جا کر کہتے ہیں کہ لڑکی کا جہیز بنانا ہے زکوۃ دے دیں اور بے غیرت

بے شرم ہے وہ دولہا جو جہیز قبول کر لیتا ہے اس سے زیادہ بے غیرت کون ہوگا؟ اس سے بہتر یہ نہیں تھا کہ شادی ہی نہ کرے، بھیک میں ملا ہوا جہیز قبول کر لیتے ہیں ایسے بے غیرت لوگ ہیں۔

سوچئے کہ لوگوں کے خوف سے دیتے ہیں تو بیٹی اور داماد کے لئے بھی حلال نہیں حرام ہونے کا یقین نہیں تو کم از کم مشتبہ تو ہو ہی گیا، جس میں حرام ہونے کا شبہہ ہو وہ چیز کیوں استعمال کی جائے؟

عجیب محبت؟

اگر محبت کی وجہ سے دے رہے ہیں، ذرا غور سے سنئے غور سے بہت قیمتی باتیں بتا رہا ہوں، اگر محبت کی وجہ سے بیٹی کو دے رہے ہیں تو جائیداد میں کیوں شریک نہیں کرتے، اپنی تجارت میں، کارخانے میں، مکانوں میں، زرعی زمین میں سے کچھ حصہ دیں اپنے ساتھ شریک کرلیں تو اس میں بیٹی کا فائدہ ہے لیکن لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ بیٹی کو جائیداد میں شریک نہ کریں جائیداد صرف بیٹوں کی رہے۔ دعوے محبت کے اور کوشش یہ کہ جائیداد میں سے بیٹی کو کچھ نہ ملے بس کچھ کپڑے دے دیئے اور صوفے کرسیاں دے دیں اور بس خوش کر دیا بیٹی کو، اری میری بیٹی! تجھ سے اتنی محبت کہ تیری محبت میں تو ہم مرے جا رہے ہیں اسے تھپکیاں دے دے کر خوش کر رہے ہیں۔ سوچئے! ذرا غور سے بات سوچا کریں کہ اگر محبت ہے تو جائیداد میں سے کیوں نہیں دیتے؟ بیٹیوں کو جائیداد سے محروم کیوں کرتے ہیں؟

جہیز سے وراثت ختم نہیں ہوتی:

ایک مسئلہ اور سمجھ لیں بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو بیٹی کو جہیز دے دیا اس کے بعد وراثت میں اس کا حق نہیں رہا کیونکہ ہم نے نیت کر لی تھی کہ یہ جو کچھ اسے دے رہے ہیں وراثت کا حصہ ہے، یہ بھی غلط ہے آپ اسے جہیز میں کتنا ہی

دے دیں مگر وراثت کا حصہ جو شریعت نے مقرر کر دیا وہ پورے کا پورا موجود ہے جہیز دینے سے بیٹی محروم نہیں ہوتی لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنی زندگی میں اسے اتنا دے دیا تو اب وراثت میں اس کا حصہ نہیں رہا، یہ بالکل غلط ہے، زندگی میں وراثت جاری نہیں ہوتی کسی کو کتنا ہی دے دیں وہ اس کے لئے ہبہ ہے وراثت تو جاری ہوگی مرنے کے بعد مگر مرنے کا خیال تو آج کل کے مسلمان کو آتا ہی نہیں، یہ سمجھتا ہے کہ مرے گا ہی نہیں اسی لئے تو جہاد پر نہیں جاتا جہاد میں جائے گا تو مر جائے گا اور یہاں رہے گا تو کبھی بھی نہیں مرے گا، یہ خیالات ہیں آج کل کے مسلمان کے، اللہ تعالیٰ انہیں عقل عطاء فرمائیں۔

جہیز کی بجائے نقدی دیں:

آخری درجے میں ایک بات یہ کہ اگر جائیداد میں شریک کرنے سے ڈرتے ہیں بیٹی کو جائیداد سے حصہ نہیں دیتے تو پھر چلئے نقدی کی صورت میں جہیز دے دیں۔ جو سامان ٹرکوں کے ٹرک جہیز میں دیتے ہیں اس کی بجائے اتنی رقم بیٹی کو دے دیں بلکہ ایک لاکھ کی بجائے دس لاکھ دے دیں ہمیں کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ مگر ایسے نقدی کی صورت میں کوئی نہیں دے گا کیونکہ اگر نقد دے دیا تو لوگوں کو پتا ہی نہیں چلے گا لوگوں کو دکھانا مقصود ہے بلکہ لوگوں کو جمع کر کے پہلے دکھاتے ہیں خاص طور پر عورتوں کی شوریٰ بیٹھتی ہے پہلے عورتیں آتی ہیں تمام رشتے دار اور محلے کی عورتیں آکر جہیز دیکھتی ہیں کہ کیا کچھ دیا پھر ان میں سے کچھ تو واہ واہ کرتی ہیں کہ بہت اچھا جہیز دیا ہے، چاہے نالائق نے قرض لے کر یا بھیک مانگ کر ہی کیوں نہ دیا ہو اور کچھ عورتیں باتیں بناتی ہیں کہ اتنی اچھی حیثیت ہے مگر بیٹی کو کچھ نہ دیا غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ پہلے تو جہیز گھر سے نکالنے سے پہلے لوگوں کو دکھاتے ہیں پھر جہاں راستے میں جا رہا ہوتا ہے تو لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں واہ واہ جہیز جا رہا ہے جہیز، پھر جب سسرال پہنچے

گا تو جو استقبال کرنے والے ہوں گے وہ دیکھیں گے واہ واہ کریں گے ایسا جہیز ہے ایسا جہیز ہے، پھر سسرال میں لوگوں کو بلا بلا کر دکھایا جائے گا کہ دیکھئے یہ چیز دی ہے، یہ چیز دی ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں اگر بیٹی سے محبت ہے تو اولاً جائیداد میں سے حصہ دیں اس سے تو محروم کر دیتے ہیں اور محبت میں آکر دیتے بھی ہیں تو صوفے کرسیاں دے کر لوگوں کو دکھاتے ہیں اگر واقعۃً محبت ہے تو نقدی کی صورت میں دیں۔

نقدی دینے کے فائدے:

اس میں یہ فائدے ہیں:

❶ نقدی کی صورت میں آپ نے بیٹی کو ہدیہ دے دیا تو اگر اس پر حج فرض ہو گیا تو وہ حج کرلے گی۔ یہ تو میں بتاتا رہتا ہوں کہ لوگ بیٹیوں کو جہیز میں سامان اتنا دے دیتے ہیں کہ حج فرض ہو جاتا ہے پھر حج کرواتے نہیں یہ محبت ہے یا عداوت؟ یہ تو بیٹیوں سے محبت نہیں عداوت ہے جہنم میں پھینک رہے ہیں وہ تو بے چاری مجبور ہے جائے گی یا نہیں لیکن والدین تو ضرور جہنم میں جائیں گے حج فرض کر دیا، کرواتے نہیں، اتنا سامان دے دیا کہ حج فرض ہو گیا اب اسے کہاں بیچے اور کیسے حج کو جائے۔

❷ اگر نقد پیسے دے دیئے تو پھر اللہ کے بندوں اور بندیوں کے حالات مختلف ہیں بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ وہ تو سارا مال لگا دیں گے جہاد میں ادھر زیادہ ضرورت ہے تاکہ مجاہدین کو قوت حاصل ہو اور جہاد کے کام خوب خوب ہوں اور جلد سے جلد پوری دنیا پر اسلام کی حکومت قائم ہو جائے، یہ لوگ تو خود پر حج فرض ہونے ہی نہیں دیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جس زمانے میں لوگ حج پر جا رہے ہوں اس زمانے میں اگر اتنا پیسہ ہے کہ اس سے حج کر سکتے ہیں تو حج فرض ہوتا ہے اور اگر اس زمانے میں نہیں بلکہ آگے پیچھے کسی زمانے میں اتنا پیسا آگیا اور اس نے حج کے مہینے آنے

سے پہلے ہی وہ مال خرچ کر دیا تو اس صورت میں اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے سجدہ سہو کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے تعجب سے فرمایا کہ مسلمان اللہ کے سامنے کھڑا ہے پھر اسے سہو بھی ہو جاتا ہے! وہ مسئلہ پوچھ رہا ہے اور یہ اس کی عقل پر تعجب کر رہے ہیں ارے! یہ مسلمان ہے مسلمان اللہ کے سامنے کھڑا ہے پھر اسے سہو ہوگیا یہ ہو کیسے سکتا ہے۔ پھر اس نے کوئی زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا نہ کبھی ہم نے اپنے اوپر زکوٰۃ فرض ہونے دی نہ ہمیں زکوٰۃ کا مسئلہ معلوم ہے جن پر فرض ہوتی ہے جاؤ ان سے پوچھو۔

نقدی کی بات کر رہا تھا کہ اگر بیٹی کو جہیز کی بجائے نقدی دے دی تو وہ بیٹی اگر اللہ کی بندی ہے اس کے دل میں فکر آخرت ہے دل مال کی محبت سے پاک ہے تو وہ تو لگا دے گی ساری رقم جہاد میں حج فرض ہی نہیں ہونے دے گی۔ اس موقع پر کچھ فکر آخرت رکھنے والی باہمت لڑکیوں کے قصے بھی سن لیجئے:

① ایک لڑکی کا دارالافتاء سے اصلاحی تعلق ہے اس کی منگنی ہو چکی ہے اس نے بتایا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ والدین سے جہیز ہرگز نہیں لوں گی، وہ جتنا جہیز دینا چاہیں گے میں ان سے کہوں گی کہ اس کے بدلے مجھے نقد رقم دے دیں۔ اتنے کے زیور اتنے کے کپڑے، اتنے کا فرنیچر اور اتنے کا ٹی وی اور اتنے کا یہ اور اتنے کا وہ ابو! ان سب کی بجائے پیسے نکالیں پیسے پھر جب پیسے میرے قبضے میں آجائیں گے تو سارے مجاہدین کو دے دوں گی کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گی سب مجاہدین کو دے دوں گی۔ دیکھئے جس میں دین آتا ہے اس میں عقل بھی آجاتی ہے آگے اس لڑکی کے مزید کمال عقل کی بات سنئے کہتی ہیں کہ اگر میں نے اپنے ابو سے یہ کہا کہ ابو! آپ اتنے پیسے جہاد میں لگا دیں تو وہ لگائیں گے نہیں اس لئے میں پہلے اپنے قبضے میں لوں گی اس کے بعد سارے کے سارے جہاد میں لگا دوں گی ایک پیسا بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔

② ایک لڑکی کی شادی ہونے والی ہے اس نے اعلان کر دیا ہے کہ میں اپنے ابو سے جہیز نہیں لوں گی اور اگر ابو سے یہ کہوں کہ آپ جہیز کا پیسا جہاد میں لگا دیں تو وہ لگائیں گے نہیں اس لئے پہلے پیسے لوں گی پھر سارے کے سارے اللہ کی راہ میں جہاد میں لگا دوں گی۔

③ ایک لڑکی نے بتایا کہ میری امی نے میرے لئے جہیز بنانا شروع کر دیا ہے میں روکتی ہوں تو مانتی نہیں میں جہاد میں لگانا چاہتی ہوں مگر وہ بنائے چلی جا رہی ہیں میں کیا کروں؟ میں نے کہا کہ اپنی امی اور ابو دونوں کو سمجھائیں کہ اگر آپ نے مجھے جہیز بنا کر دیا تو میں سارا بیچ دوں گی، بیچنے میں محنت بھی کرنی پڑے گی اور جتنے پیسے خرچ ہوں گے اتنے نہیں ملیں گے نقصان ہوگا اس لئے آپ کی راحت اور آپ کا فائدہ اس میں ہے کہ نقد رقم ابھی سے مجھے دے دیں، اس لئے ابھی سے چلانا شروع کر دو کہ مجھے جہیز نہیں چاہئے، مجھے نقد رقم دیں، میں مالک بن جاؤں تو پھر میں جو چاہوں کروں۔

④ ایک لڑکی نے بتایا کہ میرے والد نے مجھے عیدی کے پچاس روپے دیئے اب میں کہتی ہوں کہ میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کروں گی تو وہ بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ اچھا اگر تمہیں نہیں رکھنا تو مجھے واپس کر دو۔ میں نے کہا کہ میں تو مالک بن گئی آپ خواہ ناراض ہوں یا اور جو کچھ بھی کر لیں واپس نہیں دوں گی اللہ کی راہ میں لگاؤں گی۔

یہ قصے اس لئے بتا دیئے کہ جیسے ان خواتین نے تدابیر اختیار کی ہیں آپ بھی کریں۔ ابو اور امی سے یہ نہ کہیں کہ جہیز کی رقم جہاد میں یا کسی اور کار خیر میں لگا دیں وہ نہیں لگائیں گے جان نکل جائے گی لہٰذا پہلے ان سے جہیز کی رقم وصول کریں، پھر اللہ کی راہ میں لگا دیں، حج کا وقت ہونے کی وجہ سے حج فرض ہو گیا ہو تو حج کریں ورنہ جہاد میں لگا دیں۔

ایک پورا خاندان عمرے کے لئے جا رہا تھا ٹکٹ خرید لئے نشستیں محفوظ کروا لیں

پھر جب انہیں پتا چلا کہ جہاد میں زیادہ ضرورت ہے تو عمرے کا سفر ملتوی کر کے ٹکٹ واپس کیے اور ساری رقم جہاد میں لگا دی۔ اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں۔ بعض لوگوں کو تو تعجب ہو رہا ہوگا سوچ رہے ہوں گے کہ کیسے بے وقوف ہیں، آج کل ہر چیز الٹی ہوگئی نا اس لیے عقل مند کو بے وقوف اور بے وقوف کو عقل مند کہتے ہیں۔ نقد رقم دینے کی صورت میں وہ رقم اللہ کی راہ میں لگا دے گی اور اگر حج کرنا چاہے گی تو اس سے حج کرلے گی۔

۳ نقدی دینے میں تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میاں بیوی اپنی مصلحت کے مطابق جس چیز کی ضرورت ہوگی پوری کرلیں گے، پیسا تو ایسی چیز ہے کہ اس سے ہر ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔

۴ اگر انہیں کوئی فوری ضرورت نہیں اور حج ادا کرنے کے بعد بھی رقم بچ گئی لیکن اللہ کی راہ میں لگانے کی ہمت نہیں ہو رہی ابھی کچے کچے مسلمان ہیں تو اس رقم کو کسی تجارت میں لگا دیں گے بیٹی اور اس کی اولاد کے لیے ایک ذریعہ آمدن ہو جائے گا۔

ایک طرف تو چیخ رہے ہیں کہ آیندہ نسل کا کیا ہوگا اور جو صحیح طریقے ہیں انہیں اختیار نہیں کرتے۔ والدین کو اگر اولاد سے محبت ہوتی تو وہ صوفے وغیرہ دینے کی بجائے نقدی کی صورت میں جہیز دیتے کہ لگاؤ کسی تجارت میں، دنیا ہی کمانا ہے تو پھر دنیا کی کسی تجارت میں لگائیں۔

جہیز جمع کرنے والوں کو مشورہ:

اگر کسی نے جہیز جمع کرلیا پھر اسے کوئی فکر ہوئی کہ اب اس کا کیا کریں جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ فکر ہوئی ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جہیز کا سامان بیچ کر جہاد پر لگا دیں دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی بچیوں کے رشتے نیک و صالح مساکین سے کریں، شادی کے موقع پر انہیں تین جوڑے بنا دیں جب یہ تین جوڑے پھٹ جائیں تو پھر

دیکھیں اگر داماد کے پاس اب بھی وسعت نہیں تو تین جوڑے اور بنا دیجئے، بوقت ضرورت یوں تین تین جوڑے بنا کر دیتے رہیں زیادہ نہ دیں ورنہ انہیں دیکھ دیکھ کر مال کی ہوس بڑھے گی بالخصوص عورتوں کے لئے زیادہ لباس تو اور زیادہ خطرناک ہے بوقت موت دیکھ دیکھ کر روئیں گی کہ ارے ہمارا لال جوڑا، کالا جوڑا، پیلا جوڑا، اور وہ ہرا جوڑا اور وہ زری والا جوڑا، ادھر روح کھینچی جا رہی ہوگی اور انہیں جوڑوں کی پڑی ہوگی ایسے لوگوں کی جان کیسے نکالی جائے گی اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ ایک ایک تار توڑ توڑ کر کھینچ کھینچ کر جان نکالی جائے گی۔ اس وقت ان کی جان جوڑوں میں اٹکی ہوئی ہوگی تو اور بھی زیادہ مشکل سے نکلے گی اور زیادہ عذاب ہوگا پھر آگے کا عذاب اس سے بھی زیادہ۔ الغرض کسی مسکین سے شادی کر دیں اور تین تین جوڑے دیتے رہیں ایک شخص کے لئے تین جوڑے بہت ہیں، اگر زیادہ بنا لئے ہیں تو وہ مجاہدین کو دے دیں۔ مسئلہ بتا دیا اگر کسی کو عمل کی توفیق نہ بھی ہو تو بھی بات صحیح معلوم ہو جائے۔ بیوی کے سارے کے سارے مصارف شوہر کے ذمے ہوتے ہیں لباس بھی شوہر کے ذمے، خوارک بھی شوہر کے ذمے، رہائش بھی شوہر کے ذمے اس کے تمام مصارف شوہر کے ذمے ہیں پھر اتنا لباس جمع کرنا کہ کئی سال چلے کئی گدھوں کا بوجھ بن جائے اتنا لباس جمع کر کے مالدار داماد کو کیوں دیتے ہیں؟ کوئی مسکین داماد تلاش کریں تا کہ اس کی مدد ہو جائے۔

وسعت رزق کا نسخۂ اکسیر:

ایک بہت کام کی بات سن لیجئے، رات کسی نے فون پر مجھ سے کہا میں بہت پریشان ہوں میری مالی امداد کریں۔

میں نے کہا صاحبزادے! میری مالی امداد ساری کی ساری، پوری دنیا سے سمٹ کر جہاد میں جا رہی ہے حتیٰ کہ میری کوشش یہ رہتی ہے کہ میں اپنے اوپر ایک پیسا بھی

خرچ نہ کروں، میری پوری امداد اللہ تعالیٰ کی مدد اور دستگیری سے جہاد میں جا رہی ہے آپ بھی وہیں چلے جائیں تو دیکھئے سارے کام بن جائیں گے۔ اس وقت یہ قصہ بتانے سے مقصد یہ ہے کہ دوسرے حضرات بھی سن لیں، کسی کے ذہن میں اگر یہ خیال پیدا ہو کہ مالی امداد کی ضرورت ہے تو فوراً جہاد میں نکل جائے۔ جہاد میں جانے سے اللہ تعالیٰ رزق برساتے ہیں یہ مضمون مستقل ہے، بہت لمبا ہے، بہت سے قصے ہیں صرف اس زمانے کے لوگوں کے نہیں قرآن مجید کی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات، کتنے واقعات ہیں کہ جہاد پر جانے سے رزق بہت ملتا ہے، جس کو بھی مالی پریشانی ہو وہ جلد سے جلد جہاد پر چلا جائے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بات جہیز سے متعلق چل رہی تھی کہ اگر جہیز زیادہ بنا لیا ہے تو بیچ کر پیسے جہاد میں لگا دیں اور کوئی مسکین نیک وصالح داماد تلاش کریں جو اتنا مسکین ہو کہ تین جوڑے بھی نہ بنا سکے اسے تین جوڑے شادی کے موقع پر بنا کر دے دیں پھر وہ پھٹ جائیں تو تین جوڑے اور دے دیں اس طرح بوقت ضرورت تین تین جوڑے بنا کر دیتے رہیں۔

جہیز میں چکی دیں:

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ جہیز دینا تو سنت ہے، انہیں سنتیں بھی میٹھی میٹھی چاہئیں، مسہری ہو، اتنے جوڑے ہوں، اتنا سونا ہو، اللہ کے بندو! یہ تو سوچو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں کیا دیا تھا چکی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں چکی اس لئے دی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ چکی خرید سکیں۔ جب داماد کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو جہیز ایسا دینا چاہئے کہ کچھ گھر چلانے میں آسانی ہو۔ اپنی صاحبزادیوں کو جہیز میں

چکیاں دیا کریں یہ بہت بڑی نعمت ہے اس میں بہت فائدے ہیں۔

چکی پیسنے کے فائدے:

❶ سب سے بڑا فائدہ تو یہ کہ سنت اداء ہوگی اس کا ثواب ملے گا۔

❷ دوسرا فائدہ یہ کہ جب آپ کسی مسکین عالم یا مجاہد کو لڑکی دیں گے تو اس کے ہاں آٹا پیسنے کا انتظام گھر ہی میں ہو جائے گا، بازار میں آٹا صحیح نہیں ملتا۔ گیہوں خرید کر گھر ہی میں پیس لیں گے خالص آٹا مل جائے گا، بڑی چکیوں میں ملوں میں جو گیہوں پیسے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہوتے اور اگر صحیح ہوں تو بھی مشینیں اتنی تیزی سے گیہوں کو پیستی ہیں کہ ان کے وٹامن تو سارے جل ہی جاتے ہیں اس کے برعکس ہاتھ کی چکی سے جو گیہوں پیسے جاتے ہیں ان میں وٹامن بھرپور ہوتے ہیں۔

❸ جو عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ہم بیٹھے بیٹھے موٹی ہو رہی ہیں جسم بھاری ہو گیا ہے ذرا باہر چلنے پھرنے سے جسم ہلکا ہو جائے گا وہ اگر چکی چلائیں تو ان کی صحت بالکل ٹھیک رہے گی، موٹی نہیں ہوں گی، قوت بھی آجائے گی ورزش بھی ہوتی رہے گی۔

❹ چکی پیسنا عجب اور کبر کا بہت بہترین علاج ہے، چکی پیسنے سے قالب کی صحت کے علاوہ قلب کی صحت بھی درست ہو جاتی ہے، جسمانی صحت کے ساتھ روحانی صحت بھی۔

❺ قناعت پیدا ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں ایک دن کا کھانا ہو اور اللہ تعالیٰ نے عافیت عطاء فرمائی ہو اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کو سمیٹ کر اس کے گھر میں بھر دیا۔ (ابن ماجہ)

اتنی بڑی نعمت جس پر آج کل کا مسلمان شکر اداء نہیں کرتا۔ اتنے فائدے ہیں جہیز میں چکی دینے کے۔

مالداروں کے ہاں کثرت بنات کی حکمت:

اللہ تعالیٰ مالداروں کو لڑکیاں زیادہ دیتے ہیں اس کی حکمت یہی ہے کہ وہ

مساکین علماء اور مجاہد داماد تلاش کر کے انہیں رشتے دیں اور زیادہ سے زیادہ ان کی مدد کریں، اس میں یہ مصلحت ہے جس کا اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (۷-۱۸۷)

میں ایک بار دوران تفریح کچھ مالدار لوگوں کے قریب سے گزر رہا تھا تو وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ اگرچہ علماء سے بہت عقیدت رکھتے ہیں، ان کے ہاتھ بھی چومتے ہیں، دعائیں بھی کرواتے ہیں، تعویذ بھی لیتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے ہم میں سے کوئی بھی انہیں لڑکی کا رشتہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا کوئی بھی نہیں۔ سچی بات اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے کہلوادی مجھے تو ان سے بات کرنی نہیں تھی اگر میں بات کرتا تو یہ کہ تم جیسے لوگ جن کے دلوں میں دنیا کی محبت بھری ہوئی ہے تم جیسا کوئی کسی عالم پر اپنی لڑکی پیش کر کے تو دیکھے وہ اس پر تھوکے گا بھی نہیں بشرطیکہ وہ واقعۃً عالم ہو اس کا عمل اس کے علم کے مطابق ہو اور اگر کسی عالم نے لڑکی قبول بھی کی تو وہ ایسے کہ پہلے تو لڑکی سے لے گا امتحان، اگر امتحان میں کامیاب ہوگئی پھر شاید کوئی عالم قبول کر لے ویسے تھوڑا ہی کوئی تمہاری لڑکیاں قبول کرے گا۔ عالم ہو کر کوئی تم جیسوں کی لڑکیاں قبول کر لے یہ کبھی نہیں ہوسکتا، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بات اس لئے بتادی کہ اگر کسی کو ہدایت ہو جائے اور وہ اپنی لڑکی کسی صالح مسکین یا صالح عالم کو دینا چاہے تو ذرا سنبھل کر سوچ سمجھ کر۔

عالم کو لڑکی دینے کے فوائد:

کسی صالح عالم کو لڑکی دینے میں ایک تو فائدہ یہ ہے کہ لڑکی عالمہ بن جائے گی، آپ کو جامعات البنات میں نہیں پڑھانا پڑھے گا وہ عالم خود ہی اس کو پڑھاتا رہے گا اور جامعات البنات کی تعلیم سے زیادہ بہتر پڑھائے گا، یوں آپ کی لڑکی کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ عالمہ بن جائے گی اور عالم کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب آپ اس کی مالی امداد کریں

گے تو وہ فراغ قلب اور استغناء کے ساتھ دین کی خدمت کرے گا، ہوسکتا ہے کہ اگر آپ اس کی بہت زیادہ مالی امداد کریں تو وہ مستقل جامعہ کھول لے یا جہاد کی تربیت کا معسکر یا دفتر کھول لے یوں دونوں کا فائدہ ہو جائے گا لڑکی کا فائدہ یہ کہ گھر بیٹھے بیٹھے عالمہ بن جائے گی اور شوہر کا فائدہ یہ کہ وہ اس مال کو دنیا کی بجائے دین میں اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا۔

عالم کو لڑکی سوچ سمجھ کر دیں:

مگر یہاں یہ بات یاد رہے کہ ایسے ہی جوش میں آکر یہ فیصلہ نہ کرلیں کہ فلاں مولوی کو لڑکی دے دیں بلکہ استخارہ بھی کرلیں اور کسی سمجھ دار سے پوچھ بھی لیں۔ بعض دفعہ جوش میں انسان کچھ کر لیتا ہے بعد میں پریشان ہوتا ہے جیسے ایک شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھا کہتا رہتا تھا یا اللہ! اٹھا لے، یا اللہ! اٹھا لے یا اللہ! کھینچ لے، یا اللہ! کھینچ لے، یا اللہ! تیرا عاشق ہوں، تیری محبت میں مرا جا رہا ہوں، یا اللہ! کھینچ لے۔ ساری ساری رات درخت کے نیچے بیٹھا چلاتا رہتا۔ کچھ لوگوں کو خیال آیا کہ یہ رات کو سونے بھی نہیں دیتا چلاتا رہتا ہے ویسے ہی واہیات سی باتیں کرتا رہتا ہے اس کا کچھ علاج کرنا چاہئے۔ ایک شخص درخت کے اوپر چڑھ گیا، اوپر جا کر رسا لٹکا کر کہتا ہے ہاں میرے بندے! لبیک لبیک میرے بندے لبیک۔ تو کئی راتوں سے پکار رہا ہے تیری دعاء قبول ہوگئی لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ میری رحمت جوش میں آگئی، لے یہ رسا اپنے گلے میں باندھ لے، اس نے جو رسا گلے میں باندھا تو اس نے اوپر سے کھینچا اسے پھندا لگا دم گھٹنے لگا تو کہتا ہے یا اللہ! چھوڑ دے، یا اللہ! چھوڑ دے پھر کبھی نہیں کہوں گا یا اللہ چھوڑ دے۔ یہ قصہ اس لئے بتا دیا کہ کسی عالم کو لڑکی دینے سے پہلے استخارہ بھی کرلیں اور کسی سمجھ دار سے پوچھ بھی لیں تاکہ بعد میں اگر پھندا پڑ گیا تو کہیں یہ نہ کہتے پھریں یا اللہ! چھوڑ دے، یا اللہ! چھوڑ دے، کہیں کفر تک ہی نوبت نہ

پہنچ جائے۔

آٹھ لڑکیوں کے والد کا قصہ:

ایک بہت بڑی جامع مسجد کی منتظمہ کے صدر صاحب کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ اس نے اپنی رقمیں سود پر لگائی ہوئی ہیں، سود لیتا ہے۔ میں نے اسے خلوت میں بلایا اور سمجھایا کہ سود پر کتنی بڑی لعنتیں اور کیسی کیسی وعیدیں ہیں، یوں تو کسی مسلمان کے لئے بھی یہ کام جائز نہیں پھر آپ تو مسجد کمیٹی کے صدر ہیں آپ کے لئے تو اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میری آٹھ بچیاں ہیں اور ہمارے ہاں رسم ہے کہ ایک ایک بچی کی شادی پر ایک ایک لاکھ روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ یہ آج سے تقریباً پینتیس سال پہلے کی بات ہے اس وقت میں ایک لاکھ اب تو معلوم نہیں کتنے لاکھوں کی ضرورت ہوگی۔ اس نے کہا کہ میری آٹھ بچیاں ہیں سو مجھے آٹھ لاکھ روپے کی ضرورت ہے ورنہ ان بچیوں کی شادی نہیں ہوگی، میں مجبور ہوں، مجبور ہوکر سود پر رقمیں لگا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو بہت آسان سا کام ہے مجھے ان بچیوں کی شادی کا وکیل بنا دیں ان شاء اللہ تعالیٰ آٹھوں کی آٹھوں آج ہی کے دن میں نمٹا دوں گا اور داماد بھی ایسے منتخب کروں گا کہ آپ ساری عمر منتخب کریں تو بھی ویسے نہیں ملیں گے۔ مگر انہوں نے مجھے وکیل نہیں بنایا۔ اللہ کے نافرمان کے دماغ میں بھس بھرا ہوا ہوتا ہے حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے دماغوں میں عقل نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دماغوں میں گوبر بھر دیا گوبر۔

ایک بار میں نے عام وعظ میں یہ قصہ بتایا تو بہت سے لوگوں نے مجھ سے رجوع کیا کہ ہماری بچی کی شادی کروا دیں، ہماری بچی کی شادی کروا دیں، ہماری بچی کی شادی کروا دیں۔ مگر قصہ وہی ہے نا! کہ اگر میں نے کروا دی تو یہ کہیں گے کہ یا اللہ! اب معاف کر دے اب نہیں کہیں گے۔

لوگوں کے دماغ اتنے بلند ہیں کہ لکھ پتی کو چاہئے کروڑ پتی داماد اور کروڑ پتی کو اربوں پتی جب کہ میں مسکین مولوی سے کراؤں گا جسے آدھی روٹی صبح کو ملے تو اسے بھی آدھی آدھی کر لے، آدھی بیوی کو کھلا دے اور آدھی خود کھا لے، بیوی اس پر کہے الحمدللہ! پہلے اپنی لڑکیاں تو ایسی بنائیں پھر میں شادی کرواؤں گا۔ کہیں یہ نہ سمجھتے رہیں کہ میری جیب میں بڑے بڑے سیٹھ پڑے ہوئے ہیں اور جہاں کسی نے کہہ دیا کہ ہماری بچی کی شادی کروا دیں تو بہت بڑا مرغا نکل آئے گا، بہت بڑا سیٹھ نکل آئے گا ایسی باتیں نہ سوچا کریں اللہ کے بندے سے شادی کیا کریں۔

دین مقصود ہے:

میں جو کہتا ہوں کہ شادیاں کرواؤں گا تو ایسے ایسے داماد دلواؤں گا اس بارے میں یہ سمجھ لیں کہ یہ ضروری نہیں کہ داماد ایسے مسکین ہی ہوں تلاش کر کر کے ایسے داماد منتخب کریں جو صرف سر کے سے جو کی روٹی کھلا سکتا ہو یہ مطلب نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے ہی مل جائیں کہ دنیا کی زیادہ نعمتیں نہ ہوں مگر دین ہو تو اس پر اللہ کی ناشکری نہ کریں وہ بھی شکر کا موقع ہے صبر کا نہیں، ویسے دنیوی نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت و اطاعت میں اور خدمات دینیہ میں ترقی کا ذریعہ ہیں اس لئے اگر کوئی داماد ایسا مل جاتا ہے کہ اس کے پاس دنیا کی نعمتیں بھی ہیں اور دین کی بھی تو دیندار شخص دنیا کی نعمتوں کو دینی ترقی میں استعمال کرے گا دنیا کی نعمتیں جتنی زیادہ ہوں گی دین کو فائدہ پہنچے گا لہٰذا ایسا رشتہ تلاش تو کر لیا کریں کہ جو دیندار ہونے کے ساتھ دنیوی معیار بھی بلند رکھتا ہو لیکن اگر ایسا رشتہ نہ ملے تو پھر دنیا تو رہ گزر ہے۔ گزر گئی گزران کیا جھونپڑی کیا میدان۔ یہ تو سفر ہے اس میں جو کی روٹی پر بھی گزارا ہو جائے گا صرف دین پر اکتفاء کریں۔

لڑکیوں کی شادی کی عمر ہے پندرہ سے اٹھارہ سال، تین سال ایسا داماد تلاش

کریں کہ دینداری کے ساتھ اس کا دنیوی معیار بھی بہتر ہو، تین سال کوئی کم مدت نہیں۔ اور لڑکے کی شادی کی عمر ہے بیس سے پچیس سال، پانچ سال تلاش کریں کوئی لڑکی ایسی مل جائے جو دینداری کے ساتھ مالدار بھی ہو تو بہتر دین اور دنیا دونوں مل جائیں تو سبحان اللہ! دین کا فائدہ ہوگا۔

ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا

واقبح الکفر والافلاس بالرجل

ترجمہ: ”دین اور دنیا دونوں جمع ہو جائیں تو کیسے اچھے ہیں اور فقر اور کفر جمع ہو جائیں تو کیسے برے ہیں؟“

دین اور دنیا کی نعمتیں جمع ہو جائیں تو پھر تو سبحان اللہ مگر دین و دنیا دونوں لحاظ سے بہتر رشتے ملنے کے باوجود اگر کوئی دین دار مساکین کی مدد کی نیت سے ان سے رشتہ کرے تو اس میں بھی بہت بڑا اجر ہے، بہرحال جس صورت پر بھی عمل کرے گا اجر ملے گا اگر شادی کی عمر گزر رہی ہو لڑکی کی عمر ہوگئی اٹھارہ سال اور لڑکے کی ہوگئی پچیس سال، پانچ سال لڑکے کے لئے تلاش کیا تین سال لڑکی کے لئے تلاش کیا پھر بھی دین و دنیا دونوں لحاظ سے بہتر رشتہ نہ ملا تو سمجھ لیں کہ ایسا رشتہ مقدر نہیں پھر صرف دین کو دیکھیں باقی چیزوں کو چھوڑ دیں اس لئے کہ اگر لڑکے کی عمر ہوگئی پچیس سال سے زیادہ اور لڑکی کی عمر ہوگئی اٹھارہ سال سے زیادہ تو شادی کی عمر تو نکل چکی، مال دار رشتے تلاش کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں، پھر کوئی رشتہ ملتا ہی نہیں نہ دین کا نہ دنیا کا نہ ادھر کا نہ ادھر کا، ایسا کیوں ہوتا ہے اس بارے میں ایک لطیفہ سن لیں۔ کسی شخص نے ایک دلال سے کہا کہ مجھے گدھا خرید دو۔ پہلے زمانے میں گدھے کی سواری ایسی ہوتی تھی جیسے آج کل رنجیفسی کی سواری ہے۔ اس نے دلال کو گدھے کے جو اوصاف بتائے کہ ایسا ہو اور ایسا ہو تو دلال نے کہا کہ بھائی تو جو گدھے کے اوصاف بتا رہا ہے ان کے مطابق تو شہر کا قاضی ہی ہو سکتا ہے گدھے میں تو یہ اوصاف ملیں گے نہیں۔ دنیا

کی ہوس ایسی بڑھ گئی کہ بیوی ملے تو ایسی اور ایسی اور ایسی جیسے خیالات ہیں ویسی ملتی نہیں بیٹھے بیٹھے بڈھے ہو جاتے ہیں پھر اس کے لئے تعویذ لیتے ہیں کہتے ہیں کہ کسی نے بندش لگا دی ہے۔ اسی طرح داماد تلاش کرتے ہیں کہ ایسا ہو ایسا ہو اور ایسا ہو وہی گدھے والا قصہ ہوتا ہے۔

مسکین شوہر مالدار بیوی:

مالدار لوگوں نے جو اتنے اتنے جہیز جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں اگر وہ کسی صالح مسکین یا عالم سے شادی کر دیں تو وہ جہاد میں اور دین کے دوسرے کاموں میں خرچ کریں گے اس طرح دین کے کاموں میں تعاون ہوگا۔ کہیں کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ ایسے ہی کہنے سننے کی باتیں ہیں کوئی بھی مالدار اپنی لڑکی کسی صالح مسکین کو نہیں دے گا یہ خیال غلط ہے اوپر سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

چند مثالیں:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝﴾ (۹۳-۸)

آپ نادار تھے، آپ کے پاس کچھ نہیں تھا اللہ نے آپ کو مالی لحاظ سے غنی کر دیا، اس طرح کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو بہت مالدار تھیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے از خود خواہش ظاہر کر کے شادی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مالدار بیوی دلا کر غنی کر دیا۔ سنتوں کی تلاش کرنے والو! بہت سے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ سنتوں پر کوئی کتاب بتا دیں سنتوں کی تلاش کرنے والو! اس سنت پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ جتنی مالدار عورتیں ہیں وہ سب مساکین علماء وصلحاء سے

شادیاں کر لیں تو وہ مالدار ہو جائیں گے اور یہ عالمات بن جائیں گی پھر آخرت کی تجارت خوب چلے گی، سرمایہ دار اور محنت کار مل کر آخرت کی تجارت خوب کریں گے۔

۴ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی:

حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ آپ میری شادی کسی زاہد کے ساتھ کر دیں انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے تلاش کریں گے زاہد کوئی آسانی سے تھوڑا ہی مل جاتا ہے تلاش کریں گے۔ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح پہلے بادشاہ تھے، مگر ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو بادشاہت بھی چھوڑ دی اور شاہانہ شان شوکت بھی سب کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں نکل گئے مگر شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہت تو چھوڑ دی مگر شاہانہ معیشت نہیں چھوڑی، حکومت چھوڑ دی لیکن اپنی بود و باش، رہن سہن اسی طریقے سے شاہانہ رکھا، وہ زاہد داماد تلاش کرتے رہے کرتے رہے لیکن زاہد ملے کہاں؟ انسان تو کوئی ملتا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انما الناس کالا بل المائة لا تکاد تجد فیھا راحلة"

(صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرما دیا کہ انسان ملنا بہت مشکل ہے، سو اونٹوں میں سواری کے قابل ایک ملنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے ایسے ہی انسان ملنا بہت مشکل ہے۔ اسی بارے میں عربی اور فارسی کے چند اشعار ہیں ؎

رأیت الشیخ بالمصباح یسعی
له فی کل ناحیة مجیلا
یقول مللت انعاما وبوھا
وانسانا ارید فھل انال

فقلت ذامحال قد بحثنا
فقال و منیتی ذاك المحال

اسی طرح فارسی میں ہے ؂

دی شیخ با چراغ می گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم وانسانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

شاعر کہہ رہے ہیں کہ میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو ہاتھ میں چراغ لے کر گلیوں میں چکر لگا رہا تھا، کبھی اس گلی میں کبھی اس گلی میں کہہ رہا تھا کہ مجھے کوئی انسان نہیں مل رہا انسان کو تلاش کر رہا ہوں۔ شاعر کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا تو محنت کرنا چھوڑ دے یہ محنتیں ہم تجھ سے پہلے کر چکے ہیں کوئی نہیں ملے گا۔ اس نے کہا کہ ایسی ہی نادر چیز کی تلاش میں ہوں۔

صاحبزادی نے کہہ تو دیا کہ زاہد ڈھونڈیں لیکن زاہد ملے کہاں؟ ایک بار ایک مسجد میں کسی مسکین کو نماز پڑھتے دیکھا ان کے خشوع وخضوع سے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص زاہد ہے زاہد کا مطلب ہے وہ شخص جس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو۔ ایسا آدمی ملنا بہت مشکل ہے۔ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے بزرگ تھے ولی اللہ تھے اس لئے کچھ اپنی ولایت کی بصیرت سے فراست سے اور کچھ ان کی نماز کی کیفیت سے سمجھ گئے کہ یہ زاہد ہے، وہیں بیٹھ گئے۔ جب زاہد نے سلام پھیرا تو ان سے پوچھا صاحبزادے! آپ کی شادی ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھ جیسے مسکین کو کون لڑکی دیتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، مشرکین میں سے ایک رئیس گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت

فرمایا کہ یہ کیسا شخص ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یہ بہت بڑا رئیس ہے، کہیں سفارش کرے تو فوراً قبول ہو اور کہیں نکاح کا پیغام بھیجے تو فوراً قبول ہو جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت جعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ ایسا مسکین ہے کہ کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو اور کہیں شادی کا پیغام بھیجے تو اس کی شادی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو پہلا کافر رئیس گزرا ہے اس جیسوں سے ساری دنیا بھر جائے تو تمام کے تمام ملا کر بھی اس ایک مسکین کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (متفق علیہ)

یاد رکھئے! قدر و منزلت وہ ہے جو مالک کی نظر میں ہو، منصب و عزت وہ ہے جو وطن آخرت کے لئے مقدر ہو۔

زاہد نے حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ مجھے کون لڑکی دے گا؟ انہوں نے فرمایا اگر شاہ شجاع کی لڑکی تجھے مل جائے؟ زاہد حضرت شاہ شجاع کو پہچانتے نہ تھے، بولے ارے میاں! کیا جوتے پڑواؤ گے؟ اتنے بڑے آدمی دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے بادشاہ ان کی بیٹی مجھے مل جائے! انہوں نے فرمایا کہ میں ہی ہوں میں خود کہہ رہا ہوں۔ اب دیکھئے اس زاہد کی عقل، اللہ تعالیٰ جس کے دل کو دنیا کی محبت سے پاک کر دیتے ہیں اسے عقل کامل عطاء فرماتے ہیں، زاہد نے کہا: ”آپ تو بات کر رہے ہیں اپنے مقام کے مطابق، آپ تو بہت بڑے ولی اللہ ٹھہرے لیکن شادی تو آپ کی لڑکی سے ہوگی کام کیسے چلے گا؟ ہے نا عقل کی بات، آج کل کا کوئی زاہد ہوتا تو کہتا ہاں ہاں جلدی سے نکاح پڑھواؤ۔ حضرت شاہ شجاع فرماتے ہیں کہ میں اسی کے کہنے سے کہہ رہا ہوں، میری لڑکی کا مطالبہ ہے کہ اس کی شادی کسی زاہد سے کریں۔ زاہد نے کہا اچھا دیکھ لیتے ہیں کیسی ہے آپ کی صاحبزادی۔ جیسے میں نے پہلے بتایا کہیں وہی قصہ نہ ہو جائے کہ جب رسا گلے میں ڈال کر کھینچا تو کہے یا اللہ! چھوڑ دے، یا اللہ!

چھوڑ دے۔ نکاح ہوگیا۔

شاہی محل سے جھونپڑی کی طرف تین آدمیوں کی بارات چلی: ① زاہد ② شاہ شجاع کی صاحبزادی وہ بھی زاہدہ ③ خود شاہ شجاع کل تین آدمی۔ جیسے ہی جھونپڑی میں داخل ہوئے صاحبزادی کی چیخ نکل گئی، ابا تو نے مجھے ڈبو ہی دیا، ابا تو نے تو مجھے ڈبو ہی دیا۔ زاہد نے کہا دیکھ لیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ تو بول رہے تھے اپنے مقام سے، اس نے تو ابھی جھونپڑی دیکھی ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ صاحبزادی بولیں: ''زاہد صاحب! کچھ معلوم بھی ہے میری چیخ کیوں نکلی، زاہد صاحب! میرے ابا تو میرے لئے زاہد تلاش کرتے رہے، سامنے جو مٹکا پڑا ہے اس کے اوپر خشک روٹی کا ٹکڑا رکھا ہے جو خشک روٹی کے ٹکڑے بچا بچا کر رکھے وہ زاہد کہاں سے آیا، ابا تو نے تو مجھے ڈبو ہی دیا۔ زاہد کا جواب سنئے! زاہد نے کہا بات یہ ہے کہ میرا روزہ ہے، بوقت سحر میں نے جو کھانا کھایا تھا اس میں سے تھوڑا سا ٹکڑا افطار کے لئے بچا کر رکھا ہے۔ صاحبزادی پھر بولیں! اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ تو زاہد کہاں سے آیا جس اللہ نے سحری کھلائی اس اللہ پر اتنا بھی اعتماد نہیں کہ وہ افطار بھی کروائے گا تو زاہد کہاں سے آیا، ابا تو نے تو مجھے ڈبو ہی دیا۔ یہ ہوتی ہیں لڑکیاں، شاہ شجاع جیسے بادشاہ کی صاحبزادی شاہی محل سے نکل کر زاہد کے پاس جھونپڑی میں جا رہی ہے۔

زاہدہ کے قصے پر اشکال کا جواب:

جیسے میں نے ابھی بتایا کہ یہ ضروری نہیں کہ داماد کوئی مسکین سے مسکین ہی تلاش کریں مالدار داماد تلاش کرنا جائز ہے اس مال کو دینی ترقی کا ذریعہ بنائیں لیکن جب کچھ وقت گزر جائے اور ایسا رشتہ نہ ملے تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر نہیں پھر جیسا بھی مل جائے بس دین ہو باقی کچھ بھی نہ ہو تو کوئی بات نہیں۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی نے تو شرط لگائی کہ زاہد

سے شادی کروں گی اور زاہد بھی ایسا کہ صبح جو خشک روٹی کا ٹکڑا بچے وہ بھی گھر میں نہ رکھے ایسا زاہد چاہئے تو انہوں نے یہ شرط کیوں لگائی وہ بھی تو یہ کہہ سکتی تھیں کہ دین کے ساتھ دنیا بھی ہو دونوں چیزیں ہو جائیں ان کے والد بادشاہ تھے تو بادشاہ کے لئے داماد کوئی بادشاہ نہیں مل سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ مل ہی جاتا مگر انہوں نے شرط لگائی کہ زاہد سے شادی کروں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کی دو قسمیں پیدا فرمائی ہیں۔ ایک قسم مقرب بندوں کی وہ ہے کہ جنہیں دنیا کی نعمتیں جتنی زیادہ ملتی ہیں وہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، محبت اور اطاعت میں ترقی کرتے ہیں دنیا کی نعمتیں ان کے لئے توجہ الی اللہ اور تقرب میں زیادہ سے زیادہ ترقی کا باعث بنتی ہیں ان لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے۔

؎ ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زلذت شرب دوام ما

ہم جو دنیوی نعمتیں استعمال کرتے ہیں تو ہم پیالے میں محبوب کا دیدار کرتے ہیں، اے بے خبر! تجھے کیا معلوم کہ ہمیں کیسے کیسے مزے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی معرفت میں محبت میں ترقی ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے مانگ کر حکومت لی ایسی حکومت جو کبھی قیامت تک کسی کو نہ ملے، یہ کہہ کر اللہ سے پوری دنیا کی حکومت مانگی، ہوا پر بھی، پرندوں پر بھی، جنات پر بھی، چیونٹیوں پر بھی غرضیکہ دنیا کی ہر چیز پر، اللہ کے مقربین کی ایک قسم تو یہ ہے دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیوی نعمتیں ان کے قلب میں تشویش پیدا کرتی ہیں، دنیا کے جھنجھٹ توجہ الی اللہ میں خلل ڈالتے ہیں، وہ تو یہ کہتے ہیں۔

؏ میں رہوں اور سامنے بس روئے جاناں رہے

بس میں رہوں اور میرا محبوب رہے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں انہیں اس طرح زیادہ

ترقی ہوتی ہے جس کے بارے میں حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

؎ بسودائے جانان زجان مشتغل

بذکر حبیب از جہاں مشتغل

محبوب کا سودا دماغ کو چڑھا ہوا تھا کہ اپنی جان سے بھی غافل ہو گئے۔

؎ بیاد حق از خلق بگریختہ

چنان مست ساقی کہ مے ریختہ

محبوب کے ذکر میں ایسے مست کہ پورے جہان سے غافل جسے جان کا پتا نہیں اسے جہان کا کیا پتا ہوگا اللہ کی یاد میں پوری خلق سے بھاگ کر کہیں پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہیں، ساقی شراب پلا رہا ہے اور یہ ساقی میں ایسا مست ہے کہ ہاتھ سے پیالہ ہی چھوٹ گیا، چھوٹ گیا یا گرا دیا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہمیں تو ساقی چاہئے ساقی، پلانے والا چاہئے۔ یہ دو قسمیں اللہ نے پیدا فرما دی ہیں دونوں اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں۔

③ نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ تعالیٰ:

مالدار بیوی اور مسکین شوہر سے متعلق تیسرا قصہ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مسکین عالم تھے، ریاست بھوپال کی نوابہ نے ان سے شادی کر لی تو یہ بھی نواب بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے ذریعے انہیں نواب بنا دیا اور پھر دین کی اتنی بڑی بڑی خدمتیں کیں، ایسی بڑی بڑی تصانیف چھوڑیں کہ پوری دنیا میں ان کا نام ہے ورنہ پہلے کوئی انہیں جانتا بھی نہیں تھا اس کا ذریعہ ان کی بیوی بنیں۔

④ مولانا کمانڈر جلال الدین حقانی:

امارات میں کسی خاتون نے مولانا کمانڈر جلال الدین حقانی سے شادی کی درخواست کی مولانا نے فرمایا کہ میں جہاد میں اس طرح لگا ہوا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے

بھی میری زندگی کا بھروسا نہیں اس کے باوجود اس خاتون نے اصرار کیا اور کہا کہ کچھ بھی ہو جائے بہرحال میں تیار ہوں اس کے بعد مولانا نے اس رشتے کو قبول کر لیا تو وہ جہیز میں بہت زیادہ اموال لائیں جنہیں کمانڈر نے جہاد میں لگا دیا۔

عجیب حکمت:

پھر بتا دوں کہ جن عورتوں کے گھروں میں جہیز جمع ہے اور رشتے انہیں ملتے نہیں وہ مساکین علماء سے شادی کر لیں دیکھئے ان کا بھی کام ہو جائے گا ان کا بھی۔ دنیا کے کام کرنے میں تو آج کا مسلمان بہت ہوشیار ہے وہی عقل یہاں کیوں استعمال نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق دو قسم کی پیدا فرمائی ہے۔ ایک وہ جنہیں دولت تو دے دی مگر وہ کمانے کے تجارت کے طریقے جانتے نہیں یا انہیں فرصت نہیں یا نیک وصالح خواتین ہیں کہ وہ دنیا کے دھندوں میں پڑنا اپنے لئے جائز نہیں سمجھتیں لیکن مال ان کے پاس بہت ہے۔ دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جو کمانے کے تو ماہر ہیں مگر مال نہیں، کمانے کے لئے دونوں چیزیں چاہئیں مال بھی ہو اور کمانے کی صلاحیت بھی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کیا عجیب حکمت ہے کہ جوڑ پیدا کرنے کے لئے کسی کو مال دے دیا تجارت کے سلیقے نہیں دیئے اور کسی کو سلیقہ دے دیا مگر مال نہیں یوں اللہ تعالیٰ ان کا جوڑ بنا دیتے ہیں ایک بن جاتا ہے سرمایہ کار دوسرا بن جاتا ہے محنت کار، جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس میں دونوں کا فائدہ ہوتا ہے دنیا کی تجارتیں ایسے چلاتے ہیں آخرت کی تجارت ایسے کیوں نہیں چلاتے؟ مالدار لوگ اپنی بچیاں یا وہ عورتیں جو خود مختار ہیں یا ان کے اولیاء اپنی لڑکیاں علماء اور صالح مساکین کو دیں، پیسا ان کا ہوگا اور دینی کام وہ کریں گے، مالدار خواتین بہت سے دینی کام خود نہیں کر سکتیں جہاد میں خود نہیں جا سکتیں، علم دین نہیں پڑھا سکتیں، جامعات نہیں چلا سکتیں اور جن علماء سے شادی کریں گی وہ مساکین ہوں گے دین کے کاموں کے لئے انہیں پیسے کی ضرورت ہے جب یہ

ان کی مالی امداد کریں گی تو یہ بن گئیں سرمایہ کار اور شوہر بن گئے محنت کار پھر جب دونوں مل کر کام کریں گے تو آخرت کی تجارت خوب خوب چلے گی۔ دنیا کی تجارت کی دلوں میں اہمیت ہے اس میں تو یہ تدبیریں لگاتے ہیں مگر آخرت کی تجارت کی دلوں میں اہمیت نہیں اس لئے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ آخر میں خلاصہ ایک بار پھر سن لیجئے! خبر یہ ملی کہ ویسے تو دو ہی جوڑے ہیں مگر جہیز کے لئے الگ سے بھی رکھے ہیں صندوقوں کے صندوق بھر کر رکھے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کو بتا رہا ہوں کہ وہ یہ کپڑے نکالیں جہاد میں بھیج دیں صرف تین جوڑے رکھیں۔ کوئی زاہد داماد تلاش کریں اور اسے بوقت ضرورت دو تین جوڑے بنا کر دیتے رہیں۔ جو لوگ پہلے سے کپڑے جمع کر کے رکھتے ہیں وہ یہ بھی تو نہیں سوچتے ان لوگوں میں اتنی بھی تو عقل نہیں کہ ڈیزائن تو روز بروز بدلتے رہتے ہیں اور آپ کے پاس جو پہلے کا رکھا ہوگا وہ ڈیزائن تو پرانا ہو جائے گا کیا فائدہ جمع کرنے کا۔ مسکین داماد تلاش کریں جب مل جائے تو اس سے پوچھ لیں کہ تین جوڑے دینے کی مالی صلاحیت ہے یا نہیں اگر اس کے پاس صلاحیت ہے تو آپ ایک جوڑا بھی نہ دیں، بیوی کے مصارف تو سارے کے سارے اس کے ذمہ ہیں آپ ایک جوڑا بھی نہ دیں، داماد خود ہی لا کر دے بلکہ رخصتی سے پہلے ہی ایک جوڑا اپنے سسرال یعنی لڑکی کے میکے میں دے جائے کہ آج سے یہ میری بیوی ہے اس لئے ابھی سے میرا جوڑا پہن لے آپ لوگ اپنے جوڑے اپنے ہی پاس رکھیں۔

کرچھلی چلانے کی وجہ:

ایک بات تو سوچئے کہ عورتیں جو کرچھلی چلاتی ہیں تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ گھوڑا نیچے کی بجائے اوپر کیوں چڑھ جاتا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ شروع ہی سے داماد بے غیرت ملتا ہے ایسا بے غیرت ایسا بے غیرت کہ اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ کما

کر کھلانے کے قابل نہیں اپنے سسرال سے کہتا ہے کہ لڑکی بھی دو اور لڑکی کو کھلانے، پلانے اور پہنانے کے لئے سامان بھی دو میں اس قابل نہیں اللہ کے لئے مجھ پر رحم کرو، اللہ کے لئے اپنی لڑکی کو کھلاؤ پلاؤ۔ کچھ بات سمجھ میں آرہی ہے، آخر میں اعلان سن لیجئے: جو بھی جہیز قبول کرے گا، جو بھی قبول کرے گا، جو بھی قبول کرے گا، وہ علان کر رہا ہے سسرال کو اپنی بیوی کو بتا رہا ہے کہ میں ایسا نادار ہوں، مفلس ہوں، ایسا بھکاری ہوں، ایسا فقیر ہوں یا ایسا نالائق اور ایسا بے غیرت ہوں کہ بیوی کو ایک جوڑا بھی نہیں پہنا سکتا، بیوی کے لئے ایک بستر بنانے کے بھی قابل نہیں بیوی کو چارپائی دینے کے قابل نہیں، اللہ! اللہ! میری مدد کرو، مجھ پر رحم کھاؤ۔ سوچئے عقل سے سوچئے یہیں بیٹھے بیٹھے سوچئے ایسا داماد یہی کہہ رہا ہے یا نہیں، یہی اس کا مطلب ہے یا نہیں؟ اگر واقعۃً یہی مطلب ہے تو ایسا داماد بیوی سے بھیک مانگ رہا ہے یا نہیں اور وہ بیوی اس کے گھر جا کر کرچھلی چلائے گی یا نہیں ارے نالائق! تو تو میرا محتاج ہے، چارپائی تجھے میں نے دی ہے لباس بھی تجھے میں نے دیا ہے صرف اپنا ہی نہیں بلکہ تیرا بھی، تیری اماں کا بھی، تیرے ابا کا بھی میں نے ہی تو لا کر دیا ہے۔ آج کل کے داماد ایسے بے غیرت ہیں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بیوی کا لباس خود دیتے لیکن یہ ایسے بے غیرت ہیں کہ بیوی اپنا لباس بھی لائے، شوہر کی اماں کا بھی لائے، شوہر کے ابا کا بھی لائے اور شوہر کے بھائی بہن وغیرہ ہیں تو ان کا بھی لائے سب کے لئے لباس وہ لائے جو مرد اتنا بھکاری اتنا مفلس ہو کہ بیوی کا خرچ بھی نہیں اٹھا سکتا بلکہ والدین کا خرچ بھی بیوی سے وصول کرتا ہے اس کے لئے تو شادی کرنا ہی جائز نہیں اور اگر قادر ہونے کے باوجود بھیک مانگتا ہے تو اس کے لئے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینا جائز نہیں۔ جو شخص ایک دن کے کھانے کی قدرت رکھتا ہو یعنی کھانا موجود ہو یا کما سکتا ہو اس کے لئے مانگنا بھی حرام اور اسے دینا بھی حرام ہے۔ مجھے معلوم ہے آپ لوگ اس پر عمل تو نہیں کریں گے لیکن شاید اللہ تعالیٰ کوئی ایسا وقت لے آئیں جب کسی کو عمل کی

توفیق بھی مل جائے نہیں بھی کریں گے تو مسئلے کی بات تو سمجھ میں آگئی کہ داماد اگر ایک وقت کا کھانا رکھتا ہے تو اس کے لئے مانگنا بھی حرام ہے اور اگر سسرال والے اسے کچھ دیتے ہیں تو ان کے لئے دینا بھی حرام ہے۔ یا اللہ! تو یہ مسئلہ بتانے پر سننے والوں کو ایک ہزار رکعت پڑھنے سے زیادہ ثواب تو دے ہی دے حالانکہ انہوں نے پوچھا تو نہیں لیکن یا اللہ! اپنی رحمت سے بغیر پوچھے ہی انہیں دے دے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی ایک مسئلہ پوچھے گا اسے ایک ہزار رکعت نوافل پڑھنے سے زیادہ ثواب اللہ تعالیٰ دیں گے میں دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو یہ ثواب عطاء فرما دیں اور میں تو بتا رہا ہوں اس پر تو یا اللہ! تو کتنی ہزار رکعتوں کا ثواب دے گا کچھ نہ پوچھئے یا اللہ! تو اپنی رحمت کے ہاتھ برسا دے۔ یہاں سے جانے کے بعد یہ مسئلہ سننے کے بعد آپس میں کچھ تذکرہ بھی کیا کریں۔

عالم پر افتراء اللہ و رسول پر افتراء:

کسی نے میری طرف یہ غلط بات منسوب کر دی کہ میں نے انہیں جہیز لینے دینے کی اجازت دی ہے۔ اس نالائق کی یہ بات سن کر مجھے بہت افسوس ہوا، بہت افسوس، بہت افسوس، ایسی بات جو میں عام وعظ میں کہتا ہوں عام کتابوں میں لکھتا ہوں اس کے خلاف کسی سے کیسے کہہ دوں گا؟ کیا مجھے ایسا خائن اور ایسا بے دین سمجھتے ہیں کہ عام وعظ تو کچھ کرتا رہوں، کتابوں میں کچھ لکھتا رہوں اور کوئی اگر پوچھے تو اسے اس مسئلے کے خلاف کچھ اور بتا دوں؟ جس نالائق کے کہنے کے مطابق میں نے اسے اجازت دے دی کیا وہ اللہ کا بیٹا ہے؟ جیسے سرگودھا میں ہونے والے وعظ کا قصہ بتاتا رہتا ہوں، تصویر کی حرمت پر بیان ہو رہا تھا کسی نے پرچہ پر لکھ کر دیا کہ یہ سیاسی مولوی کیوں تصویریں کھنچواتے ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بتاتا ہوں رہی یہ بات کہ بعض مولوی تصویر کیوں کھنچواتے

ہیں تو وہ ان کا عمل ہے مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں انہی سے پوچھیں اور ساتھ ہی میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ہوسکتا ہے وہ خود کو اللہ کے بیٹے سمجھتے ہوں، یہود کہتے تھے:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (۵-۱۸)

ہم اللہ کے بیٹے ہیں اللہ کے محبوب ہیں۔شاید جس نالائق نے ایسے کہہ دیا کہ ہم نے پوچھا تھا ہمیں اجازت دے دی ہے یہ بھی خود کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کا محبوب ہی سمجھتا ہوگا۔

اس سے میرے بارے میں یہ بدگمانی تو ہوسکتی ہے نا کہ دوسرے لوگوں کو کچھ بتاتا ہے اور کسی ایک کو اس کے خلاف بتا دیا، اس لئے سب کو تاکید کرتا ہوں کہ اولاً تو میرے بارے میں کوئی بات بھی کسی معتبر سے معتبر شخص سے بھی سننے میں آئے اور وہ خود کو میرا مرید ظاہر کرتا ہو بہت مقرب مرید بتاتا ہو مگر وہ بات ایسی ہو جو نئی سننے میں آئے تو اس پر ہرگز اعتماد نہ کریں جب تک کہ مجھ سے تصدیق نہ کروالیں پھر خاص طور پر ایسی بات جو عام کیسٹوں میں بھری ہوئی ہے، کتابوں میں چھپی ہوئی ہے، عام مجمع میں کہتا رہتا ہوں اس کے خلاف اگر کوئی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا تو ایسے کہہ دیا۔اس سے پوچھیں کہ تجھے کیسے کہہ دیا آخر تیری خصوصیت کیا ہے؟ اسے کان سے پکڑیں اور کہیں کہ لکھوا کر دو۔اس کا پتا وغیرہ بھی پورا پوچھ لیں اور مجھے بتائیں کہ فلاں نے ایسے ایسے کہا ہے تو میں اس کذاب مفتری کی خبر لوں گا کہ مجھ پر اتنا بڑا بہتان کیوں لگایا ایسا کھلا افتراء کیوں گھڑا؟

عالم اپنی جیب سے مسائل نہیں نکالتا:

جو شخص کسی عالم پر بہتان لگاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے خیال میں علماء مسائل اپنی جیب سے نکالتے ہیں کسی کو کچھ بتا دیا اور کسی کو کچھ یہ خیال سراسر غلط ہے علماء اپنی جیب سے مسائل نہیں نکالتے وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ اللہ کی باتیں ہوتی

ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہوتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے بتا دیا تو پوچھنے والا کہتا ہے کہ یہ جو آپ بتا رہے ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت غصہ آیا فرمایا کہ کیا ابو ہریرہ کی جیب سے ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں نے جو تجھے بتایا ہے وہ میری جیب سے نکلا ہے ارے جو کچھ کہتا ہوں اوپر ہی سے تو کہہ رہا ہوں۔ اس طریقے سے اسے ڈانٹا۔ علماء جو کچھ بتاتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بتاتے ہیں اپنی جیب سے نکال نکال کر لوگوں کو نہیں پکڑاتے رہتے۔ جو شخص کسی عالم پر افتراء باندھتا ہے کہ اس نے یہ کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھ رہا ہے، عالم وہ بات کہے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی جب کسی نے بہتان باندھا کہ فلاں عالم نے یہ بات کہی ہے تو اس کا مطلب کیا ہوا کہ اللہ نے یہ بات کہی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار“

(مقدمہ صحیح مسلم)

تَرجَمہ: ”جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے جہنم میں، کتنی سخت وعید ہے۔“

کڑوی گولی:

میرے اس وعظ کو دوسروں تک بھی زیادہ سے زیادہ پہنچائیں، ہے تو بہت مشکل بات، عمل کرنا تو بڑی بات ہے اس وعظ کا سننا ہی بہت مشکل ہے بہت مشکل، کڑوی گولی نگلنا بہت مشکل ہے مگر ہمت کر کے نگل جایا کریں پہلی بار تو یہ گولی بہت کڑوی لگے گی پھر دوسری بار کم کڑوی لگے گی اور تیسری بار میں تو تلخی بالکل محسوس ہی نہیں

ہوگی، چوتھی بار میں حلاوت محسوس ہوگی پھر ہر بار حلاوت بڑھتی جائے گی اور عمل کی قوت پیدا ہوتی جائے گی، یہ دستور ہے کرکے دیکھیں تجربہ تو کریں کڑوی گولی ہی کھاتے جائیں کھاتے جائیں بالآخر وہ میٹھی ہو جائے گی عمل کرنا آسان ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں۔

کڑوی روٹی:

ایک بات سننے میں آئی ہے کہ میت پر لوگ جو کھانا کھلاتے ہیں اس کا نام رکھا ہوا ہے ''کڑوی روٹی'' عجیب بات ہے کھاتے بھی جاتے ہیں اور نام رکھا ہے کڑوی روٹی، کڑوی روٹی کھا رہے ہیں۔ آج کے مسلمان کی حماقت پر کتنا تعجب کریں؟ ارے کڑوی ہے تو کھاتے کیوں ہو؟ ذرا غور کریں کہ شیطان کو خوش کرنے کے لئے تو کڑوی روٹی بھی کھا لیتے ہیں، وہ تو شیطان کا مذہب ہے اس موقع پر کھانا کھلانا رحمٰن نے تو حرام قرار دیا ہے، شیطان کو خوش کرنے کے لئے اس کے بندے کڑوی روٹی کھا رہے ہیں تو رحمٰن کے بندے یہ کڑوی گولی کیوں نہیں نگل سکتے جو میں نے ابھی بتائی؟ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو رحمٰن کے مقابلے میں شیطان سے زیادہ محبت ہے، رحمٰن کو راضی کرنے کی بجائے شیطان کو راضی کرنے کی فکر زیادہ ہے، آخرت بنانے کی فکر نہیں اس لئے میت کی کڑوی روٹی کو کڑوی کہہ کر بھی مزے سے کھا رہے ہیں اور جس چیز سے آخرت بنتی ہو، اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہوں شیطان ناراض ہوتا ہو وہ بات کتنی آسان ہو، کتنی ہی آسان تو بھی سمجھتے ہیں کہ بہت مشکل ہے۔ اس گولی کا نگلنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے نگلی نہیں جاتی حالانکہ اللہ تعالیٰ کے احکام تو بہت آسان ہیں اگر مشکل ہوتے تو بھی اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنی دنیا و آخرت بنانے کے لئے مشکل احکام پر عمل بھی ضروری ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے احکام آسان ہیں، فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۲-۱۸۵)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام وقوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں۔“

اور فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (۲۲-۷۸)

ترجمہ: ”اور (اس نے) تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔“

اور فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (۴-۲۸)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

اللہ چاہتا ہے کہ آسان آسان احکام دے کر تمہاری دنیا بھی سدھار دے اور آخرت بھی، ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ ہم نے انسان کو ضعیف پیدا کیا ہے، پیدا کر دیا ضعیف اور احکام دے دیے مشکل یہ تو ظلم ہے اور اللہ ظالم نہیں وہ تو بہت مہربان ہے نہایت مہربان، اس لئے اس نے بندوں کے ضعف کے مطابق احکام بھی آسان آسان دیے ہیں ورنہ دوسری جگہ پر یہ فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝﴾ (۴-۶۶ تا ۶۸)

ترجمہ: ”اور اگر ہم لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز معدودے چند لوگوں کے اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا اور اگر یہ لوگ جو کچھ انہیں نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا اور اس حالت میں ہم انہیں خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے اور ہم انہیں سیدھا رستہ بتادیتے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”الدین یسر“ (بخاری)

اور فرمایا:

”سمحۃ“ (بخاری)

ترجمہ: ”شریعت بہت آسان ہے۔“

دین بہت آسان ہے اللہ کے احکام آسان ہونے کے باوجود آج کے مسلمان کو مشکل لگتے ہیں اور شیطان کے احکام مشکل ہونے کے باوجود آسان لگتے ہیں، جیسے کہتا رہتا ہوں کہ شیطان چپتیں بھی مارتا ہے بلکہ ٹھڈے بھی مارتا ہے تو یہ اس پر خوش ہوتا رہتا ہے اور رحمٰن مٹھائیاں کھلائے آسانیاں دے تو اس پر یہ خوش نہیں ہوتا کہتا ہے بہت مشکل ہے بہت مشکل، اصل بات یہ ہے کہ جب تک اللہ سے محبت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک اللہ کے احکام پر عمل کرنا مشکل ہی لگے گا، اللہ سے محبت پیدا کریں۔ شیطان سے محبت زیادہ ہے اللہ سے محبت کم ہے جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے انسان اسی کی بات مانتا ہے۔ محبت پیدا کرنے کا ایک نسخہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا

وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ (۳-۱۹۰، ۱۹۱)

یہ آیات ﴿اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ تک صبح کو بیدار ہونے کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر پڑھا کریں اور ان کا مطلب دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش کیا کریں، یہ معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ان آیات میں بتائے گئے نسخے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر و فکر بہت زیادہ کیا کریں کھڑے، بیٹھے لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رکھا کریں چھوڑیں نہیں اور فکر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، ان کے کمالات، احسانات اور قدرت قاہرہ میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کریں تفکر کیا کریں، ذکر سے فکر میں ترقی ہوتی ہے اور دونوں چیزیں مل کر محبت کو بڑھاتی ہیں محبت بڑھے گی تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی توفیق ہوگی نافرمانیاں چھوڑنے کی ہمت ہو جائے گی ساتھ ساتھ یہ دعاء بھی کرلیا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنی اتنی محبت عطاء فرما دیں کہ چھوٹی سی چھوٹی نافرمانی کے تصور سے بھی شرم آنے لگے اتنی محبت پیدا ہو جائے کہ ہر حکم نہ صرف آسان لگنے لگے بلکہ احکام پر عمل میں مزا آنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نسخہ کو استعمال کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں اسے مؤثر بنائیں۔

وصل اللّٰهم وبارك وسلم على عبدك ورسولك محمد

وعلى اٰله وصحبه اجمعين.

والحمد لله رب العٰلمين.

ضمیمہ

ایک سبق آموز شادی:

ایک آج کا نکاح ہے بہت نرالی قسم کا، خیال یہ تھا کہ پہلے نکاح کروا دوں وجہ تخصیص کی تفصیل بعد میں بتاؤں گا لیکن پھر خیال ہوا کہ نکاح سے پہلے ہی بتا دوں۔ وجہ تخصیص کیا کہ سب حضرات کو معلوم ہی ہے کہ جمعہ کے دن بیان کے وقت میں یعنی عصر کے بعد یہاں کوئی نکاح نہیں ہوتا، یہ قانون کئی سالوں سے بنایا ہوا ہے مگر آج ایک نکاح کی اجازت دے دی اور میں خود نکاح پڑھاؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ایک قانون تو یہ ہے دوسرا قانون یہ کہ دوسرے اوقات میں یا دوسرے دنوں میں بھی یہاں دارالافتاء میں صرف اس شخص کا نکاح کیا جا سکتا ہے جو یہاں استاذ یا طالب علم یا حارس ہو دوسروں کا نکاح یہاں نہیں پڑھایا جاتا ان کے لئے دعاء کرتے ہیں کہ جہاں بھی نکاح ہو اللہ تعالیٰ ان کے نکاح میں برکت عطاء فرمائیں، مگر اب جو نکاح کرنے کا ارادہ ہے اس میں صرف یہ خصوصیت نہیں کہ دارالافتاء میں نکاح کرایا جا رہا ہے بلکہ ساتھ بڑی بات یہ بھی کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد جو عام بیان کا وقت ہے اس وقت میں کرایا جا رہا ہے یہ دارالافتاء کے قاعدے کے خلاف ہے، وجہ تخصیص کیا ہے اس قصے کو عام حالات سے مستثنیٰ کیوں کر دیا گیا، اتنی بڑی رعایت کیوں کر دی گئی، اتنی بات تو ہے ہی کہ دولہا میاں اس سال دارالافتاء سے پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں اس طرح دارالافتاء میں ان کا نکاح پڑھانے کی گنجائش مل گئی جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ دارالافتاء کا کوئی استاذ ہو یا طالب علم ہو یا حارس ہو ایسا کوئی تعلق ہو تو اس کا نکاح دارالافتاء میں پڑھایا جاتا ہے۔ رہی دوسری بات کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد عمومی بیان کے وقت میں کوئی نکاح پڑھایا جائے تو یہ قطعاً بالکل مکمل طور پر سو فیصد خلاف

قاعدہ ہے پھر یہ کیوں ہوا؟ اس میں خصوصیت دوسری جانب کی ہے ایک خصوصیت تو بتادی دولہا کی دوسری خصوصیت ہے دلہن والوں کی وہ یہ کہ کل منگنی ہوئی اور آج نکاح ہو رہا ہے دنیا میں کبھی ایسا قصہ ہوا؟ گزشتہ کل منگنی ہوئی ہے اور آج شادی۔

چند روز پہلے کی بات ہے فون پر کسی نے مسئلہ پوچھا تو میں اسے سمجھا رہا تھا کہ منگنی اور شادی کے درمیان زیادہ زمانہ نہیں گزرنا چاہئے منگنی کے بعد ایک ہفتے کے اندر اندر شادی ہو جائے اور شادی ہوتے ہی فوراً رخصتی بھی ہو جائے، جب میں انہیں یہ مسئلہ بتا رہا تھا تو سو فیصد یقین تھا کہ اس بات پر کوئی ایک شخص بھی عمل نہیں کرے گا اس کے باوجود میں مطمئن تھا کہ مجھے تو ثواب مل ہی گیا اللہ تعالیٰ کا قانون بتانے والے کو ثواب بہر حال مل جاتا ہے خواہ کوئی مسئلہ پر عمل کرے یا نہ کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ مجھے یہ مسئلہ بتاتے ہوئے ابھی ہفتہ عشرہ ہی گزرا ہے اور مجھے یقین تھا کہ دنیا میں کہیں بھی کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا، ایسا کوئی اللہ کا بندہ ابھی دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد شاید کوئی پیدا ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ کا کرنا دیکھئے کہ یہیں ہو گیا اپنے ہی شاگردوں میں، اپنے ہی سلسلے کے مولانا صاحب اپنی ہی سلسلے کی خاتون۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جو اتنا بڑا کام لے لیا یہ ان کی طرف سے ہے ورنہ مولانا صاحب کے بس کی بات نہیں تھی اگر یہ کہتے کہ شادی ابھی کرنی ہے اور لڑکی والے کہتے کہ نہیں ابھی چار پانچ مہینے انتظار کریں تو عام دستور کے مطابق کچھ بعید نہ تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک بار بھی انکار نہیں کیا کتنی بڑی خصوصیت ہے اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اتباع کی توفیق عطاء فرمائیں۔

منگنی کے بعد تاخیر کرنے میں شرعاً وعقلاً کیا کیا خرابیاں ہیں ان کی تفصیل نہیں بتاتا بتانے کی ضرورت بھی نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کے دماغ میں عقل رکھی ہے اور کسی کے دل میں فکر آخرت رکھی ہے تو اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں مسئلہ بہت واضح ہے خود ہی سمجھ جائے گا اور اگر دماغ عقل سے خالی ہے اور دل فکر آخرت سے خالی تو

میں کتنا ہی بتاتا رہوں کوئی بھی فائدہ نہیں۔

دولہا صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میں لڑکی کو دکھانے کے لئے اپنی امی کو صادق آباد سے بلالوں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر یہاں دیکھنے دکھانے پر اطمینان ہوگیا ہے تو انہیں وہاں سے کیوں بلاتے ہیں مقصد تو اطمینان ہے تکلفات میں کیوں پڑتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ مان گئے والدین کو نہیں بلایا۔ پھر انہوں نے یہ پوچھا کہ نکاح کے موقع پر والدین کو بلاؤں یا نکاح کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر والدین کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں؟ میں نے کہا کہ یہ بھی میرے نظریئے کے خلاف ہے کہ والدین آپ کی شادی کے لئے صادق آباد سے کراچی پہنچیں تو انہوں نے شادی کے موقع پر بھی والدین کو نہیں بلایا۔

لڑکی والوں کی ایک خوبی یہ کہ جہیز کے بارے میں ہدایت کرتا رہتا ہوں کہ جہیز کا لین دین مت کیا کریں، ان لوگوں نے بھی یہ بات سنی ہوگی اس لئے انہوں نے کل بذریعہ فون دریافت کروایا کہ اگر اجازت ہو تو ہم دلہن کے لئے دو تین جوڑے گھر میں ہی سی کر تیار کرلیں، اس کے علاوہ کانوں کا ہلکا سا زیور اگر اجازت ہو تو دے دیں۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے اس کی اجازت ہے۔ زیور کی بات جب شروع ہی ہوگئی تو چلئے ایک لطیفہ سن لیجئے۔ عرب میں عورتیں ناک میں زیور نہیں پہنتیں ناک میں سوراخ نہیں کرواتیں۔ بہت پہلے کی بات ہے کہ مکہ مکرمہ کے بازار میں ایک دوکاندار مجھ سے کہنے لگا کہ جو اونٹ بہت زیادہ شریر ہوتا ہے ہم اس کی ناک میں نکیل ڈالتے ہیں، یہاں تو سب اونٹوں کی ناک میں ڈالتے ہیں وہاں ایسے نہیں جو بہت زیادہ شریر ہوتا ہے اس کی ناک میں نکیل ڈال دیتے ہیں دوسروں کو ایسے ہی دم سے پکڑا وہ بیٹھ گیا، اس عرب دوکاندار نے کہا کہ ہندی لوگ (چونکہ میں جب پہلی بار حج کے لئے گیا تو پاکستان بنے ہوئے ایک سال ہوا تھا اس لئے وہ پاکستانیوں کو بھی ''ہندی'' ہی کہا کرتے تھے) کہنے لگے کہ آپ ہندی لوگ عورتوں کی ناک میں نکیل کیوں ڈالتے

ہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ بات یہ ہے کہ جیسے آپ لوگ شریر اونٹ کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے تابع کرتے ہیں: ایسے ہی ہندوستان میں عورتوں کی ناک میں نکیل ڈالتے ہیں تاکہ شوہر کے تابع رہیں، اسی طرح وہ تابع رہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈولی آئی ہے کھٹولی نکلے گی، طلاق کو بہت برا سمجھتے ہیں اور آپ لوگوں کے ہاں قصہ یہ ہے کہ ادھر شادی ادھر طلاق، جیسے انہوں نے مزاحاً بات کہہ دی ایسے ہی میں نے بھی دل لگی کا جواب دل لگی سے دیا میں نے کہا کہ اپنی عورتوں کو نکیل ڈالو سیدھی ہو جائیں گی۔

میں دلہن والوں کے بارے میں بتا رہا تھا کہ جہیز کے بارے میں ان لوگوں پر اس قدر اثر ہوا کہ دو تین جوڑے اور کان کا ہلکا سا زیور بنانے کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ اتنا سا جہیز بھی دیں یا نہ دیں، یہ صلاحیت کی بات ہے۔

دعوے آسان عمل مشکل:

تعلق کا دعویٰ تو بہت آسان ہے عمل مشکل ہے، دعوے تو لوگ بہت کرتے ہیں کہ ہمارا فلاں سے تعلق ہے فلاں سے تعلق ہے، یہ چھوٹے چھوٹے تعلق تو کیا اللہ سے تعلق کے دعوے کرتے ہیں مگر اللہ کے بندے بننے کو تیار نہیں، بہت بڑے بڑے دین کے دعویداران کے حالات میں نے دیکھ لیے سن لئے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ جہیز کا لین دین مت کریں اس کی بجائے جہاد میں مال لگائیں تو وہ کہتے ہیں بہت اچھا جہیز کا انتظام نہیں کریں گے پھر کرتے یہ ہیں کہ شادی کے موقع پر نہیں دیتے بعد میں ٹرکوں کے ٹرک بھر بھر کر دے دیتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی فریب دیتے ہیں اور ساتھ شیخ کو بھی فریب دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے دیکھ لیجئے ہم نے آپ کی بات مان لی شادی کے موقع پر جہیز نہیں دیا پھر ہفتے عشرے کے بعد سارے قصے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو شادی کے موقع پر ساس سے روپوں کی تھیلیاں وصول نہیں کرتے پھر دوسرے دن بہت موٹی موٹی ہزاروں ہزاروں کی تھیلیاں لے لیتے ہیں، یہ

سارے دھندے یہاں چل رہے ہیں مگر ان لوگوں کے حالات دیکھئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کہ دو تین جوڑے اور کانوں کا ہلکا سا زیور بھی مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ اجازت ہو تو ہم دیں گے ورنہ نہیں۔

لڑکی والوں کی طرف سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ ان کے ہاں صرف ایسے رشتے آرہے ہیں جو جہاد کے خلاف ہیں اور کوئی رشتہ آ ہی نہیں رہا، والدین کو فکر ہوتی ہے کہ بچی کہیں بیٹھی نہ رہ جائے پھر کیا ہوگا؟ بہت دور دور کی سوچتے ہیں کہ چلئے مسلمان تو ہے ہی کر دیتے ہیں والدین کو ایسے خیالات آتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس بارے میں بھی مجھ سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے انہیں جو جواب دیا وہ آپ لوگ بھی یاد رکھیں آگے دوسروں تک بھی پہنچائیں، میں نے ان سے کہا کہ جو شخص بھی مسلح جہاد کا منکر ہوگا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اسلام میں مسلح جہاد کا کوئی ثبوت ہے ہی نہیں وہ تو کافر ہے، کافر سے کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ اگر پہلے سے نکاح کیا ہوا ہے تو اس کا ایمان جاتا رہا اور نکاح ٹوٹ گیا اس کی بیوی کو اس سے آزاد کرایا جائے گا۔ منکر کے یہ معنی یاد رکھیں کہ مسلح جہاد کا منکر، ساتھ مسلح کہنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ آج کل کوئی جو بھی کام کر رہا ہو کہتا ہے کہ میں جہاد ہی تو کر رہا ہوں، اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ مسلح جہاد کا منکر ہو یعنی اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اسلام میں سرے سے مسلح جہاد ہے ہی نہیں ایسا شخص قرآن مجید کا صریح باغی، نصوص قطعیہ کا صراحۃً مخالف اور منکر ہے اس لئے اس کے کفر میں کوئی بھی شک وشبہ نہیں اور اگر منکر تو نہیں مگر مسلح جہاد میں کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لیتا وہ فاسق ہے، فاسق اس لئے ہے کہ اس وقت جہاد فرض عین ہے، فرض عین کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص محاذ پر جائے ایسے تو نہیں ہو سکتا کہ مرد، عورتیں، بچے بوڑھے سارے ہی محاذ پر پہنچیں، فرض عین کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جہاں بھی جتنی بھی کوشش کر سکتا ہو کرے مثلاً محاذ پر جا سکتا ہو وہاں جائے، اپنے شہر میں رہ کر دوسرے افراد کو تیار

کرسکتا ہے یا اموال جمع کرسکتا ہے لوگوں کو ترغیب دے سکتا ہے تو وہ کرے، کم سے کم اتنا تو ہر شخص کو کرنا چاہئے کہ مجاہدین کے لئے دعاء کرتا رہے، سب کا حاصل یہ ہے کہ دل میں یہ جذبہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مسلح جہاد کے ذریعے پوری دنیا پر اسلام کی حکومت قائم فرمادیں، جس کے دل میں یہ جذبہ بھی نہیں وہ فاسق ہے بہت سخت مجرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من نفاق" (رواہ مسلم)

تَرجَمۂ: "جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ اس نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ ہی اس بارے میں کبھی کچھ سوچا وہ نفاق کے شعبہ پر مرا۔"

جب ان لوگوں نے مجھے یہ بات بتائی کہ ہمارے یہاں جو رشتہ بھی آتا ہے وہ انہی لوگوں میں سے ہوتا ہے جو مسلح جہاد کے منکر ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ صاف صاف دوٹوک بات کریں اور ان سے عقیدہ پوچھنے کی بجائے اپنا عقیدہ بتادیا کریں یہ بھی تبلیغ کی ایک صورت ہے اس لئے اپنا عقیدہ پہلے بتادیں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو مسلح جہاد کا اس معنی سے منکر ہو کہ اسلام میں اس کا ثبوت ہے ہی نہیں وہ کافر ہے اور جو منکر تو نہیں مگر اس کے دل میں کبھی جہاد کا خیال تک بھی نہیں آتا وہ فاسق ہے ہم کسی کافر یا فاسق سے رشتہ نہیں جوڑ سکتے، یہ صاف صاف بتادیں۔ دیکھئے جب انسان اللہ کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کیسے کیسے راستے کھول دیتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (۲۹-۶۹)

تَرجَمۂ: "جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔"

جب میں نے انہیں یہ بات بتائی تو فوراً اسی دن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے کیسا صالح عالم ان کے لئے مقدر فرمادیا۔

ایک قصہ اس سے پہلے ایسا گزرا ہے، ایک لڑکی کی منگنی ایک گمراہ پیر کے مرید سے ہوگئی شادی بالکل تیار تھی اتنے میں علماء نے فتویٰ دے دیا کہ یہ پیر گمراہ ہے اس لڑکی کو جب پتا چلا تو اس نے وہاں شادی کرنے سے انکار کر دیا، اس کے گھر والے بہت سخت ناراض ہوئے۔ اس لڑکی کے والد نے غصے میں آکر بیٹی سے کہا کہ اگر تو نے وہاں نکاح نہیں کیا تو میں ساری عمر تیری صورت نہ دیکھوں گا۔ اتنی بڑی بات، وہ سوچ رہے ہوں گے کہ اتنے رشتے تلاش کرنے کے بعد تو ایک ملا ہے اگر اس نے وہاں بھی نکاح نہ کیا تو پھر یہ ہماری جان پر بوجھ بنی رہے گی ساری عمر کہاں سنبھالیں گے اس مصیبت کے پیش نظر یہ الفاظ کہے کہ ساری عمر تیری شکل نہیں دیکھوں گا۔ لڑکی کا جواب سنئے اپنے ابا کو جواب دے رہی ہے کہ آپ میری شکل دیکھیں یا نہ دیکھیں میں اپنے اللہ کو ناراض نہیں کرسکتی۔ اس کی یہ ہمت اور مجاہدہ اللہ کی خاطر تھا اللہ تعالیٰ نے ایسی مدد فرمائی کہ چند ہی روز گزرے تو دوسری جگہ سے بہت بہتر رشتہ دلوا دیا۔

اب ان لوگوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا معاملہ فرمایا کہ کیسے کیسے لوگ پہنچ رہے تھے لیکن جب انہوں نے میرے کہنے کے مطابق یہ طے کرلیا کہ آئندہ کوئی بھی رشتہ آئے گا تو ہم جہاد کے بارے میں اپنا عقیدہ بتائیں گے اگر وہ رشتہ اس کے مطابق ہوا تو غور کریں گے ورنہ نہیں، کسی کافر یا فاسق سے کسی مسلمان کا رشتہ نہیں ہوسکتا ہرگز نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے کس طریقے سے مدد فرمائی۔

دستورِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ نعمت جتنی بڑی ہوتی ہے اس کا حصول اتنا ہی آسان ہوتا ہے، نکاح کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے بہت بڑی نعمت اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بہت آسان فرما دیا ہے، اگر جانبین میں سے ایک موجود ہو دوسرا نہ ہو بلکہ اس کی طرف سے نہ نکاح کی اجازت ہے نہ اسے اطلاع ہے ایسے میں اگر کوئی کسی سے کہے

کہ میں نے آپ کا نکاح فلانہ سے کر دیا وہ قبول کر لے تو نکاح ہو جاتا ہے اسے نکاح موقوف کہتے ہیں، نکاح کے بعد لڑکی کو خبر کر دی جائے کہ آپ کا نکاح فلاں سے کر دیا ہے اگر کنواری ہے تو اس کی خاموشی اقرار سمجھی جائے گی ورنہ اس کے زبان سے قبول کرنے سے نکاح ہو جائے گا۔ یہاں تو پھر بھی ایجاب وقبول کرنے والے دو شخص ہیں اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بعض صورتوں میں ایک ہی شخص جانبین کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے، اس طرح کہ اپنی طرف سے اصیل ہو اور دوسرے کی طرف سے وکیل، یا ایک ہی شخص دونوں کی طرف سے وکیل ہو، دنیا میں نکاح کے سوا کوئی تعاقد ایسا نہیں جس میں ایجاب وقبول کرنے والے دو شخصوں کا ہونا ضروری نہ ہو، نکاح کا معاملہ تو شریعت نے بہت آسان رکھا ہے بہت آسان مگر بے دین معاشرے نے اسے بہت مشکل کر دیا ہے اللہ تعالیٰ بندے سے اس کی حالت کے مطابق ہی معاملہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی رحمت اتنی بڑی نعمت جسے اللہ نے بہت ہی آسان فرما دیا لیکن لوگوں نے اسے اتنا مشکل بنا لیا گویا کہ یہ کوئی بہت بڑا عذاب ہے مہینوں مہینوں اس عذاب میں پستے رہتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا معاملہ پھر یہی ہوتا ہے کہ ہم نے تو اتنی بڑی نعمت اتنی بڑی سہولت کے ساتھ دی مگر نالائقو! نافرمانو! تم نے اسے مشکل کر دیا تو چلو اب ہم اس نعمت کو تمہارے حق میں وبال ہی بنا دیتے ہیں اور پھر یہ وبال ہر لمحہ بڑھتا چلا جاتا ہے، اگر شروع ہی سے ان معاملات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھیں نعمت سمجھیں آسانی سے سہولت سے شریعت کے مطابق تمام کام کر لیں تو اللہ کی رحمت لمحہ بلمحہ بڑھتی چلی جاتی ہے اس میں برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم دین عطاء فرمائیں۔

وصل اللّٰھم وبارك وسلم علی عبدك ورسولك محمد

وعلی اٰله وصحبه اجمعين.

والحمد لله رب العلمين.

حفاظتِ نظر

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ : فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام : حفاظتِ نظر

بمقام : جامع مسجد دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ :

بوقت : بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد : محرم ۱۴۲۴ھ

مطبع : حسان پرنٹنگ پریس فون : ۰۲۱-۶۶۳۱۰۱۹

ناشر : کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون : ۰۲۱-۶۶۰۲۳۶۱ فیکس : ۰۲۱-۶۶۲۳۸۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ

حفاظت نظر

(مجلس بروز جمعہ بعد نماز عصر ۲۲؍شعبان ۹۳ھ، ۲۱؍ستمبر ۷۳ء)

اس بیان کے بعد ایک شخص نے بتایا کہ اس سے بعض چالیس سالہ پرانے مریض بھی صحت یاب ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی کہنہ مریضوں کو شفاء عطاء فرمائی ہے۔ لہٰذا اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں۔ امت کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والے اس مہلک مرض سے بچانے کی کوشش کریں اپنے لئے ذخیرۂ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائیں۔ (مرتب)
یہ بیان زہد کے بارے میں شروع ہوا تھا لیکن جلد ہی حفاظت نظر کی طرف منتقل ہوگیا جس کی تفصیل یوم جمعہ کے اس بیان کے آخر میں اور اس کے بعد یوم الاحد کے بیان کے شروع میں ہے۔ (مرتب)

"الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد فقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

الزهادة فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا اضاعة المال ولکن الزهادة فی الدنیا ان لا تکون بما یدیک اوثق بما فی یداللّٰہ. رواہ الترمذی رحمہ اللّٰہ تعالٰی."

زہد کی حقیقت اور اس کا طریق تحصیل:

آج زہد سے متعلق دو چیزیں بتانا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ زہد کسے کہتے ہیں دوسری یہ کہ اسے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

زہد کسے کہتے ہیں؟ زہد اس کو نہیں کہتے کہ کھانا پینا چھوڑ دے بلکہ زہد نام ہے طول الامل کو چھوڑنے کا (امل الف سے بمعنی آرزو) یعنی بہت زیادہ آرزوؤں اور لمبی امیدوں کو چھوڑ دینا۔ زہد یہ نہیں کہ کھانا پینا اور اچھے کپڑے پہننا وغیرہ چھوڑ دو، بلکہ زہد یہ ہے کہ بہت زیادہ آرزو نہ رکھے، جیسے شیخ چلی کا قصہ مشہور ہے کہ کسی کا گھی اٹھا کر لے جا رہا تھا سوچا کہ اس سے جو اجرت ملے گی اس سے انڈے خریدوں گا، ان کی تجارت کروں گا، اس میں ترقی ہوگی تو پھر مرغیوں کی تجارت کروں گا، جب اس میں ترقی ہوگی تو بکریوں کی تجارت کروں گا اس سے ترقی کرکے گائے بھینس کی تجارت کروں گا، اس طرح جب خوب دولت جمع ہو جائے گی تو پھر شادی کروں گا، اس سے بچے ہوں گے، وہ پیسے مانگیں گے۔ تو سر کو جھٹکا دے کر کہوں گا کہ جاؤ۔ سر کو جھٹکا دینا تھا کہ گھی کا برتن گر گیا، مالک نے کہا تم نے گھی کیوں گرا دیا؟ تو کہنے لگا کہ میرا تو سارا کنبہ ہی تباہ ہو گیا اور تم مٹکے کو روتے ہو۔ زیادہ آرزوؤں کا کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ یہ موت ہے اور پھر ہاتھ چھوڑ کر سامنے کی طرف پھیلا کر فرمایا کہ وہ انسان کی ہوس ہے۔

ایک شخص کی عمر نوے سال سے بھی زیادہ تھی اس نے تین سو سال کا ٹھیکہ لے لیا تو کسی نے لوگوں سے کہا کہ خوش رہو، ملک الموت مر گئے، کسی نے پوچھا وہ کیسے تو کہا

کہ اگر وہ نہ مرے ہوتے تو یہ نوے سال سے بھی زیادہ عمر کا بوڑھا مزید تین سو سال کا ٹھیکہ نہ لیتا۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مہینے تک ادھار کوئی چیز خریدی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ ایک ماہ تک زندہ رہے گا۔

اپنی تو کیا آج کل تو اولاد تک کی سوچی جاتی ہے بلکہ قیامت تک جتنی اولاد ہوگی ان سب کی فکر ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کے لئے رزق کی زیادہ فکر نہ کیا کرو کیونکہ اگر وہ نیک نہیں ہیں تو تم نے ان کے لئے یہ سامان مہیا کر کے ان کی سرکشی میں مدد کی اور اگر وہ نیک ہیں تو:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾ (۶۵-۲،۳)

ترجمہ: ”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔“

انہیں تمہاری کمائی کی ضرورت نہیں اللہ خود ہی انہیں رزق دے گا۔

حصول رزق کا وظیفہ:

دارالعلوم کورنگی کے ایک منتہی طالب علم نے آکر کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما ہیں اور ان کے سامنے ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی ہے جو کہہ رہی ہے کہ وہ ان کی بیوی ہے اور خوشامد و تملق کر رہی ہے کہ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک نظر دیکھ لیں مگر وہ نہیں دیکھ رہے، میں نے جواب میں کہا کہ آپ معقولات زیادہ پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں

میرے اسباق اکثر معقولات کے ہیں، میں نے کہا دوسری بات یہ کہ آپ کو مستقبل میں اپنی معاش کی زیادہ فکر ہے کہ رزق کہاں سے ملے گا؟ انہوں نے کہا کہ اس کی تو بہت فکر ہے۔ میں نے کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا علم پڑھیں بوعلی سینا کا نہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا علم پڑھیں گے تو فکر رزق کی حاجت نہیں رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اتته الدنیا وھی راغمۃ" دنیا ناک رگڑتی ہوئی آئے گی، اس کی کیوں اتنی فکر لگی ہے۔

نظر کا صحیح استعمال:

اللہ تعالیٰ سے نظر ہٹا کر اس خسیس دنیا کی طرف اپنی نظر کو نہ ڈالیں یہ نظر نجس اور گندی ہو جائے گی، ایک بات بہت مشہور ہے واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر پاخانے کی طرف دیکھا جائے تو آنکھوں میں گھانجنی نکل آتی ہے ایسے ہی نجس دنیا پر نظر ڈالنے سے یہی حالت ہوگی۔

نظر کا غلط استعمال:

اپنی آنکھوں کی حفاظت کیجیے، آج کل بدنظری کا مرض بہت عام ہے، جہاں کوئی عورت ملی وہیں اس پر نظر ڈال لی نہیں تو ٹیلیویژن دیکھ لیا، دیواروں پر لٹکی ہوئی تصاویر دیکھ کر دل بہلا لیا۔ کسی نے کہا کہ یہ ٹیلیویژن پر تصویر نہیں بلکہ عکس ہے، میں نے کہا کہ عورت کے عکس کا دیکھنا بھی ناجائز ہے بلکہ عکس کا دیکھنا تو بسا اوقات عورت کے دیکھنے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور اس کی بہ نسبت بڑا گناہ ہے کیونکہ حقیقی عورت کو دیکھنے میں ذرا حوصلہ چاہئے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو۔ لیکن عکس کے دیکھنے والے کو حوصلے کی بھی ضرورت نہیں، اس میں تو انسان اور زیادہ مبتلا ہو سکتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

؎ تری تصویر میں اک چیز تجھ سے بھی نرالی ہے
کہ جتنا چاہو چپکا لو نہ جھڑکی ہے نہ گالی ہے

یہ نظریں ہی خراب ہوگئیں ہیں جیسے بھنگی کو پاخانہ نہ ملے تو پریشان ہوگا، یہ آنکھیں پریشان پھرتی ہیں مگر جن کی نظر ایک محبوب پر ہے ان کی حالت یہ ہوتی ہے۔

؎ ہمہ شہر پر زخوبان منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بین نکند بہ کس نگاہے

دنیا کی حسیناؤں کی حقیقت:

طشتری میں پاخانہ رکھ کر اوپر ریشمی رومال رکھا ہوا ہو تو دیکھنے والے کے منہ میں پانی بھر آئے گا، ذرا اندر سے تو دیکھیں، دنیا کی بہترین حسیناؤں کا یہی حال ہے کہ گندگی ہی گندگی ہے۔ معدہ میں نجاست، مثانے میں نجاست، رحم متعفن خون سے بھرا ہوا ہے، جسم میں کہیں بھی سوئی چبھوئی جائے تو نجس خون ابلنے لگتا ہے ؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوق نظر نہیں ہے

مجھے شکایت ملتی ہے کہ نظریں اٹھتی رہتی ہیں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ یہ کرگس کی نظریں کیوں بنتی ہیں؟ شاہین کی نظریں کیوں نہیں بنتی؟ یہ نظریں بہت گندی ہیں، خسیس ہیں۔

ایک عجیب دعاء:

ایک دعاء کی اکثر توفیق ہو جاتی ہے وہ یہ کہ یا اللہ! وطن کا شوق عطاء فرمادے اور اپنا دیدار عطاء فرما، آنکھوں میں وہ سرمہ عطاء فرما جو تیرے دیدار کے قابل بنادے یہ دعاء کرتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء کی طرف ذہن چلا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جا کر درخواست کی اے محبوب! اپنا دیدار کرادے تو اللہ

تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ان آنکھوں سے مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جواب یہیں ختم ہوگیا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کو دیدار کے قابل بنانے کا ایک نسخہ بھی عطاء فرمایا ہے۔

دیدارِ الٰہی کا نسخہ:

فرمایا کہ کتاب کو لے جائیں اس پر خود بھی عمل کریں اور اپنی قوم کو بھی عمل کرنے کا حکم دیں تو آخرت میں دیکھنے کے قابل ہو جائیں گے۔

ایک مثال سمجھ لیں، کوئی شوہر اندھا اپنی محبوب بیوی سے یہ کہے کہ مجھے تم سے بڑی محبت ہے تمہیں دیکھنے کو جی چاہتا ہے، میں دیدار کے لئے بے قرار ہوں اتنے میں کوئی طبیب آئے اور کہے کہ آؤ جس کو بینائی درست کرانا ہو میں علاج کرتا ہوں۔ اس وقت اگر بیوی کہے کہ اب اپنی آنکھیں بنوالو تو یہ وقت ہے شوہر کے امتحان کا، اب اگر وہ سرمہ استعمال کرے یا آپریشن کرالے اور آنکھیں بنوالے تو اس کا دعوائے محبت صحیح ہے ورنہ وہ جھوٹا محب ہے۔ ہم نے دعویٰ کیا کہ ہم مسلمان ہیں، اللہ کے دیدار کے عاشق ہیں، جہاں ہمیں یہ حکم ہو کہ یہ کتاب ہے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرو تو آخر کار ہمارا دیدار ہو جائے گا تو گویا یہ فرما دیا کہ یہ سرمہ ہے اسے لگایا کرو بینائی درست ہوگی اگر ہم عمل کریں تو سچے محب ہیں۔ یا اللہ! ہم سب کو اس کی توفیق عطاء فرما۔

نسخہ استعمال کئے بغیر محض دعاء بے کار ہے۔ دعاء کرے کہ آنکھیں درست ہوں مگر علاج نہ کرائے تو فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اسباب ظاہرہ کو اختیار کرنا بھی لازمی ہے۔

تقویٰ کی گاڑی:

تقویٰ کی گاڑی کے دو پہیے ہیں: ہمت اور دعاء، آگے ایک تیسری چیز اور ہے یعنی بھاپ، تیز رفتار اور دوام کے لئے بھاپ کی ضرورت ہے ورنہ گاڑی تھوڑی دیر چل کر بند ہو جائے گا، بھاپ ہے کسی اللہ والے سے تعلق رکھنا، اگر کسی محبت والے کے

ساتھ تعلق قائم کرلیا تو یہ پہیے اتنے تیز چلنے لگتے ہیں کہ ان کو روکنے کے لئے بریک لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

جب یہ دعاء کرتا ہوں کہ یا اللہ! اپنا دیدار عطاء فرما اس کے ساتھ ہی یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ اس کے لئے ہمت چاہئے، تو دعاء کرتا ہوں کہ یا اللہ! ہمت عطاء فرما، یا اللہ! ان آنکھوں کو بنانے کے لئے سرمہ عطاء فرما، یہی اس کا وقت ہے کہ ان کو محبوب کے دیدار کے قابل بنایا جائے، مرنے کے بعد موقع نہ ملے گا۔

استعمالِ نظر آئینہ دل کا مظہر:

جو نظریں بھٹکتی ہیں اتنی بے ہمت اور خسیس کیوں ہیں؟ یہ نظر پڑتی ہے تو پاخانے ہی پر کیوں پڑتی ہے، یہ چنبیلی اور گلاب کیوں نہیں دیکھتی؟ انسان کے ذہن میں جو چیز بسی ہوتی ہے وہی چیز سامنے آئے گی۔ کسی نے کسی بھوکے سے پوچھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو بتایا کہ چار روٹیاں۔ یہ نظریں گندگی کے ساتھ اس طرح مانوس ہوگئی ہیں کہ بھنگی کی طرح پاخانہ ہی کو دیکھتی ہیں۔ یہ اتنی خسیس کیوں ہوگئی ہیں۔ دعاء کیا کریں کہ یا اللہ! اس خست نظر سے بچالے اور کوئی صورت سامنے آئے تو یوں کہا کریں۔

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

دارالعلوم کورنگی سے حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آتے جاتے ہماری یہی کیفیت ہوتی تھی۔ بازار میں بن ٹھن کر نکلنے والیاں سمجھتی ہوں گی کہ یہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں گے اور یہ بھنگی ہمیں اٹھالیں گے اور اس بازار سے چل کر جب حضرت اقدس پر نظر پڑتی تو بے ساختہ پکار اٹھتے۔

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

انہوں نے حسین دیکھے ہی نہیں اور ہم سمجھتے تھے کہ گویا:

ہم ہی دونوں تو حسن وعشق کی دنیا کے مالک ہیں
جو تو عرشی تو میں فرشی، فلک تیرا زمین میری

دارالعلوم میں ختم بخاری کے موقع پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس سے درخواست کی کہ طلبہ اور اساتذہ کا اشتیاق ہے کہ آپ تشریف لائیں، حضرت اقدس نے قبول فرما کر میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کھانا ان کے ہاں کھاؤں گا۔ الحمد للہ! ان اکابر کا کیا احسان تھا، اس کرم کو میں بیان نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان اللہ والوں کے ساتھ ہمارا تعلق قائم رکھے۔ جب حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دارالعلوم کی طرف چلے تو میری زبان پر بے ساختہ بآواز بلند یہ شعر جاری ہو گیا۔

تصور عرش پر ہے وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا اب پوچھنا کیا ہے فلک میرا زمیں میری

اپنی نظر کو خست سے بچائیں

یہ عالم عیش وعشرت کا یہ حالت کیف ومستی کی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے ''فریب خواب ہستی'' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

اپنی نظر کو اِدھر اُدھر دوڑانا خست کی علامت ہے۔ بچپن میں ہم جس گھوڑے کو دیکھتے کہ وہ اِدھر اُدھر منہ مارتا ہے تو سمجھ جاتے کہ یہ پٹواری کا ہے، اگر یہ کسی زمیندار کا ہوتا تو اِدھر اُدھر منہ نہ مارتا پھرتا۔ یہ حیوانوں کی حالت ہے۔ ذرا اپنی نظروں کو بھی دیکھ لیجئے یہ اتنی ذلیل کیوں ہو گئیں۔ اس پر تعجب ہوتا ہے کہ بلند نظری کیوں پیدا نہیں

ہوتی۔

سب سے بڑا بے وقوف:

ایک بات میرے ذہن میں اپنی نوعمری ہی کے زمانے سے آتی رہتی ہے، وہ یہ کہ جن لوگوں میں بدنظری کا مرض ہے ان میں ذرا بھی عقل نہیں، سوچنے کی بات ہے کہ جس چیز کو حاصل کرنا اس کے اختیار میں نہیں اسے دیکھنے سے کیا فائدہ؟ فائدہ کی بجائے تکلیف بڑھے گی، اگر یہ صورت ہو کہ جس عورت کی طرف یہ دیکھے وہ فوراً اس کے پاس چلی آئے اور یہ اس سے اپنا مقصد حاصل کرلے تو کچھ فائدہ بھی ہو لیکن ایسا ہوتا نہیں۔ ایک مثال سے سمجھ لیں کہ کسی حلوائی نے اپنی دوکان میں ہر قسم کی مٹھائیاں سجا کر رکھی ہوئی ہیں، کوئی شخص دور سے گھور گھور کر انہیں دیکھنے لگے، زبان سے رال ٹپکا رہا ہو، چٹخارے لے رہا ہو تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر خریدنے کی طاقت ہے تو اسے خرید لو اور اگر خریدنے کی ہمت نہیں ہو رہی تو یہاں سے ہٹ جاؤ، اس طرح دیکھ دیکھ کر رال ٹپکانے اور چٹخارے لینے سے کیا فائدہ؟ الٹا صحت کو نقصان پہنچے گا اور لوگ پاگل سمجھیں گے۔

اسی طرح جن لوگوں میں بدنظری کا مرض ہوتا ہے وہ جب مردار صورتوں کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہوتے ہیں تو مجھے ان لوگوں کی حماقت پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ مردار صورتوں کو دیکھ دیکھ کر رال ٹپکا رہے ہیں جس سے سرعت انزال، جریان اور نامردی جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

ذرا بتایئے! دنیا میں ان لوگوں سے زیادہ بے وقوف بھی کوئی ہوگا؟ صحت بھی برباد، دل و دماغ بھی خراب اور حاصل کچھ نہیں، ایسے لوگوں پر دنیا میں یہ عذاب آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو بیوی کی لذت سے محروم فرما دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار بہت بڑی نعمت بتایا ہے، اس کی لذت سے محرومی دنیا کا

عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے۔

آنکھوں کے قدرتی اسپرنگ:

اللہ تعالیٰ نے آنکھ میں قدرتی قوت رکھی ہے کہ جب کبھی مضر چیز اس کے سامنے آتی ہے تو اس کو بند نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ از خود بند ہو جاتی ہے، اس کا تجربہ یوں ہوتا ہے کہ بالکل بے سمجھ چھوٹے بچے کو دیکھ لیں کہ اس کی آنکھ کی طرف ہاتھ یا اور کوئی چیز لے جائیں تو فوراً بند ہو جاتی ہے، حالانکہ اتنے چھوٹے بچے کو آنکھ بند کرنے کی تمیز نہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ جو چیزیں قلب کو نقصان دیتی ہیں، محبوب حقیقی کو ناراض کرتی ہیں ان سے بھی آنکھ از خود بند ہو جاتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کرم کے خلاف ہے کہ جو چیز جسم کے لئے مضر ہو اس سے بچنے کے لئے تو آنکھ میں پیدائشی طور پر خود کار اسپرنگ لگا دیے اور جو چیز روح کو نقصان پہنچائے ان سے حفاظت کے لئے آنکھوں میں از خود بند ہونے کی استعداد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں میں یہ استعداد یقیناً رکھی ہے میں حلفیہ کہتا ہوں کیونکہ یہ حالت ہم پر گزر رہی ہے، پلکیں از خود بند ہو جاتی ہیں مگر لوگوں نے ناجائز صورتوں کی طرف آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے سے ان قدرتی اسپرنگوں کو ڈھیلا کر دیا ہے بلکہ توڑ دیا ہے، پیدائشی اسپرنگ خراب ہو گئے ہیں، ان کو دوبارہ ٹھیک کروالیں کسی مصلح باطن سے ان کا علاج کرائیں وہ جو طریقے بتائیں ان پر عمل کریں پھر دیکھیں کیسے روح کو نقصان دینے والی چیزوں سے آنکھیں از خود بند ہوتی ہیں۔

بیان تو میں کر رہا تھا زہد پر مگر مضمون کسی اور جانب مڑ گیا۔ بیان سے قبل یہ دعا ہوتی ہے کہ یا اللہ! جو چیز اور جو بات زیادہ ضرورت کی ہو وہی مجھ سے کہلا دے، شاید اس کی زیادہ ضرورت تھی، وہی بات ہو گئی، شاید اللہ کا کوئی نیک بندہ اخلاص لے کر آیا ہو جس کی وجہ سے یہ ضرورت کی بات کہلا دی گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی وقت اگر

ضرورت ہوئی تو زہد کے مضمون کو بھی بیان کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ سرمہ عطاء فرمائیں جس کو لگا کر ہم ان کے دیدار کے قابل ہو جائیں۔

(مجلس یوم الاحد بعد نماز عصر، ۲۴ر شعبان ۹۳ھ مطابق ۲۳ر ستمبر ۷۳ء)

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی له ونشھد ان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لا شریك له ونشھد ان محمداً عبدہ ورسوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی اٰله وصحبه اجمعین.

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم،

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ الأیة﴾ (۲۴-۳۰،۳۱)

مجلس خاص اور جلسہ عام میں فرق:

گزشتہ مجلس میں میں نے اپنا معمول بتایا تھا کہ یہ دعاء ہو جاتی ہے کہ یا اللہ! جو مضمون مفید اور نافع ہو وہ کہلا دے۔ بعض دفعہ یوں ہو جاتا ہے کہ کسی مضمون پر کچھ کہنے کا خیال ہوتا ہے مگر کوئی دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے اخلاص کی دعاء بھی ہو جاتی ہے یا اللہ! ہمارے نفس کا اس میں شائبہ نہ ہو، ہماری زبان، ہمارا قلب اور ہمارا علم

سب کچھ تیرے قبضہ میں ہے ان سے وہی کام لے جو تجھے پسند ہو، چنانچہ گزشتہ مجلس میں بیان کی ابتداء تو زہد سے ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے جلدی ہی ذہن کا رخ حفاظت نظر کی طرف فرما دیا، اللہ تعالیٰ کے اس تصرف کی حکمت اور اس کی رحمت کا مشاہدہ بھی بہت جلدی ہو گیا، حفاظت نظر کا وعظ سن کر ایک شخص نے کہا کہ وہ چالیس سال سے اس مرض میں مبتلا تھا، اصلاح ہو گئی، انہوں نے ایک اور مفید بات کہی کہ آپ یہ دعاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! وہی بات مجھ سے کہلا جس کی ضرورت ہو، سننے والوں کو بھی یہ دعاء کرنی چاہئے کہ یا اللہ! جو بات ہمارے لئے مفید ہو وہی بات کہلا، میرا تو یہ معمول ہے ہی آپ بھی یہی دعاء کریں کہ یا اللہ! تو خود جانتا ہے کہ ہمارے اندر کیا کیا مرض ہیں، ہمارے فائدے کی باتیں کہلا دے انہوں نے یہ کتنی اچھی بات کہی، یہ قلب کی صلاحیت کی علامت ہے اور یہ صلاحیت اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں عام جلسوں میں وعظ نہیں کرتا، لوگوں کے بلانے پر بھی میں نہیں جاتا، اس لئے کہ ان میں اصلاح کی فکر نہیں ہوتی بلکہ رونق مقصود ہوتی ہے، لوگوں کی حاضری زیادہ ہو تو اس کو کامیابی کہا جاتا ہے اسی لئے مسلسل جلسوں میں شرکت کرنے والوں کو ہم نے دیکھا کہ ان کی اصلاح نہیں ہوتی، جلسے سے اٹھنے کے بعد ہر شخص دوسروں سے یہ کہتا ہے کہ دیکھو مولوی صاحب نے یہ کہا تھا کہ تم میں یہ مرض ہے دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں اپنی اصلاح نہیں کرتے گویا کہ ہر شخص یہ سوچ کر بیٹھتا ہے کہ اپنی اصلاح نہیں کریں گے بلکہ دوسروں کے عیب تلاش کریں گے۔

خاص مجلسوں میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جو لوگ دور سے آتے ہیں وہ یہ فکر لے کر آتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہو جائے، خاص کر جب یہ دعاء کر کے آتے ہیں کہ یا اللہ! ہمارے اندر جو مرض ہو وہی کہلا دے، اس صورت میں تو اور بھی زیادہ فائدہ ہوگا۔

نظر بد سے حفاظت:

ہمارے گھر میں ایک خاتون آئیں، گھر والوں کی معرفت ایک دعاء کی درخواست

کی کہ ہمارے بچے جوان ہورہے ہیں دعاء کریں کہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں، میں نے یہ مطلب سمجھا کہ بچے محرمات پر نظر نہ ڈالیں، حفاظتِ دین کے لئے دعاء کرا رہی ہیں، جب بھی کوئی لکھتا ہے کہ ہمارے بچے امتحان دے رہے ہیں ان کی کامیابی کے لئے دعاء کریں تو جواب میں لکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت دونوں کے امتحان میں کامیاب فرمائیں۔ میں نے ان خاتون کی درخواست کا یہی مطلب سمجھا کہ وہ یہی دعاء کرا رہی ہیں کہ کسی حرام چیز کی طرف ان کی نظر نہ اٹھنے پائے، بعد میں خیال آیا کہ ان کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی جوانی پر کسی کی نظر نہ لگے، اس وقت ایک سبق ملا وہ یہ کہ جو نظر دنیوی صورت کے لئے مضر ہو اس سے بچنے کی تدبیر کی جاتی ہے، اس کے لئے تعویذ لئے جاتے ہیں، شبہ ہو تو عاملین کے پاس جاتے ہیں، ہزاروں ٹونے ٹوٹکے کئے کرائے جاتے ہیں۔ وہ نظر جس سے ظاہری رونق کا ضرر ہوتا ہے اس کی فکر تو ہوتی ہے، مگر وہ نظر جو دل کو خراب کرتی ہے، جو آخرت کے لئے مضر ہے، وہ نظر جو مالک کو ناراض کرے، وہ نظر جو جنت سے محروم کردے، وہ نظرِ بد جس سے ہمیشہ مصیبتیں جھیلنی پڑیں اس سے بچنے کا کیوں خیال نہیں کیا جاتا؟ ایسی نظر کے لئے کیوں دعاء نہ کرائی جائے؟

یہ جوانی کب تک:

یہ جسم اگر رہ بھی گیا تو آخر کب تک؟ یہ جوانی رہ بھی گئی تو آخر کب تک؟ یہ حسن رہ بھی گیا تو آخر کب تک؟ حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ بار بار اپنی مجالس ارشاد میں فرمایا کرتے تھے: تابہ کے۔ ''آخر کب تک؟'' جو چیز فانی ہے، ختم ہو جانے والی ہے، اس کے لئے اتنی فکر، کیا کسی کو یہ خیال ہے کہ یہ فانی چیز فنا نہ ہوگی، اس کے لئے یہ فکر کہ کوئی چیز اس کو فنا نہ کردے اور ادھر فکر نہ ہو کہ ہماری یہ نظر ہمیں جہنم کا مستحق بنا رہی ہے، اللہ کو ناراض کر رہی ہے، اس کی فکر پیدا کیوں نہیں ہوتی؟ جس طریقے سے

اس کی فکر ہوتی ہے کہ ہمارے ظاہر پر کوئی بدنظر اثر نہ کرے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اپنی نظر کے لئے بھی احتیاط کریں کہ اس سے آخرت کا نقصان نہ ہو، یہ نظر کہیں دیدار محبوب سے محروم نہ کردے۔

حفاظت نظر کا نسخہ:

اب رہا یہ کہ اس بدنظری سے کیسے بچا جائے؟ اول یہ سمجھ لیں کہ مسلمان کی نظر انتہائی معزز ہے مگر جب اس کو اللہ کی ناراضی پر استعمال کیا تو یہ ذلیل ہوگئی کیا غضب ہے ایسی معزز نظر کی اس قدر توہین؟ اس کی کتنی بے عزتی کررہے ہیں، یہ ایک مسلمان کی نظر ہے اس کی عظمت کو پہچانا جائے اور اس کو بے وقعت نہ کیا جائے۔

صحبت اہل اللہ کی برکت:

حفاظت نظر کا دوسرا نسخہ بلکہ تمام امراض کا نسخہ اکسیر ہے اہل اللہ کی صحبت۔

ایک وقت مجھ پر ایسا گزرا ہے کہ مجھے مزینات دنیا سے بہت نفرت تھی، حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی عمدہ عمارت میں جانا ہوتا تو مجھے ساز وسامان سے بہت نفرت ہوتی اور دل چاہتا کہ کسی جنگل میں بھاگ جاؤں مگر حضرت تشریف رکھتے تو بیٹھنا پڑتا، میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ خامی ہے، دعاء کرتا تھا کہ یا اللہ! اس خامی کو دور فرما کر اس مقام پر پہنچا دے جس پر حضرت شیخ ہیں کہ گدھا گزرے یا انسان کچھ پتا ہی نہ چلے کہ کون ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اور بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کا صدقہ ہے کہ بہت جلدی وہ کیفیت حاصل ہوگئی اور وہ نفرت ختم ہوگئی، بازار میں خواہ کیسی ہی مزین چیز چلے اس پر نظر نہیں جاتی۔

لوگوں کی قسمیں:

اس کی ایک مثال ذہن میں آئی کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

① پہلی قسم:

ایک وہ جو پاخانے سے مانوس ہیں ان کو کستوری اور عطر سے نفرت ہوتی ہے۔ حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ایک بھنگی عطاری کی دکان کے قریب سے گزرا، اس کو عطر کی خوشبو آئی تو بے ہوش ہوگیا، طبیبوں نے کوشش کی علاج نہ ہو سکا، اس کے بھائی کو علم ہوا اس نے ناک کے قریب پاخانہ کیا تو وہ ہوش میں آگیا۔

② دوسری قسم:

دوسرے وہ لوگ ہیں جو ان پاخانوں سے کچھ تو مانوس ہیں مگر عقلی طور پر اس کو برا سمجھتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اس پاخانہ کو اٹھاتے نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نفسانی خواہشات ابھرتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے نفس کے تقاضے کو روکتے ہیں، ان لوگوں کے بہت بڑے فضائل ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (۲۹-۶۹)

ترجمہ: ”اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھائیں گے۔“

فرمایا کہ ان کو ہم بچا لیتے ہیں، جذبات کے روکنے کی یہ مشقت اور مجاہدہ ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ:

ع　چند روزہ جہد کن باقی بخند

کسی بزرگ نے یہاں تک کہا ہے کہ کسی گناہ کا تقاضا ہونے پر اگر فوراً ایک جھٹکے کے ساتھ قلب سے باہر اس تقاضے کو پھینک دو تو اللہ رحیم و کریم ہے وہ اپنے بندے کو دوبارہ اس تکلیف میں مبتلا نہیں فرماتے، دوبارہ تقاضا نہ ہوگا۔

③ تیسری قسم:

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو محرمات سے نفرت ہے اور بچنا بھی چاہتے ہیں۔ ایک اور چوتھی قسم ہے جن کے دماغ میں اتنی خوشبو بسی ہوئی ہے کہ ان کے قرب وجوار میں اگر بدبودار چیزوں کے ڈھیر ہوں تو بھی انہیں اس کی بدبو نہیں آتی۔

یہ درجہ اللہ تعالیٰ عطاء فرمائیں، نجاست کے ڈھیر لگے رہیں، مرداروں پر گدھ منڈلاتے رہیں مگر یا اللہ! ہمیں اپنی طرف اتنے متوجہ فرمالے کہ ہمیں اس کا احساس ہی نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔ یا اللہ! ہمیں اپنا بنالے اور خود ہمارا بن جا ؎

جو ہنس رہا ہے وہ ہنستا جائے
جو رو رہا ہے وہ روتا جائے
بصدق دل تو خدا خدا کر
جو ہو رہا ہے وہ ہوتا جائے

ایک شخص نے مجھ سے شکایت کی کہ کراچی میں بدمعاشی کے بہت اڈے ہیں، میں نے کہا کہ آپ اپنی اصلاح کریں، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اندر بھی کچھ روگ ہے اس لئے کہ اگر کسی باغ میں کوئی بھنگی جائے تو وہاں بھی پاخانے ہی کی تلاش کرتا ہے کہ یہاں کے پاخانے کس رنگ کے ہیں، یہاں بھنگی کی نوکری مل جائے وہ اسی فکر میں رہے گا۔ اور اگر شاہی دماغ ہوگا تو وہ وہاں کے پھولوں کو ڈھونڈے گا کہ چنبیلی کہاں ہے اور گلاب کہاں۔

صبح کے وقت ہم چاروں طرف سے لاؤڈ اسپیکر پر اذانوں کی آواز سنتے ہیں، جب مؤذن اللہ اکبر کہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب نجاستیں دھل گئیں اور پوری فضاء معطر ہوگئی ہے۔ میرا تو اکثر یہ معمول ہے کہ صبح کے وقت ذرا باہر نکل کر اذانیں سن کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو سوچتا ہوں یہ اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ آپ بھی یہ معمول رکھیں،

اس طرف تو ذہن جاتا نہیں کہ یہاں کتنے دینی مدارس ہیں، کتنے حفظ و ناظرہ کے مکاتب ہیں، کتنی مساجد ہیں، کتنے اللہ والے ہیں ان خیر کی مجالس کو چھوڑ کر نظر بدمعاشی کے اڈوں کی طرف کیوں کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طبیعت میں بدمعاشی ہے، تاجر کی نظر تاجر پر ہوتی ہے، کاشت کار کی نظر کاشت کار پر ہوتی ہے۔

اس نظر کو صرف اپنے محبوب حقیقی کے لئے خاص کیجئے اور باقی چیزوں کے لئے یہ کہیے۔

؎ دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل
سج رہا ہے ماہ خوباں کے لئے دربار دل

فکرِ آخرت عصائے موسوی:

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ فکر آخرت عصائے موسوی ہے جو دنیا بھر کے افکار کو ایک سانس میں نگل جاتی ہے، آخرت کی فکر پیدا کریں تو دنیوی افکار خود بخود ختم ہو جائیں گے، یہ کہا کریں کہ اس قلب میں دنیوی باطل افکار کے لئے کوئی جگہ نہیں، یہ قلب تو صرف اس ذات اقدس کے لئے ہے اور کسی کے لئے اس میں جگہ ہے ہی نہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل میں کسی جھونپڑی میں رہا کرتے تھے، دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی، ایک شخص کو کسی ضروری کام کے لئے دوسری طرف جانا تھا، اس سے کسی نے کہا کہ اس جھونپڑی والے سے کہو تمہیں پار کرا دے گا اس نے آکر کہا تو انہوں نے اولاً تو ٹال دیا لیکن بعد میں کہا کہ دریا سے کہو کہ وہ شخص جس نے نہ کبھی کچھ کھایا پیا اور نہ ہی کبھی بیوی کے قریب گیا وہ کہتا ہے کہ مجھے راستہ دے دو، وہ شخص چلا گیا تو ان کی بیوی کہنے لگیں کہ آپ نے جو یہ بتایا کہ کبھی کچھ کھایا پیا نہیں یہ تو آپ

جانیں مگر یہ کہ بیوی کے پاس بھی نہیں گیا اس کا اثر مجھ پر پڑتا ہے کہ یہ بچے کہاں سے آئے؟

انہوں نے پہلے ٹال دیا مگر بیوی کے اصرار پر فرمایا کہ یہ سب کچھ اپنی ذات کے لئے نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کرتا ہوں۔ بس وہی بات ہے کہ:

؎ دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل
سج رہا ہے ماہ خوباں کے لئے دربار دل

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ہر قسم کے افکار باطلہ وخیالات فاسدہ سے پاک فرما کر اپنی محبت سے منور فرمادیں۔

وصل اللّٰھم وبارك وسلم علی عبدك ورسولك محمد
وعلی اله وصحبه اجمعین.
والحمد للّٰه رب العلمین.

حفاظتِ زبان

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام: حفاظتِ زبان

بمقام: جامع مسجد دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ:

بوقت: بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: رجب ۱۴۲۴ھ

مطبع: حسان پرنٹنگ پریس فون: ۶۶۴۱۰۱۹-۰۲۱

ناشر: کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۶۰۲۳۶۱-۰۲۱ فیکس: ۶۶۲۳۸۱۲-۰۲۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ

حفاظت زبان

(۲۲-۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ)

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝﴾

(۱۷-۵۳)

ترجمہ: ”اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو شیطان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔“

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝﴾ (۳۳-۷۰،۷۱)

تَرجَمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صحیح بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔''

عام گناہوں کی بنسبت زبان کے گناہوں سے بچنا زیادہ مشکل ہے اور اس کے فسادات بھی دوسرے گناہوں کی بنسبت بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں زبان کی حفاظت کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے:

❶ میں نے ابھی خطبہ میں پہلے نمبر پر جو آیت پڑھی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے زبان کی حفاظت نہ کرنے سے یوں ڈرایا ہے کہ اس کے ذریعے شیطان تمہیں تباہ کرنا چاہتا ہے، شیطان کے شر سے ہوشیار رہو۔

❷ میں نے خطبہ میں جو دوسری آیت پڑھی ہے اس کے شروع میں ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو اپنے عمل سے اس کی تصدیق پیش کرو، وہ کس طرح؟ اِتَّقُو اللّٰہَ۔ اللہ سے ڈرو، اس کی نافرمانی چھوڑ دو اور نافرمانی کا سب سے بڑا ہتھیار چونکہ زبان ہے اس لئے تقویٰ کا حکم دے کر اس کے بعد خصوصیت سے زبان کے متعلق تاکید فرمائی: ﴿وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝﴾ زبان کو غلط طریقے سے استعمال نہ کرو بلکہ ہمیشہ سیدھی اور سچی بات کہو۔ بات زبان پر لانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو کہ یہ بات آخرت کے حق میں مفید ہوگی یا مضر؟ اسی لئے عقلاء کا قول ہے کہ ''پہلے بات کو تولو پھر بولو۔'' جب آپ کی

زبان قابو میں آگئی اور اس کی اصلاح ہوگئی تو اس کی برکت سے بقیہ تمام اعضاء کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ اس لئے آگے ارشاد فرمایا: ﴿یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دیں گے۔ گویا تمام اعمال کی اصلاح ایک زبان کی اصلاح پر موقوف ہے۔ زبان قابو میں آگئی تو تمام اعمال درست ہو جائیں گے اور پوری زندگی سنور جائے گی۔ مزید انعام یہ کہ ﴿وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دیں گے۔ آگے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝﴾

یہ تجربہ ہے اور قرآن بھی اس کی شہادت دے رہا ہے کہ زبان کی حفاظت کرنے سے انسان دوسرے بہت سے گناہوں سے بھی بچ جاتا ہے۔ اس لئے آگے اور زیادہ تنبیہ فرما دی کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا ان کی نافرمانیوں سے بچے گا یہ اس کے لئے بہت بڑی کامیابی ہے اس کے لئے دنیا میں بھی سکون اور آخرت میں بھی چین۔

میاں بیوی میں ناچاقی کا سبب:

نکاح کے خطبے میں بھی یہ آیت پڑھی جاتی ہے بلکہ خطبۂ نکاح میں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (احمد، دارمی، ابوداؤد، ترمذی)

اس کی حکمت بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات اگر اچھے رہیں ان کا آپس میں نباہ ہو تو اس کے اچھے اثر دونوں خاندانوں پر پڑتے ہیں۔ جانبین میں محبت بڑھتی ہے۔ سب سکون سے رہتے ہیں اور اگر دونوں میں منافرت اور ناچاقی ہو تو اس کے برے اثر بھی دونوں خاندانوں پر پڑتے ہیں۔ دونوں طرف سے غیبتوں، بدگمانیوں اور عداوتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے جو آخر کار طلاق پر جا کر منتج ہوتا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ اس سارے فساد کو برپا کرنے میں

سب سے بڑا دخل زبان کا ہوتا ہے۔ ساس یا بہو دونوں میں سے ایک کی طرف سے ابتداء ہوتی ہے پھر دونوں کی زبانیں چل پڑتی ہیں اور قینچی کی طرح چلتی رہتی ہیں۔ آخر بات بڑھتے بڑھتے دونوں خاندانوں کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ نتیجۃً دنیا بھی تباہ آخرت بھی برباد۔ اسی فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ نکاح میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے جس میں حکم ہے: ﴿قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْداً﴾ زبان سے ہمیشہ درست اور اچھی بات کہو۔ زبان بگڑ گئی تو ساری زندگی بگڑ جائے گی۔ جس سے صرف میاں بیوی کی ازدواجی زندگی ہی نہیں بلکہ دونوں کے خاندان بھی متاثر ہوں گے اور اتنا بڑا فساد برپا ہوگا جو دونوں خاندانوں کی دنیا و آخرت لے ڈوبے گا۔ اس عظیم فتنہ کا واحد علاج یہ ہے کہ زبان کو قابو میں کرلو ہر بات پہلے تولو پھر بولو۔

❸ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝﴾ (۵۰-۱۶تا۱۸)

اللہ تعالیٰ دل کی باتیں بھی جانتے ہیں مگر قانونی کاروائی کے مطابق لکھنے کے لئے دو فرشتے بھی متعین فرمادیے۔

انسان جو لفظ بھی بولتا ہے اسے لکھنے کے لئے اور اس کی ہر بات کو محفوظ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے انسان کے دائیں بائیں متعین ہیں، جیسے ہی کوئی اچھی یا بری بات زبان سے نکالتا ہے، فرشتہ فوراً اسے لکھ کر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیتا ہے۔ دائیں طرف والا فرشتہ اچھی باتیں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بری باتیں لکھتا ہے۔ اس پر تنبیہ فرمادی کہ انسان کہیں اس غلط فہمی میں نہ رہ جائے کہ وہ جو کچھ بول رہا ہے یہ باتیں یونہی ہوا میں اڑ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں، ایسا نہیں بلکہ اس کی ہر بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کے مقرر کردہ فرشتے ساتھ ساتھ لکھتے جا

رہے ہیں ہر بات کا آخرت میں حساب دینا ہوگا اس پر جزاء وسزا مرتب ہوگی۔

زبان کے گناہ اور اس کے فسادات باقی تمام اعضاء کے گناہوں سے بڑھ کر ہیں پھر زبان کے گناہوں سے بچنا بھی مشکل کام، موقع بے موقع انسان کی زبان چلتی رہتی ہے، بسا اوقات بڑی خطرناک اور تباہ کن باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں۔ مسلمان کہلاتے ہوئے کفر تک بکنے لگتا ہے، مگر اسے محسوس تک نہیں ہوتا کہ زبان سے کیا کچھ نکال رہا ہے؟ اور اپنی بدزبانی کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ چکا؟

اعضاء کی گواہی:

زبان کے فسادات اور اس کی تباہ کاریاں چونکہ حد سے بڑھ کر ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت ان میں مبتلا ہے، اس لئے قرآن اور حدیث میں اس پر بار بار تنبیہ کی گئی اور سخت سے سخت وعیدیں سنائی گئیں۔

❷ ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝﴾ (۲۴-۲۴،۲۵)

فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسانوں کی زبانیں جو کچھ بولتی رہتی ہیں اور ان کے ہاتھ جو کچھ کرتے ہیں اسی طرح پاؤں جو کچھ کرتے ہیں ان تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قوت گویائی دیں گے پھر یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اپنی حرکات اور اپنے اپنے فسادات کی ازخود شہادت دیں گے کہ ہمارے ذریعہ یہ کام کئے گئے اور یہ یہ فسادات برپا کئے گئے پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے کئے کی پوری پوری سزا دیں گے۔ اس لئے قرآن اور احادیث میں بار بار تنبیہ کی جارہی ہے کہ دنیا میں مہلت ہے ابھی سے سنبھل جاؤ، ابھی سے سدھر جاؤ وہ وقت آنے والا ہے اس سے پہلے پہلے توبہ کرلو اور اپنی اصلاح کرلو ورنہ کل قیامت کے روز تمہارے اپنے اعضاء ہی تمہارے

خلاف گواہ ہوں گے۔ یہ اعضاء خود اپنے بارے میں اعتراف کریں گے کہ ہم دنیا میں یہ کچھ کر کے آئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر سچی گواہی کیا ہو سکتی ہے کہ مجرم خود اپنی زبان سے جرم کی شہادت دے۔ یہی مضمون قرآن میں دوسری جگہ اس سے بھی واضح ترین الفاظ میں مذکور ہے، فرماتے ہیں:

۵ ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾ (۴۱-۱۹ تا ۲۱)

فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی ہوگی اور حساب شروع ہوگا تو انسانوں کے کان، ان کی آنکھیں اور کھالیں خود شہادت دیں گی کہ اس شخص نے ہمارے ذریعہ سے یہ یہ گناہ کئے تھے یہ منظر دیکھ کر ان لوگوں کو بڑا تعجب ہوگا کہ یہ بے زبان اعضاء کیسے بول رہے ہیں؟ اپنے اعضاء پر غصہ آئے گا اور اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم آج کیسے بولنے لگیں؟ وہ جواب دیں گی کہ اللہ تعالیٰ نے آج ہمیں قوت گویائی دے دی اس پر تعجب کیا ہے؟ وہ اللہ جس نے ہر چیز کو قوت گویائی دی ہے کیا وہ اللہ اس پر قادر نہیں کہ ہمیں بھی قوت گویائی دے دے اسی نے ہمیں بھی قوت گویائی دی ہے اور ہم تمہارے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں: ﴿وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ وہ اللہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پھر دوبارہ تمہیں پیدا کرے قبروں سے تمہیں نکال کر حساب لے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کر لو، ایک اور آیت بھی سن لیجئے جس میں زبان کی حفاظت نہ کرنے پر سخت وعید ہے، فرمایا:

❻ ﴿تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾ (۲۴-۱۵)

یہ آیت کسی پر بہتان لگانے کے بارے میں ہے زبان کے بے شمار گناہوں میں سے ایک انتہائی خطرناک اور مہلک گناہ بہتان تراشی ہے کہ کسی بے گناہ اور بے قصور انسان پر ناجائز تہمت لگا دی جائے کہ یہ اس گناہ میں مبتلا ہے، اس کے متعلق فرمایا: ﴿تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا﴾ کہ تم تو سمجھتے ہو کہ ایسے ہی معمولی سی بات ہے یونہی ذرا سی بات سمجھ کر زبان سے چلتی کر دی مگر تمہیں کیا معلوم؟ ﴿وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾ جسے تم لوگ خاطر میں نہیں لا رہے اور معمولی بات سمجھ کر یونہی اڑا رہے ہو وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی بات ہے، بہت بھاری اور بڑی مہلک، اس کی حقیقت قیامت میں کھلے گی جب اس کا وبال سامنے آئے گا۔ انسان غفلت اور بے فکری میں کیا کیا کہہ جاتا ہے۔

یہ آیت سورۂ نور کی ہے، میں نے اس مقام سے صرف ایک آیت پڑھی ہے ورنہ اس پورے رکوع میں کسی پر بہتان لگانے پر سخت وعیدوں کا بیان ہے۔

❼ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (۴۹-۱۱)

اس آیت میں زبان کے تین بہت بڑے گناہوں کا بیان ہے:

① کسی کا مذاق اڑانا۔

② کسی کو طعنہ دینا۔

③ کسی کو کوئی برا لقب دینا۔

آخر میں ان گناہوں سے توبہ نہ کرنے والوں کو سخت وعید سنائی: ﴿فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

❽ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (۴۹-۱۲)

اس آیت میں بھی زبان کے تین بہت بڑے گناہ بتائے:

① بدگمانی کرنا۔

② تجسس کرنا۔

③ غیبت کرنا۔

پھر ایسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا ہے۔

❾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبھی انسان زبان سے ایک برا کلمہ نکالتا ہے اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہے؟ اس کی نحوست سے قیامت تک کے لئے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب لکھ دیا جاتا ہے۔ (موطا مالک، احمد، ترمذی)

❿ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے ایک بات صادر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ایسا کلمہ کہہ دیا کہ اگر وہ سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس کا پورا پانی خراب کردے۔ (احمد، ابوداود، ترمذی)

⓫ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دین کے ارکان اور دوسرے بہت سے احکام بتانے کے بعد ارشاد فرمایا: کیا اب تمہیں ان احکام کا لب لباب، اور ان کا اہم ترین جزء نہ بتادوں؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا:

”کف علیك هذا“

ترجمہ: ”اسے اپنے قابو میں رکھو۔“

غلط جگہ استعمال نہ ہونے دو۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعجب سے پوچھنے لگے: یا رسول اللہ! کیا ان زبانی باتوں پر بھی ہم سے مؤاخذہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معاذ! تمہیں تمہاری ماں گم کرے (کلمۂ تنبیہ ہے) قیامت کے دن زبانوں کی کھیتیوں کی وجہ سے لوگ اوندھے منہ جہنم میں پھینکے جائیں گے۔" (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

یہ زبان سے نکلی ہوئی باتیں جنہیں لوگ کوئی اہمیت نہیں دیتے بے سوچے سمجھے بولتے رہتے ہیں ان باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **حصائد السنتھم** سے تعبیر فرمایا کہ یہ زبانوں کی کھیتیاں ہیں جو وہ دنیا میں بو رہے ہیں اور آخرت میں جا کر ان کا پھل پائیں گے۔ پھر زبان کی وجہ سے جہنم میں جانے والوں کا انجام بھی کیا ہوگا کہ دوسرے عام جہنمیوں کے برعکس یہ اوندھے منہ جہنم رسید کیے جائیں گے۔

۱۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **"من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فليقل خيراً اوليسكت"** (متفق علیہ)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ بولے تو اچھی بات بولے اور اگر کوئی اچھی بات ذہن میں نہیں آتی تو خاموش رہے بولے ہی نہیں۔

اس حدیث کی تعمیل کے لئے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی انگوٹھی پر یہ جملہ کندہ کروا رکھا تھا:

"قل الخير والا فاسكت"

کہو تو اچھی بات کہو بھلائی کی بات زبان سے نکالو ورنہ خاموش رہو۔ کوئی اچھی بات نہیں سوجھتی تو رہنے دو تمہارے بولنے سے نہ بولنا ہی بہتر ہے۔

انگوٹھی پر کندہ کروانے میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ انگوٹھی ہر وقت پہنے رہتے تھے اس لئے اس حقیقت کا استحضار رہتا تھا۔

انگوٹھی پہننے کا مسئلہ:

مرد کے لئے انگوٹھی پہننا دو شرطوں سے جائز ہے ایک یہ کہ چاندی کی ہو سونے یا کسی دوسری دھات کی جائز نہیں۔ دوسری شرط یہ کہ پانچ ماشے سے کم وزن کی ہو۔ ان دو شرطوں کے ساتھ بھی بلا ضرورت نہ پہننا بہتر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء مسلمین اور ائمہ دین مہر لگانے کی ضرورت سے پہنتے تھے۔

خواتین کے لئے نہ کسی دھات کی قید ہے نہ کسی وزن کی۔ جس دھات کی چاہیں اور جتنے وزن کی چاہیں پہن سکتی ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ خواتین کے لئے انگوٹھی سونے چاندی کے سوا کسی دوسری دھات کی جائز نہیں لیکن حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہی راجح ہے۔ اس کی تفصیل احسن الفتاویٰ کی دسویں جلد میں ہے۔

پہلے زمانے میں مہر پر نام لکھوانا ضروری نہ تھا بلکہ اپنی خاص علامت کے لئے جو چاہتے تھے لکھوا لیتے تھے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے کی انگوٹھی پر یہ الفاظ لکھوائے تھے، آپ کی بصیرت دیکھئے کہ حدیث پر عمل کرنے کا کیسا انوکھا طریقہ اختیار فرمایا۔ زبان کی حفاظت کرنا اسے ہر وقت قابو میں رکھنا چونکہ بہت مشکل ہے اس لئے اس کی یہ تدبیر اختیار فرمائی کہ اپنی مہر کی خاص علامت کے طور پر انگوٹھی پر لکھنے کے لئے اس نصیحت کا انتخاب فرمایا، انگوٹھی ہاتھ میں ہے اور ہاتھ تو ہر وقت ساتھ ہی لگا ہوا ہے جیسے ہی ہاتھ پر نظر پڑی سبق تازہ ہوگیا کہ ارے! کہو تو اچھی بات کہو ورنہ خاموش رہو خاموش! گویا چھوٹی سی انگوٹھی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر انگلی پکڑ پکڑ کر کہہ رہی ہے کہ بولنا ہے تو صحیح بات بولو ورنہ خاموش رہو۔

۱۴ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ مجھ پر سب سے زیادہ خوف کس چیز کا محسوس فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا: ھذا۔

(احمد، ترمذی، حاکم)

اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا: "اس کا" یعنی سب سے خوفناک اور خطرناک چیز زبان ہے اس کے فتنے سے بچو۔

⑭ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"املك عليك لسانك" (احمد، ترمذی)

تَرجَمہ: "اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔"

زبان کا خطرہ سب سے زیادہ ہے اس کے فساد سے ہوشیار رہو۔

⑮ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من صمت نجا" (احمد، داری، ترمذی)

تَرجَمہ: "جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔"

جو شخص خاموش رہنے کی عادت ڈال لے بلا ضرورت زبان نہ کھولے وہ دنیا کے تمام فسادات اور فتنوں سے بھی بچ جائے گا اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائے گا۔ دنیا وآخرت کی تمام پریشانیوں سے اور ہر عذاب سے بچنے کا گر بتا دیا:

"من صمت نجا"

تَرجَمہ: "جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیت:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں گئے اور دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ فرمایا کہ زبان کو تنبیہ کر رہا ہوں اس کے فسادات بہت زیادہ ہیں یہ ہر فتنہ کی جڑ ہے۔

(ابن ابی الدنیا، ابویعلیٰ، علل الدارمی، شعب البیہقی)

ذرا سوچئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کتنا اونچا مقام ہے کتنا بڑا مرتبہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت میں سب سے اونچا مرتبہ آپ کا ہے، اس کے باوجود آخرت کا خوف ایسا غالب تھا کہ زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ زبان کا فتنہ اس کے فسادات اور خطرات کتنی اہمیت رکھتے ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا انسان بھی ان فسادات سے اپنے آپ کو مأمون نہیں سمجھتا بلکہ ان سے ڈر رہا ہے اور کانپ رہا ہے اور تنہائی میں زبان کو پکڑ کر کھینچ رہا ہے۔ جب ایسے حضرات بھی زبان کے فتنہ سے غافل نہیں تھے اور اس سے بچنے کی تدبیریں کیا کرتے تھے تو سوچئے! ہمارا کیا بنے گا۔

⓬ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "من یضمن لی ما بین لحییه وما بین رجلیه اضمن له الجنة" (بخاری)

جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں وہ ضرور جنت میں جائے گا دو چیزیں کیا ہیں؟ ایک تو وہ چھوٹا سا عضو جو دو جبڑوں کے درمیان ہے دوسرا جو دو رانوں کے درمیان ہے، ان دو چیزوں کی کوئی حفاظت کر لے تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ ان دونوں کی تخصیص شاید اس وجہ سے فرمائی کہ ایک تو دونوں کے فساد بہت ہیں دوسرے یہ کہ زبان کی حفاظت نہ کرنے کا نتیجہ بسا اوقات یہ نکلتا ہے کہ زبان سے انسان ایک گناہ کی بات نکالتا ہے اور وہ تجاوز کرتے کرتے شرمگاہ تک پہنچ جاتی ہے۔ زبان سے ذرا سی ایک بات کہی تھی مگر نوبت بدکاری تک پہنچ گئی مثلاً بلا ضرورت کسی غیر محرم سے بات کی اور اس کا دل پر برا اثر ہو گیا، اس لئے بات بڑھا دی ایک سے دوسری بات دوسری سے تیسری بات اس طرح چلتے چلتے آخر نوبت بدکاری تک آگئی۔

؎ نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں لعنت از گفتار خیزد

عشق ہمیشہ بدنظری سے ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ کبھی باتیں سننے سے بھی عشق پیدا ہو جاتا ہے، صرف آواز سننے سے ہی انسان کے اندرونی جذبات ابھرتے ہیں اور عشق پیدا ہو جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

ع بسا کیں دولت از گفتار خیزد

عشق کی دولت کبھی آواز سننے سے مل جاتی ہے۔ شاعر عشق کو دولت سے تعبیر کر رہا ہے، اس کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ اس نے عشق سے مراد عشق حقیقی لیا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کا عشق اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق اور اللہ والوں کا عشق۔ ان حضرات کی باتیں سننے سے ہی عشق کی آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن سننے سے اللہ تعالیٰ کا عشق دل میں پیدا ہوتا ہے۔ احادیث سننے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق پیدا ہوتا ہے اور اللہ والوں کی باتیں سننے سے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ والوں کی باتیں ان کی جیب سے تو ہوتی نہیں وہ بھی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی باتیں سننے سے بھی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ عشق پیدا ہوتا ہے پھر ان باتوں کے طفیل خود ان اللہ والوں سے بھی عشق پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کے لئے یہ دولت مقدر فرما دیں۔ مگر میں نے شعر میں دولت کو لعنت سے بدل دیا، اس لئے کہ اس وقت مضمون جو چل رہا ہے وہ اللہ کی محبت کا نہیں بلکہ عشق خبیث کا موضوع چل رہا ہے۔ زبان کی خباثتیں اور اس کے فسادات بتا رہا ہوں اس لئے شعر میں ترمیم کر کے میں نے ''دولت'' کی بجائے ''لعنت'' لگا دیا۔ مخلوق کی محبت جو انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ کر دے، محبوب حقیقی کو ناراض کر دے وہ لعنت نہیں تو اور کیا ہے یہ کوئی دولت نہیں بلکہ لعنت کا طوق ہے اس لئے میں نے شعر کو بدل کر یوں پڑھا:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں لعنت از گفتار خیزد

فضول باتیں کرنے کا وبال میں بتا رہا تھا کہ اس کے مفاسد میں سے ایک بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس سے معاشقہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا و آخرت دونوں کی تباہی و بربادی کے مشاہدات ہو رہے ہیں۔

امہات المؤمنین کو ہدایت:

چونکہ یہ آواز کا مسئلہ بڑے بڑے فتنوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ہدایت فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝﴾ (۳۳-۳۲)

فرماتے ہیں کہ کبھی کوئی صحابی کسی دینی ضرورت سے آکر پس پردہ تم سے کوئی ضروری بات کرے یا دینی مسئلہ پوچھے تو جواب کس انداز سے دیں، فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ مسائل کے جواب میں کوئی ضروری بات کرنی پڑے تو آواز میں کسی قسم کی لچک نہ آنے دیں بلکہ کرخت لہجے میں بات کریں اگر آواز میں ذرا سی لچک یا نرمی آگئی تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا: ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرنے لگے گا یعنی کوئی بدنہاد منافق جس کے دل میں خباثت بھری ہے نفاق کا مرض ہے وہ عورت کی لچکدار آواز سن کر دل میں یہ لالچ کرنے لگے گا کہ شاید یہ عورت مجھے چاہتی ہے اور میری طرف مائل ہو رہی ہے۔ اس شیطانی خیال کی جڑ کاٹنے کے لئے ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ آواز میں نرمی اور لچک نہ آنے دیں بلکہ کرخت لہجے میں بولیں جسے سننے والا سن کر ڈر جائے اگر وہ دو باتیں کرنا چاہتا تھا تو ایک بات کر کے ہی لوٹ جائے اور نفس و شیطان کو دخل انداز ہونے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔ یہاں یہ سوچئے کہ یہ ہدایت کس کو دی جا رہی ہے؟ دنیا کی عام عورتوں کو نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی

اللہ تعالیٰ عنہن کو جن کی پاک دامنی کی اللہ تعالیٰ خود شہادت دے رہے ہیں بلکہ جن کو پاک کرنے کا خود ذمہ لے رہے ہیں:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ (۳۳-۳۳)

بتائیے دنیا میں ان سے بڑھ کر پاک دامن کون ہوگا؟ دوسرا شرف یہ ہے کہ وہ پوری امت کی مائیں ہیں اس کی شہادت قرآن دے رہا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (۳۳-۶)

نبی کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں یہ تو مسئلہ کے دو پہلو ہوئے تیسرا پہلو یہ کہ ازواج مطہرات کو گفتگو کے متعلق جو اتنی سخت ہدایت دی جا رہی ہے ان کے مخاطب کون تھے؟ کون لوگ پردہ کی اوٹ میں آکر ان سے ضروری گفتگو کرتے یا مسائل پوچھتے؟ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کے شرف و تقدس اور بزرگی کا یہ عالم ہے کہ ملائکہ بھی ان پر رشک کریں فرمایا: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ ان سے راضی ہونے کی اللہ نے شہادت دے دی۔ گویا دنیا میں ہی انہیں جنت کا ٹکٹ دے دیا:

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾ (۵۷-۱۰)

اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ کے ساتھ بہتری کا وعدہ کر لیا ہے تمام صحابہ کے ساتھ۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ جنت کا وعدہ فقط عشرہ مبشرہ کے لئے ہے۔ ان دس صحابہ کو عشرہ مبشرہ کا لقب اس لئے دیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو ایک ہی مجلس میں جنت کی بشارت دے دی تھی اس لئے ان کا نام عشرہ مبشرہ پڑ گیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ جنتی ہیں سب کے سب مبشرہ ہیں مبشرہ، سب کے لئے جنت کی بشارت ہے: ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾ اللہ نے سب کے ساتھ بہتری کا وعدہ کر لیا ہے۔

ہاں تو بات زبان کی چل رہی تھی کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ہدایت دی گئی کہ غیر محرم سے بضرورت بات کرنی پڑے تو کرخت لہجہ اختیار کریں، میں نے اس کی تفصیل بتا دی کہ یہ حکم کن کو دیا جا رہا ہے؟ ازواج مطہرات کو جو نص قرآن کی رو سے امت کی مائیں ہیں اور بات کرنے والے کون؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو سارے کے سارے مبشرہ ہیں پھر بات کس قسم کی؟ دینی مسائل یا کوئی اہم اور ضروری بات ان سب باتوں کے باوجود حکم دیا جا رہا ہے کہ جب بات کریں تو آمنے سامنے نہیں بلکہ پس پردہ کریں اور کریں بھی کس انداز سے؟

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ آواز میں کسی قسم کی لچک نہ پیدا ہونے دیں۔ ذرا سوچیں کہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن جن کا اتنا اونچا مقام ہے اس قدر فضائل ومناقب ہیں تو کیا وہ بھی لچکدار لہجے میں اور اس انداز سے چبا چبا کر بات کرتی ہوں گی جیسے آج کل کی بے دین اور بدمعاش عورتیں کرتی ہیں جو لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے انہیں پھنسانے کے لئے عجیب عجیب چالیں اختیار کرتی ہیں اپنے لباس اپنی چال ڈھال، اپنے انداز گفتگو، غرض ہر چیز سے گناہ کی دعوت دیتی ہیں تو کیا معاذ اللہ! ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی گفتگو میں دور دور تک بھی اس قسم کا کوئی احتمال تھا؟ ہرگز نہیں، پھر اشکال ہوتا ہے کہ جس چیز کے وقوع بلکہ امکان کا بھی دور دور تک کوئی احتمال اور اندیشہ نہ ہو اس سے ممانعت کا کیا فائدہ؟ آخر اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کو ایسی چیز سے کیوں منع فرما رہے ہیں جس سے وہ یکسر پاک ہیں جس کے آئندہ پیدا ہونے کا بھی کوئی احتمال نہیں؟ اس اشکال کا جواب ذرا سمجھیں اور عبرت حاصل کریں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت کی آواز میں فرق ہے، مرد کی آواز عموماً سخت اور کڑک ہوتی ہے لیکن عورت کی آواز میں قدرتی طور پر لچک اور نرمی ہوتی ہے، دوران گفتگو اس کے دل میں برائی کا کوئی خیال نہ ہو تو بھی اس کی آواز میں قدرتی لچک اور ایک کشش ہوتی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس کے دل پر اثر

انداز ہوتی ہے اس لئے قرآن یہ ہدایت دے رہا ہے کہ آپ کا دل تو پاک ہی ہے اس میں گناہ کا کوئی خیال اور وسوسہ تک بھی نہیں لیکن یہ جو قدرتی لچک اور زنانہ پن ہے دوران گفتگو اسے بھی ختم کریں اور بتکلف کرخت لہجہ اختیار کریں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ فضول گوئی یعنی بلاضرورت کوئی بات زبان سے نکال دینا کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ ایسی خطرناک چیز ہے کہ بسا اوقات یہ بدکاری کا پیش خیمہ بن جاتی ہے، کسی غیرمحرم سے بلاضرورت ایک بات کرنا زنا کا بیج ثابت ہوتا ہے اس سے معاشقہ پیدا ہوتا ہے اور نوبت بدکاری تک پہنچ جاتی ہے اس لئے زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

مؤمنین کی صفات:

۱۸ ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝﴾ (۲۳-۱تا۴)

فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ۔ بے شک کامیاب ہوگئے، کون کامیاب ہوگئے؟ ان کی صفات سننے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو کامیاب قرار دیں وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوتے ہیں ان کی دنیا بھی سنور جاتی ہے آخرت بھی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کامیاب و کامران قرار دیں اور اس کی کامیابی ادھوری ہو۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ بے شک دونوں جہانوں میں کامیاب ہوگئے، کامیابی سے مراد دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جن کو ناکام قرار دیں تو اس سے مراد بھی دونوں جہانوں کی ناکامی اور خسارہ ہے اگر اس پر کسی کو اشکال ہو تو اس کا مفصل جواب پھر کسی موقع پر دوں گا اس وقت تو زبان کے مفاسد اور اس کے فتنے بیان کر رہا ہوں۔ اب ان آیات کا مطلب سمجھ لیجئے، فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ۔ لفظ قَدْ عربی میں تاکید

کے لئے آتا ہے مطلب یہ کہ جو بات بیان کی جارہی ہے وہ یقینی ہے آگے: اَفْلَحَ بھی صیغہ ماضی ہے جو تحقیق و تاکید کے لئے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے بہا رحمت اور بندوں پر بے انتہاء شفقت دیکھیں کہ بندوں کو یقین دلانے اور انہیں قائل کرنے کے لئے تاکید در تاکید کے انداز میں فرمارہے ہیں کہ یقینی پھر یقینی بات ہے کہ ان آیات میں جو صفات گنوائی جارہی ہیں ان صفات سے متصف بندے ہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں، وہ بندے کون ہیں؟

﴿اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝﴾

وہ لوگ جو نماز خشوع سے پڑھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پورے یکسو اور متوجہ ہو کر تمام آداب ظاہرہ و باطنہ کی رعایت رکھتے ہوئے مکمل طور پر اللہ کے بندے بن کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ کامیاب بندوں کی ایک صفت تو یہ ہوئی آگے دوسری صفت سنئے:

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝﴾

یقیناً پھر یقیناً وہی بندے کامیاب ہیں جو لغویات سے بچتے ہیں۔ آگے تیسری صفت:

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝﴾

اللہ کے وہ بندے جو زکوٰۃ ہمیشہ اداء کرتے ہیں۔ فٰعِلُوْنَ اسم فائل کا صیغہ ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ اداء کرتے ہیں کبھی اس میں غفلت نہیں کرتے۔ قرآن و حدیث میں نماز اور زکوٰۃ کو جگہ جگہ ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اردو میں یوں مشہور ہوگیا: نماز روزہ حج زکوٰۃ، زکوٰۃ کو روزہ اور حج کے بعد لاتے ہیں حالانکہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر ہونا چاہئے مگر اسے سب سے آخر میں لاتے ہیں۔ ایسا کہنا اگرچہ جائز تو ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ترتیب بیان فرمائی ہے اس کے مطابق کہنا زیادہ بہتر ہے۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ یہ ترتیب

یونہی کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں اس وقت یہ حکمتیں بیان نہیں کرتا کہ موضوع دوسرا چل رہا ہے بہرحال اصل ترتیب یوں ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔ آپ لوگ بھی بولنے اور لکھنے میں یہ ترتیب ملحوظ رکھیں۔ عوام چونکہ زکوٰۃ دینے سے بہت ڈرتے ہیں مال خرچ کرتے ہوئے آج کے مسلمان کی جان نکلتی ہے شاید اس لئے یہ الٹی ترتیب مشہور کردی، زکوٰۃ کو پیچھے کردیا ورنہ اصل ترتیب یوں ہے: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔ قرآن وحدیث میں یہی ترتیب بیان کی گئی ہے عموماً نماز اور زکوٰۃ کو یکجا ذکر کیا گیا ہے اس لئے انہیں ''قرینتان'' بھی کہا جاتا ہے، قرینتان کے معنی ہیں دو ساتھی۔ چونکہ دونوں کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے اس لئے ان کا نام ''قرینتان'' پڑ گیا۔

اب آگے اصل نکتہ سنئے کہ یوں تو عموماً نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہاں اس کے خلاف کیا گیا۔ اٹھارہویں پارے کے شروع میں سورۂ مؤمنین کی ابتدائی آیتیں جو میں نے پڑھی ہیں ان میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان ایک تیسری چیز ذکر کی گئی ہے وہ یہ کہ کامیاب ہونے والے اللہ کے بندے وہ ہیں جو لغویات سے بچنے والے ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ قرآن مجید میں مشورے کی آیت کو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان میں لایا گیا ہے یہ آیت سورۃ شوریٰ میں ہے ان دونوں مقامات میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فاصلہ ڈالنے میں حکمت لغویات سے بچنے اور مشورہ کی اہمیت کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنا ہے کہ یہ دونوں چیزیں اس قدر مہتم بالشان اور لائق اعتناء ہیں کہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر روک کر درمیان میں انہیں جگہ دی گئی پھر ان کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ورنہ آپ جہاں بھی دیکھیں نماز وزکوٰۃ کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

مشورہ کی اہمیت وعظ ''استخارہ واستشارہ'' میں دیکھ لیجئے۔ لغو اور فضول گوئی سے بچنا اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ دنیا وآخرت کی کامیابی اس پر موقوف ہے۔ یہاں لغو کا مطلب بھی سمجھتے جائیے کہ ہر وہ کام اور کلام جس کا نہ کوئی دنیوی فائدہ ہو نہ

اخروی، عقل مند انسان تو اپنی آخرت کو مدنظر رکھتا ہے اگر کسی کام میں آخرت کا فائدہ نہ ہو تو کم از کم دنیا کا فائدہ ہی سوچ لے لیکن جس میں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو دنیا کا نہ آخرت کا تو یہ فضول اور لغو ہے۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس سے اعراض کرے اور دور رہے یہ اتنا بڑا گناہ ہے جس کی اہمیت جتانے کے لئے اللہ نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان اسے بیان فرمایا۔

معیاری مسلمان:

لغو اور لایعنی سے بچنے کی تاکید کے بارے میں یہ تو قرآن کا بیان تھا آگے حدیث بھی سن لیجئے:

۱۹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”من حسن اسلام المرء ترکہٗ مالا یعنیہ“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اسلام کا دعویٰ تو بہت لوگ کرتے ہیں لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ اس مدعی کا اسلام اللہ کی نظر میں پسندیدہ بھی ہے یا نہیں؟ اس حدیث میں اس کا معیار بیان فرما دیا کسوٹی بتا دی کہ پرکھ کر ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ اس کا اسلام اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ ورنہ اسلام کا دعویٰ تو ہر شخص کرتا ہے۔

؎ وکل یدعی وصلاً بلیلی
ولیلی لا تقر لھم بذاکا

لیلیٰ سے عشق کے دعوے تو سب ہی کرتے ہیں مگر ذرا لیلیٰ سے بھی تو پوچھو کہ وہ بھی ان دعووں کو مانتی ہے یا نہیں؟ ایسے گھر بیٹھے دعوے کرنا تو آسان ہے یہی حال عشق مولیٰ کا ہے کہ اللہ سے عشق و محبت کے دعوے تو ہر شخص کرتا ہے جو شخص بھی کلمہ گو اور مسلمان ہے اسے اللہ سے عشق کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کا عاشق ہے مگر ذرا مولیٰ سے بھی تو پوچھیں کہ وہ کیا کہتا ہے؟ سورۃ العنکبوت کے شروع کی آیات بار بار بتاتا

رہتا ہوں ان میں معیار بیان کیا گیا ہے کہ کس کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے اس کی تفصیل وعظ ''ایمان کی کسوٹی'' میں دیکھ لیں۔

حدیث میں معیار بتا دیا گیا کہ انسان کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ لایعنی کام وکلام چھوڑ دے، بس یہ ہے معیار جس مسلمان کو دیکھیں کہ اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے ایسی فضول باتوں سے احتراز کرتا ہے جن میں اسے دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہیں تو سمجھ لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور یہ اپنے دعوائے اسلام میں سچا ہے مگر ایسے مسلمان تو کہیں خال خال ہی ملتے ہیں۔ عام لوگوں کی حالت کیا ہے؟ بیکار باتوں کے بغیر ان کا وقت ہی نہیں گزرتا، یہ گناہ گویا ان کی غذاء بن چکا ہے، جس کے بغیر وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔

جھوٹوں کا بادشاہ:

یہ اپریل فول نہ جانے کیا لعنت ہے؟ سنا ہے یہ انگریزوں کے جھوٹ بولنے کا دن ہے یوں تو جھوٹ بولتے ہی ہیں ان کا مذہب ہی جھوٹ کا مجموعہ ہے مگر یہ اپریل فول سنا ہے جھوٹ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں جھوٹ بولنے کا مقابلہ کرتے ہیں کہ جس قدر جھوٹ بول سکتے ہو آج بول لو۔ کہتے ہیں اس دن جھوٹ بولنے کا مقابلہ ہوا ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کسی نے کہا میں نے ہاتھی کو لوٹے میں بند کر دیا کسی نے اس سے بھی بڑھ کر جھوٹ بولا مگر تمام جھوٹوں میں اول نمبر وہ شخص آیا اور تمام جھوٹوں کا بادشاہ قرار پایا جس نے کہا کہ میں نے ایک جگہ دو عورتیں دیکھیں اکٹھی بیٹھی تھیں مگر تھیں خاموش! یہ اول نمبر قرار پایا اس کو انعام بھی ملا ہوگا کہ اس نے اتنا بڑا جھوٹ بول دیا جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ عورتیں کہیں مل کر بیٹھیں اور خاموش رہیں؟ یہ تو ناممکن ہے۔ یہ تو پہلے زمانہ کی بات ہے آج کل کے مردوں کا بھی یہی حال ہے۔ کہیں مرد مل بیٹھیں اور خاموش رہیں یہ ناممکن ہے اور ایسی بات کہنے والا بھی اول

نمبر کا جھوٹا ہوگا۔ آج کل کے مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ مردوں نے خصلتیں تو عورتوں والی اختیار کر لی تھیں، شکل وصورت کا جو قدرتی فرق تھا وہ بھی انہوں نے ڈاڑھی منڈا کر ختم کر دیا۔ اب معاملہ صاف ہوگیا صورت بھی عورتوں کی سیرت بھی عورتوں کی دونوں میں کوئی فرق نہیں رہا، تو من شدی من تو شدم۔ اس شخص کو کافی سوچ بچار کے بعد یہ جھوٹ سوجھا ہوگا مگر اب یہ امتحان آسان ہوگیا ہے اس میں کامیاب ہونا بلکہ اول آنا کوئی مشکل نہیں رہا اگر آپ بھی خدانخواستہ اپریل فول کے مقابلہ میں کبھی شریک ہوں اور یہ کہہ دیں کہ میں نے دو مردوں کو ایک جگہ خاموش بیٹھے دیکھا تو آپ بھی اول آجائیں گے۔ آج کے دور میں یہ ممکن ہی نہیں کہ لوگ خاموش بیٹھ سکیں جہاں کہیں بیٹھیں گے کچھ نہ کچھ بولتے ہی رہیں گے زبان چلتی ہی رہے گی۔ کان کھول کر سن لیجئے اگر آپ مسلمان ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کا اسلام اللہ کے ہاں قبول ہے یا نہیں؟ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں یا نہیں؟ تو خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ معیار پر لا کر پرکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معیار ارشاد فرمایا کہ لغو کلام اور کام سے مکمل احتراز کیجئے۔ اگر آپ کی زبان فضول اور لغو گوئی سے پاک ہوگئی تو آپ کا اسلام پسندیدہ ہے اس پر شکر ادا کیجئے ورنہ آپ اسلام کے ہزار دعوے کریں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح ایک دوسری روایت میں یہ پرکھنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہیں یا ناراض؟ یہ معیار بیان کیا گیا:

⓴ ”علامة اعراضه تعالیٰ عن العبد اشتغاله بما لا یعنیه“

(مکتوبات امام ربانی)

بندہ سے اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ ایسے کام یا کلام میں مشغول ہو جائے جس میں اس کا نہ دنیا کا فائدہ ہو نہ دین کا فائدہ۔ کسی کو اس طرح لایعنی میں مشغول دیکھیں تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں اور یہ لایعنی میں

اشتغال اس پر اللہ کا عذاب ہے اگر اللہ تعالیٰ راضی ہوتے تو یہ اس قسم کا بے فائدہ کلام یا کام کبھی نہ کرتا۔ اتنی سخت وعیدیں اس پر وارد ہیں اللہ تعالیٰ سب کی حفاظت فرمائیں۔

عقل مند لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف کی ہے کہیں انہیں اولوا النهي فرمایا ہے کہیں اولوا الالباب اور کہیں اولوا الابصار معنی سب کے ایک ہی ہیں: ''عقل والے، فہم وشعور والے'' عقلاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جیسے جیسے انسان کی عقل کامل ہوتی جاتی ہے اس کا کلام کم ہوتا جاتا ہے۔ دونوں کا آپس میں مقابلہ ہے عقل جوں جوں بڑھے گی کلام گھٹتا جائے گا جس کا کلام زیادہ ہوگا اس میں عقل کم ہوگی۔ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ بچوں میں چونکہ عقل کم ہوتی ہے اس لئے بولتے بہت زیادہ ہیں اور یہ حال عورتوں کا ہے ان کی کم عقلی تجربہ و مشاہدہ کے علاوہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔ اسی لئے یہ باتیں بہت زیادہ کرتی ہیں۔ اسی طرح پاگلوں کو دیکھ لیجئے ان میں عقل کی ہی کمی نہیں بلکہ یہ عقل سے عاری ہیں اس لئے ان کی زبان سب سے زیادہ چلتی ہے، ہر وقت بولتے ہی چلے جاتے ہیں کوئی سنے نہ سنے جواب دے نہ دے لیکن ان کا کام بولتے چلے جانا اس لئے عقلاء کا یہ فیصلہ بالکل بجا اور درست ہے کہ جوں جوں عقل کامل ہوتی ہے بولنا کم ہوجاتا ہے۔

؎ اذا تم عقل المرء قل کلامه
فایقن بحمق المرء ان کان مکثرا

جب انسان کو زیادہ بولتے دیکھو اس کے احمق ہونے کا یقین کرلو۔ عقل مند ہوتا تو زیادہ بک بک نہ کرتا صرف ضرورت کی حد تک گفتگو کرتا مگر حماقت سر پر سوار ہے جو اسے چپ نہیں بیٹھنے دیتی بولنے پر مجبور کر رہی ہے ؎

النطق زین والسکوت سلامة
فاذا نطقت فلاتکن مکثارا

ما ان ندمت علی سکوتی مرۃ
ولقد ندمت علی الکلام مرارا

نعمت گویائی:

قوت گویائی گو ایک نعمت ہے مگر عافیت اور سلامتی خاموش رہنے میں ہے۔ لہٰذا جب گفتگو کرو تو ضرورت کی حد تک بولو بہت باتونی مت بنو۔ قوت گویائی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، نعمت کا حق یہ ہے کہ اس پر شکر اداء کیا جائے اور اسے صحیح طریقے سے خرچ کیا جائے۔ یہاں تین چیزیں ہیں ایک ہے شکر نعمت دوسری ہے اسراف اور تیسری چیز ہے تبذیر۔

❶ شکر نعمت تو یہ ہے کہ جہاں استعمال کا موقع ہو وہاں نعمت کو استعمال کیا جائے اگر موقع پر بھی نعمت کو استعمال نہ کرے گا تو یہ ناشکری ہوگی۔ ضرورت کے وقت بھی خاموش رہنا غلط ہے بوقت ضرورت بقدر ضرورت بولنا چاہئے۔ ہر شخص کی ضرورت اس کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہے مثلاً اگر کوئی ٹھیلے پر پھل وغیرہ بیچتا ہے تو اگر وہ پورا دن بھی پھل فروخت کرنے کے لئے آواز لگاتا رہے تو یہ اس کی ضرورت میں داخل ہے لیکن ایسے لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنا چاہئے:

ع دست بکار و دل بیار

یعنی ہاتھ تو کام میں مصروف ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے۔

❷ ضرورت کے موقع پر بولتا تو ہے مگر ضرورت پر اکتفاء نہیں کرتا ضرورت سے زیادہ بولتا ہے۔ ضرورت دو باتوں کی تھی مگر اس نے چار کہہ دیں تو یہ اسراف ہے۔ ضرورت سے زائد گفتگو اگرچہ جائز قسم کی ہو کوئی گناہ کی بات نہ ہو تو بھی اسراف میں داخل ہے۔ یہ بات تو یونہی سمجھانے کے لئے میں نے کہہ دی ورنہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ مسرف اور باتونی گناہ کی بات کرنے سے بچ جائے اور اس کی ساری باتیں جائز

ہی ہوں۔ جب زبان چلتی رہے گی تو جائز ناجائز ہر قسم کی باتیں کرتا ہی چلا جائے گا، کبھی غیبت، کبھی چغلی، کبھی بے جا الزام تراشی غرض جو کچھ ذہن میں آئے گا بکتا ہی چلا جائے گا، زیادہ بولنے کی وجہ سے اس کو سوچنے کا موقع نہ ملے گا بلکہ پتا بھی نہ چلے گا کہ کیا کچھ بولتا جا رہا ہے۔ اسراف کی حد میں داخل ہونے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ اس کی ساری گفتگو جائز باتوں تک محدود رہے اور ناجائز سے بچ جائے۔

۳ تبذیر ایسی گفتگو کو کہتے ہیں جس کا کوئی موقع اور جواز نہ ہو، گناہ کی بات کرنا تبذیر ہے۔ تبذیر بڑا جرم ہے اس کا اندازہ قرآن کی اس وعید سے کیجئے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝﴾ (۱۷-۲۷)

تبذیر اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے مرتکب شیطانوں کے بھائی ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ شیطان کے بھائی ہیں بلکہ: اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ فرمایا کہ یہ لوگ شیاطین کے بھائی ہیں صرف ایک شیطان نہیں بلکہ جتنے یہ ہیں اتنے ہی ان کے ساتھ شیطان لگے ہوئے ہیں۔ شیطان کے بھائی انہیں کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ شیطان نے بھی عقل میں تبذیر سے کام لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو یہ سن کر تمام فرشتے تو سجدہ میں گر گئے لیکن شیطان نے اپنی عقل دوڑائی حالانکہ عقل ہر جگہ کام نہیں دیتی۔ اس میں اعتدال بھی ہوتا ہے، افراط بھی اور تفریط بھی اس کی تفصیل پہلے سورۂ فاتحہ میں: ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کی تفسیر کے تحت بیان کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے میں اللہ تعالیٰ کے وجود میں اور اللہ تعالیٰ کی توحید میں عقل کا استعمال کرنا اعتدال ہے ایسے موقع پر عقل کا استعمال کرنا ضروری ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام میں عقل کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ یہ عقل کا بے موقع استعمال اور تبذیر ہے۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا بلکہ اس کے احکم الحاکمین ہونے کا بھی پورا یقین تھا مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی عقل کی دوڑ شروع کر

دی کہ میں تو آدم سے افضل ہوں اسے آپ نے مٹی سے پیدا کیا اور مجھے آگ سے پیدا کیا۔ آگ کا مرتبہ تو مٹی سے زیادہ ہے آگ بھڑکتی ہے شعلہ زن ہوکر اوپر کو جاتی ہے مٹی میں یہ خاصیت نہیں وہ تو اوپر سے نیچے کو آتی ہے میں اعلیٰ ہوں اور آدم مجھ سے ادنیٰ ہے آپ نے اعلیٰ کو حکم دے دیا کہ ادنیٰ کے سامنے جھک جائے یہ بات عقل کے خلاف ہے۔ دیکھئے عقل کی تبذیر کا وبال کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بحث کر رہا ہے کہ ان کے حکم کے مقابلہ میں اپنی حکمت اور فلسفہ بگھار رہا ہے۔ یہی حال آج کل کے بے دین لوگوں کا ہے۔ یہ جو اسکول، کالج کا مسموم طبقہ ہے یہ بھی ہر جگہ عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے اور شرعی مسائل میں حکمتیں تلاش کرتا ہے کہ یہ چیز جائز کیوں ہے اور یہ ناجائز کیوں ہے؟ شیطان کے انجام سے عبرت حاصل کیجئے اس نے عقل میں تبذیر سے کام لیا تو نتیجہ یہ کہ قیامت تک کے لئے مردود ہوگیا۔ اسی طرح جو لوگ دوسری نعمتوں میں تبذیر کرتے ہیں کسی نعمت کا بے موقع استعمال کرتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ یہ شیطانوں کے بھائی ہیں جو کام شیطان نے کیا وہی کام یہ بھی کر رہے ہیں۔ قوت گویائی نعمت ہے اور زینت ہے۔ اس نعمت کی ناقدری نہ کریں بے موقع نہ بولا کریں۔ موقع پر بولیں اور سوچ سمجھ کر بولیں کام کی بات کریں۔ یہ گویائی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر اس میں تبذیر کی بے موقع بولنے لگے تو سوچیں اللہ تعالیٰ کو اگر غصہ آگیا ناراض ہوکر انہوں نے اپنی نعمت چھین لینے کا فیصلہ کر لیا مثلاً گونگا کر دیا یا زبان میں کینسر کی بیماری لگا دی تو کیا بنے گا؟ اس بات کو سوچیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی کوشش کریں اتنی بڑی نعمت کو ضائع کر رہے ہیں۔

بسیار گوئی کا نقصان:

آگے سمجھانے کے لئے شاعر نے اپنا تجربہ بھی بتایا ہے اور یہ حالت ہر شخص پر گزرتی ہے۔

ے ما ان ندمت علی سکوتی مرۃ

ولقد ندمت علی الکلام مرارا

اپنے حالات کو سوچیں اور نصیحت پکڑیں۔ شاعر اپنا تجربہ بتا رہا ہے کہ میں خاموش رہنے پر تو کبھی بھی نادم نہیں ہوا کہیں خاموش رہا ہوں اور پھر بعد میں ندامت محسوس کی ہو کہ کیوں خاموش رہا؟ ایسا تو کبھی نہیں ہوا ہاں اس کا الٹ ضرور ہوا اور کئی بار ہوا وہ کیسے؟

ع ولقد ندمت علی الکلام مرارا

بولنے پر کئی بار ندامت اور خفت اٹھانی پڑی۔ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار، کئی بار، مثلاً بیوی سے جھگڑ کر اسے طلاق دے دی اب پریشان اور پشیمان کہ ہائے! یہ کیا کر بیٹھا۔ طلاقیں بھی کم از کم تین دیتے ہیں تاکہ ندامت پر ندامت ہوتی رہے مگر رجوع کی کوئی صورت نہ رہے۔ اسی طرح کسی نے کوئی بات خلاف طبع کہہ دی تو اس کو گالی دے دی۔ جواباً اس نے ٹھکائی لگا دی تو اب پھر شرم سار اور پریشان۔ یہ تو دنیوی پریشانیاں ہیں جب کہ زبان کی وجہ سے آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی حفاظت فرمائیں۔ غرض بولنے پر تو پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں ہر شخص خود اپنا تجربہ کر لے اپنے حالات میں غور کرے لیکن خاموش رہنے پر کبھی کسی کو ندامت نہیں ہوئی کبھی آپ کی زبان سے یہ نہیں نکلا ہوگا نہ کسی اور کو یہ کہتے سنا ہوگا کہ میں فلاں موقع پر خاموش رہا اس لئے میرا اتنا اتنا نقصان ہوگیا اس لئے اپنی خاموشی پر پچھتا رہا ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا اس کے برعکس آپ نے بولنے پر بارہا نقصان اٹھایا ہوگا، شرمندگی اٹھائی ہوگی۔ دنیا کے اکثر نقصان اور لڑائی جھگڑے بولنے پر ہو رہے ہیں۔ خاموشی میں کوئی نقصان نہیں بلکہ اس میں سلامتی ہے ہاں اگر آپ کو بولنا ہی ہے خاموش نہیں رہا جاتا بولنے کے لئے بے تاب ہیں تو دین کی بات کیجئے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائیے۔ اس کے نتیجے میں اگر بظاہر نقصان ہوگیا کسی نے پٹائی بھی کر دی تو یہ

ندامت کی بات نہیں بلکہ فخر کا مقام ہے۔ اس ظاہری نقصان اور ذرا سی سبکی پر بہت بڑا اجر ہے۔ بولنا ہی ہے تو ایسے موقع پر بولے لیکن یہ کیا کہ مسلمان دنیا کی لغو اور بے کار باتیں کر کے تو بار بار ندامت اٹھائے کہ کاش میں نے یہ بات نہ کہی ہوتی، کاش میں نے یہ کام نہ کیا ہوتا مگر دین کے معاملے میں اور بالخصوص اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں دیکھ دیکھ کر خاموش رہے۔ شریعت کے احکام ٹوٹتے رہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں سرعام کی جائیں مگر یہ ٹس سے مس نہ ہو اور گونگا شیطان بن کر دیکھتا رہے۔ زبان کو فضول گوئی سے بچانے کے لئے کچھ نسخے بتاتا ہوں انہیں یاد کرلیں اور بار بار سوچا کریں۔

فضول گوئی سے بچنے کے نسخے:

پہلا نسخہ:

دنیا بھر کے حکماء، فلاسفہ، سائنسدان، دانشوروں اور دماغی ڈاکٹروں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ زیادہ بولنے والا احمق اور بے وقوف ہے۔ خود بھی زیادہ باتوں سے بچیں خاموشی کی عادت ڈالیں اور کوئی دوسرا شخص آپ کے سامنے زیادہ باتیں کرنے لگے تو اسے بھی بتادیں کہ بھائی! دنیا بھر کے عقلاء کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ زیادہ بولنا اور زبان چلانا کوئی عقل مندی نہیں بلکہ فتورِ عقل اور حماقت کی علامت ہے لہٰذا آپ ایسی حماقت نہ کریں۔ وہ پھر بھی باتوں سے باز نہ آئے تو اسے خیر خواہانہ مشورہ دیجئے کہ آپ مریض ہیں دماغ کے کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے اپنا علاج کروائیے۔ بے چارہ مریض ہے مریض سے اظہار ہمدردی تو کرنا ہی چاہئے۔

دوسرا نسخہ:

اس حقیقت کو بار بار سوچا کریں کہ دنیا میں کبھی بھی کسی انسان کو خاموش رہنے پر کسی قسم کی ندامت نہیں ہوئی۔ اس بارے میں اپنے حالات کو بھی سوچا کریں۔

دوسروں کے حالات کو بھی دیکھیں۔

ایک بار میں اپنے بیٹے کے ساتھ بازار کسی کام سے گیا۔ وہ کہنے لگے کہ میں اپنی گاڑی بیچنا چاہتا ہوں یہاں دلال رہتے ہیں ذرا ان سے بات کرتے جائیں۔ دلالوں کے سامنے جا کر گاڑی روک دی وہ آ گئے اور کچھ دام بتائے مگر یہ دام ان کے اس اندازہ سے کم تھے جتنے میں یہ فروخت کرنا چاہتے تھے، ذہن میں ایک اندازہ لگا کر گئے تھے کہ اتنے میں گاڑی بک جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس آ جائیں گے۔ انہوں نے کم دام بتائے اس کے بعد بولنا شروع ہو گئے کہ ہاں بولیں آپ کتنے میں دیں گے؟ مگر یہ خاموش وہ پھر بولے ارے کچھ تو بتاؤ کچھ بولو تو سہی مگر یہ بالکل خاموش ہو گئے گویا سن ہی نہیں رہے بس ایک دومنٹ ٹھہرے۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کی اور واپس چلے آئے اگر یہ بھی بولنے لگتے کہ اتنے دام دو وہ کہتے نہیں اتنے لے لو۔ یہ کہتے نہیں اتنے دو خواہ مخواہ ایک دوسرے کا دماغ کھاتے رہتے اور وقت بھی ضائع ہوتا لیکن ان لوگوں کی زبان سے پہلی بات سن کر ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ سودا بنتا نظر نہیں آتا۔ اس لئے بس ایک دومنٹ ہی ٹھہرے اور وقت ضائع کئے بغیر وہاں سے چل دیئے اس قصہ کو کئی سال گزر گئے مگر جیسے میں نے پہلے بتایا کہ عبرت کی بات خواہ کسی شخص سے مل جائے وہ دیندار ہو یا بے دین بلکہ احمق ہی کیوں نہ ہو اس کی بات مجھے یاد رہتی ہے۔ اپنے بیٹے کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا اب بھی کبھی کبھی میں انہیں شاباش دے دیتا ہوں کہ اس دن بہت اچھا کیا آپ نے، کچھ بولتے تو اپنا دماغ بھی کھپاتے میرا وقت بھی ضائع کرتے۔ اچھا کیا کہ خاموشی سے چل دیئے۔

انسان بول کر بارہا شرمندہ ہوتا ہے مگر خاموش رہنے پر کبھی شرمندگی نہیں ہوتی بلکہ خوشی ہی ہوتی ہے کہ اچھا ہوا میں اس موقع پر خاموش رہا ورنہ اتنا نقصان ہوتا ایسی شرمندگی ہوتی۔

تیسرا نسخہ:

تیسرے نمبر پر ایک قصہ یاد کر لیجئے اس میں بھی غور کریں اور نسخہ کے طور پر اسے استعمال کریں۔ کہتے ہیں کسی شہزادہ نے کہیں خاموشی کے فوائد اور بولنے کے نقصان پڑھ لئے لہٰذا اس نے تہیہ کر لیا کہ ہمیشہ خاموش رہوں گا اور کبھی نہیں بولوں گا۔ بادشاہ کو جب پتا چلا کہ شہزادہ کی بول چال بند ہوگئی چوبیس گھنٹے سکوت ہی سکوت طاری ہے تو بہت فکر مند ہوا اور علاج کا حکم دیا، بڑے بڑے نامور اطباء بلائے گئے۔ انہوں نے علاج کیا مگر بے سود، پھر سوچا شاید کسی نے جادو کر دیا یا چڑیل لگ گئی، کوئی بھوت سوار ہوگیا۔ لہٰذا عامل بلائے گئے انہوں نے ہر قسم کے تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے کر کے دیکھ لئے مگر شہزادہ اب بھی بول کر نہ دیا۔ بادشاہ کی تشویش اور بڑھی جب سارے علاج ناکام ہوگئے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو آخری علاج یہ سوچا کہ اپنے ماحول سے دور کہیں پہاڑوں، جنگلوں کی طرف اسے لے جاؤ اور تفریح کراؤ شاید آب و ہوا کی تبدیلی سے اس کی زبان کھل جائے یا شکار کھیلنے سے اس کی طبیعت کھل جائے اور خوش ہو کر کوئی بات کر لے جیسے آج کل لوگوں نے عورتوں کا بھی یہی علاج شروع کر دیا ہے، عجیب زمانہ آگیا ہے، بے دینی کی نحوست سے عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔ عورتیں تو ہیں ہی پاگل مگر خاوند ان سے بڑھ کر پاگل۔ عورت کو ذرا سی تکلیف ہو جائے یا یونہی مکر کرنے لگے تو اس کی صحیح تشخیص اور علاج کی بجائے عورتوں کو تفریح کرواتے ہیں گھر سے نکالو دور دراز تفریح کراؤ، سیر سپاٹے سے طبیعت بحال ہو جائے گی یہ کون سا علاج ہوا؟ اس بے پردگی اور بے حیائی سے تو اس کا دماغ اور خراب ہوگا۔ وہ تو بار بار یہی کہے گی میں بیمار ہوں مجھے اور تفریح کرواؤ۔

شہزادے کو لے گئے تفریح کے لئے جنگل میں چلتے ہوئے کسی طرف سے تیتر کی آواز آئی۔ شکاری نے فوراً نشانہ لگایا اور اسے مار گرایا۔ اب شہزادہ بولا: ''اور بول''

مطلب یہ کہ چکھ لیا بولنے کا مزا ذرا اور بول۔ بس پھر خاموش، وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ تو مکار ہے جان بوجھ کر نہیں بولتا بادشاہ کو بھی غصہ آگیا اور اس نے حکم دے دیا کہ اس کی پٹائی لگاؤ اسے کوئی عذر نہیں بلکہ یہ مکار ہے سب کو خواہ مخواہ پریشان کر رکھا ہے لگاؤ اس کی پٹائی دیکھیں کیسے نہیں بولتا۔ یہ سنتے ہی کارندوں نے اسے مارنا شروع کر دیا جب کافی مار لگ چکی تو پھر بولا: ''ایک بار بولنے پر اتنی مار کھالی دوبارہ کبھی بولا تو تیرا کیا بنے گا'' بس یہ کہتے ہی پھر خاموش، مار پڑتی رہی لیکن وہ دوبارہ کبھی بول کر نہ دیا۔

خاموشی اختیار کرنے کا یہ تیسرا نسخہ ہے اور بڑا عجیب نسخہ ہے اسے سوچا کریں ہونا تو یہ چاہئے کہ جو بسیار گوئی کے مریض ہیں کسی طرح خاموش نہیں ہوتے، ان کی بھی کوئی ٹھکائی لگانے والا ہو ہر وقت درہ لے کر کھڑا رہے جیسے ہی بک بک شروع کریں درہ سر پر برسانا شروع کر دے مگر یہاں کوئی ٹھکائی لگانے والا تو ہے نہیں اس لئے یہ مریض ٹھیک نہیں ہوتے اور بولتے چلے جاتے ہیں۔

چوتھا نسخہ:

یہ بات خوب سمجھ لیں کہ انسان کے قلب میں جس چیز کی محبت ہوتی ہے اسی کا ذکر زبان پر ہوتا ہے اور جس کا ذکر زبان پر ہوتا ہے اس کی محبت قلب میں بڑھتی جاتی ہے۔ جب دنیا کی باتیں ضرورت سے زیادہ کریں گے تو اس سے دنیا کی محبت دل میں بڑھے گی۔ ایک بار حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی خانقاہ میں کچھ لوگ دنیا کی برائی کی باتیں کر رہے تھے آپ نے انہیں ڈانٹ کر فرمایا کہ اے دنیا کے عاشقو! یہاں سے نکل جاؤ۔ کسی نے کہا کہ یہ تو دنیا کی برائی کر رہے تھے تو فرمایا کہ دل میں دنیا کی محبت ہے جبھی تو اس کا ذکر زبان پر آتا ہے۔ جس کی محبت دل میں ہو موقع بے موقع اس کا ذکر زبان پر آجاتا ہے خواہ بصورت ذم ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اس لئے جب بھی زبان فضول گوئی کا تقاضا کرے تو یہ سوچا کریں کہ اس میں آپ کا

کتنا نقصان ہے۔

نہی عن المنکر کا فائدہ:

آپ خود بھی ان نسخوں پر عمل کریں اور انہیں آگے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچانے کا اہتمام کریں، آگے پہنچانے کے بہت سے فائدے ہیں، مثلاً:

۱ آپ نے اپنا فرض اداء کیا۔

۲ جب آپ بات آگے پہنچائیں گے تو دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا اس میں آپ کا بھی دینی فائدہ ہے کہ آپ کو ثواب ملے گا۔

۳ جیسے جیسے دین کی باتیں آگے پہنچیں گی اور معاشرہ سدھرتا جائے گا سب کے لئے دین پر قائم رہنا آسان ہو جائے گا، مثلاً دین کی یہی بات لے لیں کہ آپ نے اپنے ماحول میں سب لوگوں کی یہ ذہن سازی کر دی کہ فضول گوئی کے اتنے اتنے نقصان ہیں خاموشی کے یہ یہ فوائد ہیں۔ جب سب کا ذہن بنا دیا اور سب نے طے کر لیا کہ ہم اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کریں گے تو آپ کے لئے اور دوسرے تمام ملنے والوں کے لئے شریعت کا یہ حکم آسان ہو گیا۔ جب بھی کوئی ملے سلام کے بعد مختصر سے الفاظ میں خیرت پوچھی اور تسبیح نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی چونکہ دوسرے کا بھی ذہن بنا ہوا ہے وہ بھی یہی کرے گا۔ فضول باتوں کی بجائے ذکر میں لگ جائے گا۔ تیسرا بھی یہی کرے گا غرض تمام اہل مجلس اس گناہ سے بآسانی بچ جائیں گے۔ سب کے لئے دین پر چلنا آسان ہو گیا۔

۴ جتنی بار آپ بات کریں گے آپ میں زیادہ مضبوطی پیدا ہوگی۔ ایک بار بات سن لی کان میں پڑ گئی تو یہ سبق کا پہلا مرحلہ ہے پھر جب اسے زبان پر لائے اور دوسروں تک پہنچائی تو سبق پختہ ہو گیا۔ پھر آگے جتنی بار دہراتے جائیں گے اتنی ہی پختگی اور مضبوطی پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

آگے پہنچانے کے اتنے فائدے ہیں اس لئے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک یہ باتیں پہنچائیں اگر عین وقت پر پہنچا دیا کریں تو زیادہ فائدہ ہوگا کسی کو بیکار باتوں میں مشغول دیکھیں اور مناسب طریقے سے ٹوک دیں تو اس کا فائدہ زیادہ ہوگا، سننے والے کو بھی کہ بروقت انجکشن لگ گیا اور مرض کا علاج ہوگیا۔ ٹوکنے والے کو بھی فائدہ کہ بروقت اس نے نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔ اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہوگا۔

حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت فرما رہے ہیں:

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

(۳۱-۱۷)

بیٹے کو پیار کے انداز میں نصیحت فرما رہے ہیں کہ میرے برخوردار! میرے پیارے بچے! نماز پابندی سے پڑھو، لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے رہو، برائیوں سے روکتے رہو۔ جہاں تک نماز قائم کرنے اور بھلائی کا حکم کرنے کا معاملہ ہے یہ دونوں کام نسبۃً آسان ہیں اس لئے ان کے ساتھ مزید کوئی ہدایت نہیں دی لیکن تیسرے نمبر پر جو نصیحت فرمائی: وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ یہ بہت مشکل کام ہے، جب کوئی نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے گا تو خطرات میں گھر جائے گا لوگ اس کے دشمن بن جائیں گے۔ اس لئے تیسری نصیحت کے بعد متصل چوتھی نصیحت بھی فرما دی: وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ۔ کہ نہی عن المنکر کے نتیجے میں جو تکلیف اور مصیبت پہنچے اس پر صبر کیجئے۔ جیسے ہی آپ لوگوں کو گناہوں پر ٹوکیں گے انہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم سے بچانے کی کوشش کریں گے وہ آپ کے مخالف اور دشمن بن جائیں گے آپ کتنی ہی خیر خواہی اور دوستی کا ثبوت دیں مگر وہ نادان اپنے دوست کو دشمن ہی تصور کریں گے اسے طرح طرح کی ایذائیں دیں گے بلکہ جان کے درپے ہوں گے، اس لئے فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ۔ کہ ان کی تمام ایذاء رسانیوں پر صبر و تحمل کیجئے، ان کا معاملہ اللہ

تعالیٰ کے سپرد کیجئے اور اپنا فرض اداء کرتے چلے جائیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اللہ کا بندہ نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے اور لوگوں کی ایذاء رسانی سے محفوظ رہے۔

بہرحال جہاں کہیں منکر دیکھیں حسب موقع بات کہہ دیا کریں اور اگر آپ ڈرتے ہیں تو زیادہ بحث و مباحثہ نہ کریں ایک بار کہہ دیا کریں کہ یہ گناہ ہے اپنا فرض اداء کر دیں ایک بار بات تو چلا دیں آگے بحث نہ کریں بس ایک بار کہہ کر فرض سے سبکدوش ہوگئے آگے مزید بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں مگر قصہ یہ ہے کہ آج کا مسلمان حق کی بات کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہے یہ سوچ سوچ کر حق بات کہنے سے رک جاتا ہے کہ فلاں عزیز یا دوست کو حق بات کہہ دی تو وہ ناراض ہو جائے گا، بیگم کو پردے کا کہہ دیا تو وہ بگڑ جائے گی اگر دوست ناراض ہوگئے رشتہ داروں نے رخ پھیر لیا تو اس کا کیا بنے گا؟ اگر خدانخواستہ بیگم بگڑ گئی تو زندہ کیسے رہے گا۔ بس یہ سوچ سوچ کر گھلتا رہتا ہے اور حق بات کہنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنی اتنی محبت بھر دے جو دنیا بھر کی محبتوں پر، دنیا بھر کے تعلقات پر غالب آجائے، اپنی محبت کی ایسی چاشنی عطاء فرما جس کے سامنے پوری دنیا کا خوف، دنیا بھر کی طمع اور لالچ فناء ہو جائے، یا اللہ اپنی رحمت سے ایسی محبت عطاء فرمادے۔

وصل اللّٰھم وبارك وسلم علی عبدك ورسولك محمد وعلی اٰله وصحبه اجمعین والحمد للّٰه رب العٰلمین.

حقوق القرآن

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام: حقوق القرآن

بمقام: جامع مسجد دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ:

بوقت: بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

مطبع: حسان پرنٹنگ پریس فون: ۶۶۴۱۰۱۹-۰۲۱

ناشر: کتاب گھر، ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۶۶۰۲۳۶۱-۰۲۱ فیکس: ۶۶۲۳۸۱۴-۰۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعظ

حقوق القرآن

(۲ محرم ۱۴۰۲ھ)

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۝﴾ (۲۵-۳۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ آپ قرآنِ مجید کو چومتے تھے اور یہ

کلمات کہتے تھے:

"عهد ربي ومنشور ربي عزوجل"

ترجمہ: "یہ میرے رب عزوجل کا عہد ہے اور اس کے قوانین کا مجموعہ ہے۔"

مولویوں میں سے ہم نے کسی کو قرآنِ مجید چومتے نہیں دیکھا، البتہ استاذ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو چوما کرتے تھے، تلاوت سے قبل قرآنِ مجید کو چوما کریں، آنکھوں سے لگائیں، دل سے لگائیں، سر پر رکھیں اور چومتے ہوئے کہیں "عهد ربي ومنشور ربي عزوجل" یہ میرے رب عزوجل کا عہد نامہ ہے اور اس کے قوانین کا مجموعہ ہے، "عهد ربي" کے معنی ومطلب میں غور کریں اور سوچیں کہ اس قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے کچھ وعدے لئے ہیں، یہ قرآن اللہ تعالیٰ سے ایک معاہدہ ہے، ہم اس کو پڑھ تو رہے ہیں گھر میں تو رکھا ہوا ہے، مگر اس میں کیا کیا عہد ہیں؟ کن کن چیزوں پر عمل کرنا ہے، کن کن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، اس عہد کی تفصیل کیا ہے؟ اس کے مطابق عمل ہو رہا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کر رہے ہیں؟ اس کو سوچا جائے، "منشور ربي عزوجل" یہ میرے رب عزوجل کے احکام ہیں اور قوانین ہیں، ان میں کوئی حکم مشکل نہیں، اس لئے کہ اتارنے والا ہمارا رب ہے جو انتہائی شفیق، کریم اور رحیم ہے، تلاوت میں ان باتوں کو سوچا جائے۔

جب تلاوت شروع کریں تو یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں، اور ان کا کلام خود انہی کو سنا رہا ہوں اور وہ اپنا کلام سن کر خوش ہو رہے ہیں، دنیا میں آپ کسی مصنف، مضمون نگار یا شاعر کو اس کا کلام پڑھ کر سنائیں، وہ کتنا خوش ہوتا ہے، قرآنِ مجید سے متعلق بھی یہی سوچیں کہ خود صاحب کلام اللہ تعالیٰ کو پڑھ کر سنا رہا ہوں، وہ کتنا خوش ہو رہے ہوں گے، یوں کلام پاک کی تلاوت شروع کی جائے تو

ظاہر ہے کہ انسان خوب دل حاضر کر کے متوجہ ہو کر خشوع وخضوع کے ساتھ اور الفاظ کی تصحیح کا خیال رکھتے ہوئے خوب مزے لے لے کر تلاوت کرے گا۔

لیکن اس میں ایک اشکال ہے کہ جب یہ تصور کر کے تلاوت کریں گے تو ظاہر ہے کہ بہت آہستہ آہستہ مزے لے لے کر پڑھیں گے، اور ہر لفظ کو خوب تجوید کے ساتھ اداء کریں گے اور ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے تلاوت کریں گے اس طرح تلاوت تھوڑی سے مقدار میں ہوسکے گی، کبھی تو مضامین کی طرف توجہ کر کے بالکل رک جائیں گے، اپنا قصہ یاد آگیا، جب میں دارالعلوم کورنگی میں تھا، ایک بار وہاں سے شہر کی طرف آنا ہوا، راستہ میں تلاوت شروع کر دی، مختلف کاموں کی وجہ سے مختلف مقامات پر جانا پڑا، دارالعلوم واپسی تک تقریباً تین گھنٹے تک ایک ہی آیت دہراتا رہا، اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا، اس ایک آیت میں ایسا مزا آیا کہ بار بار اسی کا تکرار، بار بار اسی کا تکرار، آیت بھی بتا دوں حالانکہ بظاہر عوام یہ سمجھیں گے کہ اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ (۳۰-۳۹)

اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے یہ خیال آگیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل ہو؟ بس اسی خیال میں محو ہوگیا، اتنا مزا آیا، اتنا مزا آیا کہ اب چھوڑیں تو کیسے چھوڑیں؟ فرمایا تم لوگ سمجھتے ہو کہ سودی لین دین اور ناجائز آمدنی کے ذریعہ مال جمع ہوتا ہے، مگر اس طریقہ سے جمع نہیں ہوتا، جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ ہیں مال بڑھانے والے، یہ ایسے ہوشیار تاجر ہیں کہ ان کو مال بڑھانے کا بہت عمدہ نسخہ معلوم ہے، یہ نہیں فرمایا کہ ان کا مال بڑھتا ہے، بلکہ فرمایا "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ" یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو بڑھانے کے ماہر ہیں، "يُضْعِفُوْنَ" نہیں فرمایا "مُضْعِفُوْنَ" فرمایا یہ صفت کا صیغہ ہے جو مہارت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ مال

بڑھانے میں خوب مہارت رکھتے ہیں، یہ لوگ کون ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، جہاں بھی کوئی ایسا مضمون آئے اس پر غور کیا جائے، خاص طور سے قرآن مجید کے دو قسم کے مضامین بہت غور طلب ہیں، ایک وہ مضامین جہاں قرآن ایمان والوں کی صفات بیان کرتا ہے، ایمان والے ایسے ہوتے ہیں، دوسرے پارے کے دوسرے پاؤ کے شروع میں: "لَيْسَ الْبِرَّ" اور "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ" کا پہلا رکوع اور سورۂ فرقان کا آخری رکوع دیکھئے ان میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ ایمان والے لوگ کیسے ہوا کرتے ہیں؟ ایسے مقام پر سوچیں کہ مؤمن تو ہم کہلاتے ہیں اور خود بھی اپنے آپ کو مؤمن سمجھتے ہیں پھر یہ قرآن کی بیان کی ہوئی صفات ہم میں کیوں نہیں؟ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور ساتھ ساتھ دعاء بھی کی جائے۔

مؤمنین کی صفات:

قرآن نے مؤمنین کی یہ صفات بھی بار بار بیان فرمائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام سن کران کے دل دہل جاتے ہیں اوراس کا کلام سن کر آنکھیں بہنے لگتی ہیں۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (۲۲-۳۴،۳۵)

ترجمہ: "آپ (ایسے احکام الٰہیہ کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو جنت وغیرہ کی خوش خبری سنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔"

﴿وَإِذَا سَمِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾ (۵-۸۳)

ترجمہ: "اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو

آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔"

جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کی آنکھیں بہنے لگتی ہیں، تنا روتے ہیں کہ ان کی آنکھیں بہی جارہی ہیں، یہی نہیں کہ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں بلکہ خود ان کی آنکھیں بہی جارہی ہیں۔

ایسی بے شمار آیات ہیں جن میں یہ مضمون ہے کہ اہل ایمان اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں اور ایسے ہوتے ہیں، سوچیں کہ ہمارے اندر یہ صفات کیوں نہیں؟ اور جب نہیں ہیں تو کیسے پیدا کی جائیں؟ ﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝﴾ (۲۵-۵۹) رحمٰن کی شان کسی باخبر سے پوچھنا چاہئے۔ رحمٰن کیسے راضی ہو؟ ایمان والوں کی صفات کیسے حاصل ہوں؟ ان صفات کی تحصیل کا کیا طریقہ ہے جن سے رحمٰن راضی ہو؟ یہ کسی باخبر سے پوچھئے، سب کو معلوم نہیں ہوتا، ﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝﴾ باخبر لوگوں سے پوچھئے، ان صفات کو حاصل کرنے کا اہتمام کیجئے اور دعاء بھی کیجئے۔

قرآن کی صفات

دوسری قسم وہ ہے جس میں قرآن کی صفات کا بیان ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (۱۰-۵۷)

مطلب یہ کہ "قرآن نصیحت ہے، سینے کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے اور ہدایت ہے اور مؤمنین کے لئے رحمت ہے۔"

عاملوں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں یہ آیا کہ قرآن شفاء ہے مثلاً: "شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ، يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ" وغیرہ۔ ان

سب آیات کو جمع کیا تعویذ بنا کر پہنا دیا یا زعفران سے طشتریوں میں لکھ کر دھو کر پلا دیا، چلو! اب نہ کوئی مرض رہے نہ آسیب نہ پریت اور نہ سفلی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قرآن دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔''

دل کی بیماریاں کیا ہیں؟ ان کا ذکر خود دوسری آیات میں موجود ہے اور بعض دل وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نور ودیعت فرما دیتے ہیں۔

﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾ (۶-۱۲۲)

تَرْجَمَۃ: ''بہت سے دل ایسے ہیں کہ وہ مردہ تھے، ہم نے ان کو جلا دیا ان میں نور پیدا کر دیا اور وہ نور لئے ہوئے لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔''

بظاہر یہ دوسرے لوگوں کی طرح چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، دیکھنے میں سب ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں، جیسے وہ انسان ہیں ویسے ہی یہ انسان، لیکن بعض کے دل میں نور ہے اور بعض کے دل میں نور نہیں، وہ نور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، فکر آخرت، اللہ تعالیٰ کی رضا کی تڑپ اور لگن، ان کے اعمال سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں نور ہے۔

دل میں نور پیدا ہونے کی علامت:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس نور کی علامت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تین علامتیں بیان فرمائیں:

''التجافی من دارالغرور والانابة الی دارالخلود

والاستعداد للموت قبل نزوله" (حاکم بیہقی، فی شعب الایمان)

یہ علامتیں ہیں نور کی، ویسے کوئی لالٹین یا ٹیوب لائٹ نہیں لگ جاتی، جو سب کو نظر آجائے، بلکہ نور کی علامت یہ ہے کہ اس دنیا سے جو کہ دارالغرور ہے دھوکے کا گھر ہے، بعد اور انقباض پیدا ہو جائے، اس سے بے توجہی اور بے اعتنائی برتنے لگے، بس دنیا میں اس کا دل نہ لگے۔ "والانابة الى دارالخلود" جو ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، وطن کے لئے کچھ کرلوں، وہاں کے لئے کچھ بنالوں، اور "والاستعداد للموت قبل نزوله" موت آنے کے بعد تو کچھ ہوگا نہیں، اس کے آنے سے پہلے ہی تیاری کرلوں، اس لئے کہ جب موت آگئی تو عمل کا دروازہ بند ہوگیا، اب کچھ نہیں ہو سکتا، موت سے پہلے ہی کچھ کرلے، یہ تین علامتیں بیان فرمائیں جس میں یہ تین علامتیں ہوں سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں نور پیدا فرمادیا ہے۔

لہٰذا قرآنِ مجید پڑھتے وقت سوچنا چاہئے کہ مؤمنین کی صفات ہمارے اندر ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہیں تو کیوں؟ اس کی فکر کرے کہ ہمارے اندر یہ صفات آجائیں، اسی طریقہ سے قرآنِ مجید کی جو صفات بیان ہوں انہیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾ (۱۰-۵۷،۵۸)

یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار صفات بیان فرمائی ہیں، ایک موعظہ یعنی نصیحت، دوسری صفت دلوں کی شفاء، تیسری صفت ہدایت، اور چوتھی صفت رحمت، ان چاروں لفظوں میں تنوین تعظیم کے لئے ہے، اس لئے معنی یہ ہوئے کہ قرآن مجید بہت بڑی نصیحت ہے اور دلوں کے لئے بہت بڑی شفاء ہے اور بہت بڑی ہدایت ہے اور

بہت بڑی رحمت ہے، قرآن مجید کی ان صفات کے ساتھ آج کے مسلمان کا کیا معاملہ ہے؟ نصیحت حاصل کرنے کی بجائے قرآن کے ایک ایک حکم کی مخالفت، دلوں کی شفاء کا مطلب تو یہ ہے کہ دلوں سے دنیائے مردار کی محبت نکال کر دلوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور فکر آخرت سے منور و معمور کیا جائے مگر آج کے مسلمان نے اس آیت کو دھو کر پینا شروع کر دیا، اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے گمراہی حاصل کر رہے ہیں اور قرآن کے احکام پر عمل کر کے اسے اپنے لئے رحمت بنانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی و انحراف کر کے عذاب و قہر الٰہی کی دعوت دے رہے ہیں۔

آگے فرمایا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، ان کی رحمت ہے نعمت ہے ایسی نعمت کہ دنیا کی تمام نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں: ”هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ“ دنیوی مال و دولت، عزت و منصب وغیرہ غرض سب سے بڑی نعمت۔ اب ذرا سوچیں کیا ہم نے قرآن کے شایان شان قدر کی؟ کیا ہم واقعۃً قرآن کو ایسا ہی سمجھتے ہیں؟ اور کیا یہ نعمت اور رحمت ہم قرآن سے حاصل کر رہے ہیں؟ یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو جب ہی ہوگی کہ اس کے مطابق زندگی بنائی جائے، اگر اس کے مطابق زندگی نہیں بنائی جاتی تو وہ رحمت نہیں بلکہ عذاب ہے۔

دو قسم کے مضمون میں نے بیان کیے ہیں، ایک تو یہ کہ قرآن میں ایمان والوں کی صفات کیا ہیں؟ دوسرا یہ کہ خود قرآن کی صفات کیا ہیں؟ انہیں سوچا جائے، اپنی حالت کا محاسبہ کیا جائے۔

ایک تیسرا مضمون جو بہت ہی اہم ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کو قرآن بہت ہی بلیغ انداز میں بڑے ہی عجیب اسلوب سے بیان کرتا ہے، جہاں جہاں ایسے مضامین پر پہنچیں ان پر غور کریں سوچیں اور دعاء کرتے جائیں کہ ان کے مطابق عمل ہو جائے، اس طریقہ سے جب آپ تلاوت شروع کریں گے وہ تو بس تھوڑی سی مقدار میں ہو پائے گی، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی آیت پر پہنچ کر اس کی لذت میں ایسے

مست ہو جائیں کہ اسی پر ٹھہر جائیں، اسی کی تلاوت میں گھنٹوں لگا دیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اب اشکال یہ ہے کہ اس طریقہ سے قرآن یاد کیسے ہوگا؟ حفظ قرآن کا تو سلسلہ ہی بند ہو جائے گا، اس کا حل یہ ہے کہ شروع تو اسی طریقہ سے کریں کہ گویا اللہ تعالیٰ کا کلام انہی کو سنا رہا ہوں اور وہ سن کر خوش ہو رہے ہیں، ہمیں بھی لذت آ رہی ہے، مگر تھوڑی سی تلاوت کے بعد یہ تصور باندھ لیں کہ اب انہوں نے ہی حکم دے دیا ہے کہ آگے جلدی جلدی پڑھو تا کہ یاد ہو جائے، آہستہ پڑھنے میں گو تمہیں لذت آ رہی ہے، یہ طریقہ ٹھیک ہے، مگر اسے یاد بھی کرنا ہے، اس کی حفاظت بھی کرنا ہے، یہ سوچ کر جلدی سے تلاوت شروع کر دیں اور اسے محبوب کا حکم سمجھیں، پہلے ترتیل سے پڑھنے میں بھی محبوب کے حکم کی تعمیل تھی، اب جلدی پڑھنے میں بھی انہی کے حکم کی تعمیل اور انہی کی رضا جوئی ہے لیکن جلدی میں ایسا بھی نہ کرے کہ "یَعْلَمُوْنَ، تَعْلَمُوْنَ" کے سوا کچھ پلے ہی نہ پڑے، الفاظ کی صحت، مخارج کی رعایت دونوں صورتوں میں ضروری ہے، اس طریقہ سے قرآنِ مجید کی تلاوت کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

(۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ)

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝﴾ (۲۵-۳۰)

ختمِ قرآن موقعِ خوشی یا استغفار:

آج قرآنِ مجید کا ختم ہوا، آپ نے قرآن سن لیا اس لحاظ سے یہ خوشی کی بات ہے، مگر ایک دوسرے پہلو سے یہ خوشی کا موقع نہیں بلکہ استغفار وتوبہ کا موقع ہے، وہ یہ کہ ہم نے قرآنِ مجید کا کیا حق اداء کیا؟ رمضان المبارک کے کیا حقوق ادا کئے؟ ہماری عبادت کی کمیت کیا رہی؟ پھر کیفیت کیا رہی؟ یعنی عبادت کی مقدار کیا ہوئی؟ پھر جس مقدار میں ہوئی اس میں اخلاص کتنا تھا؟ توجہ کتنی تھی؟ فکرِ آخرت کتنی رہی؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝﴾ (۵۱-۱۷،۱۸)

اللہ تعالیٰ کے بندے راتوں کو بہت کم سوتے ہیں، اولاً تو "قَلِيْلًا" کے معنی ہی کم کے ہیں، پھر اس پر تنوین ہے جس کے معنی ہیں اور کم، آگے "مِنْ" ہے اس کا مطلب ہے اور کم، اس کے بعد پھر "مَا" ہے اس کے معنی بھی ہیں اور کم، گویا چار تاکیدوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہمارے بندے راتوں میں ہماری یاد میں اس طرح لگ جاتے ہیں کہ وہ کم کم کم کم سوتے ہیں، ہماری یاد میں لگے رہتے ہیں، بہت ہی کم سوتے ہیں، جب صبح ہونے لگتی ہے تو خوشیاں نہیں مناتے، مٹھائی نہیں کھاتے بلکہ: "وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" وہ اللہ کے بندے ساری رات عبادت کر کے بوقت سحر توبہ و استغفار میں لگ جاتے ہیں کہ یا اللہ! ہم سے تیری عبادت کا حق اداء نہیں ہوا، اس پر استغفار کرتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ (۲۳-۶۰)

ہمارے بندے جب کوئی عبادت کر رہے ہوتے ہیں تو ان کے دل دہل رہے ہوتے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ ہماری عبادت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ثواب کی بجائے گرفت ہو جائے، عذاب ہونے لگے، گرفت ہو جائے کہ تم نے ہماری کیسی ناقص اور نکمی عبادت کی، عبادت کرتے ہوئے بھی ان کے دل دھڑک رہے ہوتے ہیں کہ نہ معلوم یہ قبول بھی ہے یا نہیں؟ یا اللہ! تو قبول فرما لے۔

آج کی رات میں لوگوں کو ایک ہی بات یاد رہتی ہے کہ خوشی کا موقع ہے، خوشی منائو، مٹھائیاں کھائو اور کھلائو، اللہ کے بندو! اس کے ساتھ یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کچھ ہدایات بھی دی ہیں، صرف خوشی ہی نہیں، قرآن کے کچھ دوسرے حقوق بھی ہیں۔ اللہ کے وہ بندے جن کا اتنا اونچا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صفات قرآنِ مجید میں بیان فرمارہے ہیں کہ ہمارے بندے ایسے ہیں ان کی صفات و کیفیات ایسی ہیں، ان کی تو یہ حالت ہے کہ عبادت کرتے ہوئے بھی ڈرتے اور استغفار کرتے رہتے ہیں، ذرا سوچئے آج کے مسلمان کا کیا حال ہے کہ روزہ رکھے ہوئے ہیں، گناہ پھر بھی نہیں چھوڑتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص روزہ رکھ کر گناہ نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں، یعنی بھوکا پیاسا مرتا رہے، ثواب کچھ نہیں۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"روزہ جہنم سے ڈھال ہے، جب تک کہ اس کو جھوٹ یا غیبت سے پھاڑ نہ ڈالے۔"

یعنی اگر روزہ دار نے گناہ کرکے اس ڈھال کو پھاڑ ڈالا تو یہ روزہ جہنم سے نہیں بچائے گا، ڈھال جب ہی ہے کہ روزہ رکھ کر گناہ نہ کرے، مگر آج کے مسلمان کو تو گناہ کا ایسا چسکا پڑا ہے کہ یہ حدیث سن کر شاید روزہ رکھنا ہی چھوڑ دے گناہ تو چھوڑے گا نہیں، ان حالات میں ذرا سوچنا چاہئے کہ کس چیز کا موقع ہے، رونے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کا موقع ہے یا خوشیاں منانے کا؟ چلئے آپ کی بات مان لیتے ہیں کہ یہ خوشی ومسرت وشکر نعمت کا موقع ہے، تو سوچئے کہ شکر کیسے اداء کیا جاتا ہے؟ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں راتوں میں کھڑے رہتے اور اتنا قیام فرماتے، اتنی لمبی نماز پڑھتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تو بخشے بخشائے ہیں، اتنی لمبی نمازیں

پڑھنے کی کیا ضرورت؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"افلا اکون عبدا شکورا"

ترجمہ: "میرے مولیٰ نے مجھے بخشا بخشایا کر دیا کیا میں اس پر شکر اداء نہ کروں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکر نعمت کے لئے زیادہ سے زیادہ عبادت فرماتے اور طویل سے طویل نماز اداء فرماتے، اللہ تعالیٰ کی طرف اور زیادہ توجہ فرماتے اور یہاں مٹھائی کھانے، مساجد میں چراغاں اور دوسری خرافات و بدعات سے شکر نعمت اداء کیا جارہا ہے۔

کسی نے کسی سے پوچھا قرآنِ مجید میں دعائیں تو بہت سی ہیں آپ کو کون سی دعاء پسند ہے؟ کہنے لگا: سبحان اللہ! قرآن مجید کا کیا کہنا، اس کی ساری دعائیں ہی اچھی ہیں، مگر مجھے تو ایک دعاء بہت پسند آئی:

﴿رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (۵-۱۱۴)

ترجمہ: "اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دستر خوان اتار دے۔"

پھر پوچھا احکام میں سے کون سا حکم پسند ہے؟ کہا: سبحان اللہ! احکام بھی قرآن کے سب عمدہ ہیں، مگر ایک حکم مجھے بہت پسند ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ (۷-۳۱)

ترجمہ: "کھاؤ اور پیو۔"

آج کے مسلمان کو بھی شکر نعمت کا ایک ہی طریقہ یاد ہے کہ کھاؤ اور کھلاؤ، یہ نہیں کہ قرآن پر کچھ عمل بھی ہو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش بھی ہو، کچھ نہیں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں۔

شاید سمجھتے ہیں کہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے، مغفرت کے لئے ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ جو آپ لوگ ہمیشہ سنتے رہتے ہیں کہ

رمضان المبارک میں سب کی مغفرت ہو جاتی ہے، عید کے دن سارے ہی بخش دیئے جاتے ہیں، خوب سن لیجئے! کہ مغفرت صرف ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو خود اپنی مغفرت چاہتے بھی ہوں، جو گناہ چھوڑ دیتے ہیں، استغفار کرتے ہوں ابھی ابھی آپ نے حدیث سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روزہ جہنم سے ڈھال ہے اور ڈھال اسی وقت تک ہے کہ اسے پھاڑا نہ جائے، اگر گناہوں کے ذریعہ اسے پھاڑ دیا گیا تو یہ کسی کام کی نہیں رہی۔

قرآن کے حقوق:

بات یہ چل رہی تھی کہ قرآن کا صرف یہی حق نہیں کہ ایک بار سن کر ختم کر کے خوشی منالی جائے، مٹھائی تقسیم کر دی جائے، قرآن کے کچھ اور حقوق بھی ہیں، سب سے بڑا حق ہے قرآن پر عمل کرنا، عمل تو درکنار آج مسلمان کو قرآنِ مجید کے الفاظ بھی صحیح نہیں آتے، یقین نہ آئے تو سن کر دیکھ لیجئے، شاید لاکھوں میں ایک مسلمان ایسا ہو کہ قرآن صحیح پڑھتا ہو ورنہ سب لوگ قرآن کے نام سے جو پڑھتے ہیں اللہ جانے کیا پڑھتے ہیں؟ کون سی زبان پڑھتے ہیں؟ قرآن تو ہے ہی نہیں، قرآن تو جب ہی ہوگا کہ اس کے ہر حرف کو دوسرے سے الگ اس کے صحیح مخرج سے اداء کریں گے، مثلاً ذ، ز، ض، ظ یہ چار الگ الگ حروف ہیں، اسی طرح ث، س، ص یہ بھی الگ الگ ہیں، جب تک آپ ان میں فرق نہیں کریں گے فرق بھی ایسا کہ سننے والے کو پتا چل جائے کہ یہ کون سا حرف نکال رہا ہے، اس وقت تک وہ قرآن نہیں کہلائے گا، وہ آپ کی اپنی زبان ہوگی، میں حیران ہوں مسلمان دوسری زبانوں میں خصوصاً انگریزی میں تو بہت ہوشیار ہے، کوئی بولنے میں ذرا بھی غلطی کرے فوراً پکڑیں گے، مگر قرآن کتنا ہی غلط پڑھا جائے، کوئی پوچھنے والا ہی نہیں، اگر آپ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی خاطر قرآن سنتے ہیں تو پھر میں کہوں گا کہ اللہ کے لئے قرآن صحیح کرنے کی کوشش کیجئے، ایک بات

ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالی، مجھے ہمیشہ سے یہ افسوس ہوتا ہے کہ مسلمان نے قرآن کو کھانے پینے کا دھندا بنا رکھا ہے خوانیاں کرتا کراتا ہے، مگر عمل کچھ نہیں، قرآن پڑھتا رہتا ہے، مگر سدھرتا نہیں، اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ ابھی سمجھ میں آئی کہ یہ خوانیوں والے قرآن نہیں پڑھ رہے ہوتے اسے جو بھی نام دیں یہ قرآن نہیں، قرآن تو جب ہی ہوگا کہ اسے قرآن کے قواعد کے مطابق پڑھیں۔

ایک مثال پہلے بھی بتائی تھی کہ عرب اور ایران کے لوگ ''ٹ'' نہیں بول سکتے اس کی بجائے ''ت'' کہتے ہیں، یہاں ایران کے ایک مہمان آئے میں نے کھانا سامنے رکھا، اور مزاحاً کہا روتی کھایئے، اب آپ بتائیں کہ روٹی کو کوئی روتی کہے تو کیا آپ سمجھ جائیں گے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ آپ تو یہی سمجھیں گے کہ شاید یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں لڑکی رو رہی ہے، کون سمجھے گا کہ یہ روٹی کہہ رہا ہے روتی کا مطلب کچھ اور ہے اور روٹی کا مطلب کچھ اور، اسی طرح عرب میں ''پ'' کا حرف نہیں ہے، وہ پانی کہنا چاہیں گے تو اس کی بجائے بانی کہیں گے یا فانی، اب آپ کیا سمجھیں گے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ بانی کے معنی تو ہیں کسی چیز کی بنیاد رکھنے والا اور فانی کے معنی ہیں فنا ہونے والا، ان کے معنی کون سمجھے گا؟ عربی ''وٗ'' اور اردو ''وٗ'' میں بھی بہت فرق ہے۔ عربی ''وٗ'' دونوں ہونٹوں کو ملا کر بولی جاتی ہے، جیسے انگریزی میں ''ڈبلیو'' کہتے ہیں، اس کے برعکس اردو ''وٗ'' بولنے کے لئے نچلا ہونٹ اوپر کے دانتوں سے لگایا جاتا ہے جیسے انگریزی میں ''وی'' کہتے ہیں، عربی میں یہ حرف نہیں انہیں انگریزی کے الفاظ عربی رسم الخط میں لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو ''وی'' کے لئے نیا رسم الخط ایجاد کرنا پڑا، ''ف'' پر تین نقطے ''ڤ'' چنانچہ ''وٹامن'' کو ڤیتامین'' لکھتے ہیں ''وی'' کی طرح ''ڈی'' اور ''ٹی'' بھی عربی میں نہیں مگر ان دونوں کے لئے انہوں نے کوئی الگ رسم الخط نہیں بنایا بلکہ ''ڈی'' کو ''د'' کی صورت میں اور ''ٹی'' کو ''ت'' کی صورت میں لکھتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ عربی میں ''د'' اور ''ڈ'' کے درمیان اور ''ت'' اور ''ٹ'' کے درمیان جتنا

فرق ہے اس سے کئی گنا زیادہ فرق عربی ''ڈ'' اور اردو ''ڈ'' کے درمیان ہے۔ اسی لئے تو وہ ''وی'' لکھنے کے لئے نیا رسم الخط ایجاد کرنے پر مجبور ہوئے مگر ''ڈی'' اور ''ٹی'' کے لیا نیا رسم الخط بنانے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ اب ذرا غور کریں کہ اگر کوئی قرآن مجید میں ''ذ'' کی جگہ ''ڈ'' اور ''ت'' کی جگہ ''ٹ'' پڑھے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ اس سے سمجھ لیں کہ عربی ''ذ'' کی جگہ اردو ''ڈ'' پڑھنا اس سے بھی کئی گنا زیادہ برا ہے۔

عربی میں ث، س، ص، یہ تینوں الگ الگ حروف ہیں، ان کی آواز بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ ہے اسی طرح ذ، ز، ض، ظ یہ چاروں الگ حروف ہیں، ہر ایک کی آواز دوسرے کی آواز سے الگ ہے اور ایک کی بجائے دوسرا حرف پڑھنے سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔

میں نے ایک بچی سے نام پوچھا تو بتایا ''سمینہ'' میں نے کہا سمینہ تو موٹی کو کہتے ہیں، یہ کیسا نام رکھا؟ اس نے کہا کہ ''سے'' کے ساتھ سمینہ، میں نے کہا ''سے'' تو عربی میں کوئی حرف ہے ہی نہیں، تو بولیں، ''سے'' جس پر تین نقطے ہوتے ہیں، میں نے کہا ''سے'' پر تو کوئی ایک نقطہ بھی نہیں البتہ ''ثا'' پر تین نقطے ہیں، اب غور کیجئے کہ نام تو رکھنا چاہتے ہیں ثمینہ، جس کے معنی ہیں ''قیمتی'' مگر کہتے ہیں سمینہ یعنی موٹی۔

اسی طرح بہت سے لوگ بچی کا نام ''صائمہ'' رکھنے کے بارے میں پوچھتے ہیں مگر ''سائمہ'' کہتے ہیں، صائمہ کے معنی ''روزہ دار'' اور سائمہ کے معنی ''چرنے والی'' مجھے بہت تعجب ہوتا تھا کہ یہ نام ''چرنے والی'' کیوں رکھتے ہیں؟ ایک بار خیال آیا کہ کہیں یہ ''صائمہ'' کو تو ''سائمہ'' نہیں کہہ رہے؟ سائل سے پوچھا کہ ''ص'' سے یا ''س'' سے؟ تو بولے ''ص'' سے جب اس کی حقیقت کھلی، نام تو ''صائمہ'' بھی فضول ہے ''روزہ دار'' بھی بھلا کوئی نام ہے؟ مگر سائمہ ''چرنے والی'' کے بنسبت پھر بھی غنیمت ہے۔

اسی طرح ذل، زل، ضل، ظل چاروں کے معانی الگ الگ ہیں، ذل ''ذلیل

ہوا"، زل "پھسل گیا"، ضل "گمراہ ہوا"، ظل "قریب ہوگیا" لوگ سب کو ایک ہی طرح "زل" پڑھتے ہیں، اس لئے اگر آپ نے "ث" کی بجائے "س" یا "ص" کی بجائے "س" پڑھ دیا، یا "ز" کے بجائے "ذ" اور "ذ" کے بجائے "ظ" یا "ظ" کے بجائے "ض" پڑھ دیا تو یہ قرآن نہیں، ان حروف کا جب آپ الگ الگ تلفظ کرتے ہیں تو کہتے ہیں یہ "ظاء" ہے یہ "ضاد" ہے وغیرہ وغیرہ، اسی طریقہ سے تلاوت میں بھی جب تک ان کو الگ الگ ظاہر نہیں کریں گے جس سے سننے والا بھی سمجھ جائے کہ اس نے فلاں حرف اداء کیا ہے اس وقت تک یہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں ہوگی۔ مجھے بڑا افسوس ہوتا تھا کہ لوگ قرآن پڑھ پڑھ کر اس پر عمل کیوں نہیں کر رہے؟ خوانیوں پر خوانیاں ہو رہی ہیں، مٹھائیاں بٹ رہی ہیں، خوشیاں منائی جا رہی ہیں، سب کچھ ہو رہا ہے، مگر قرآن کا کچھ اثر نہیں ہو رہا عمل کا نام تک نہیں مگر آج تسکین ہوگئی کہ یہ جو غلط سلط پڑھتے ہیں قرآن تو ہے نہیں اس پر غم کرنے کی کیا ضرورت؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کفار مجھے گالیاں دیتے ہیں مگر ان کی گالیاں مجھے نہیں لگتیں اللہ تعالیٰ ان کی گالیاں مجھ سے ہٹا دیتے ہیں، میں "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" ہوں اور یہ "مذمم" کو گالیاں دیتے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے "مذمم" کہہ کر گالیاں دیتے تھے، مذمم کے معنی ہیں "برا" اور محمد کے معنی "تعریف کیا گیا"۔

اب معلوم ہوگیا کہ یہ قرآن تو پڑھتے نہیں اثر کس چیز کا ہو، عمل کس پر کریں؟ سو پہلا حق تو یہی ہے کہ قرآن کے الفاظ درست کیجئے! اگر قرآن پر ایمان ہے اس سے محبت ہے تو اسے بگاڑیئے مت! قرآن کر کے ہی پڑھئے! دنیوی تعلیم کے لئے کیا کچھ کر گزرتے ہیں کتنی کتنی فیسیں اداء کرتے ہیں؟ مگر دین کا یہ حشر کہ اس کی پوری تعلیم تو الگ رہی صرف قرآن کے الفاظ ہی اداء نہیں ہوتے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے یہاں ایک بڑے میاں آگئے، کہنے لگے حضور میری

ماں مرگئی اور میں نے قرآن خوانی کرائی دوسرے لوگ قرآن پڑھتے تھے مگر میں نہیں پڑھ سکتا تھا، مجھے بڑی شرم آرہی تھی، اب میں قرآن پڑھنا چاہتا ہوں، میں نے کہا غنیمت ہے، قبر کے قریب پہنچ کر ہی قرآن پڑھنے کی فکر پیدا ہوگئی، آپ کا انتظام کر دیتے ہیں، مگر دو چار روز گزرے تو ان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا غائب ہوگئے، ایک بات تو یہ ہوگئی کہ قرآن کی تلاوت الفاظ کی تصحیح و تجوید کے ساتھ کریں دوسری بات عمل، کہ قرآن ہم سے کیا کہتا ہے؟ اس کے کیا تقاضے ہیں؟ ان کا پورا کرنا فرض ہے ورنہ کیا ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"القرآن حجة لك او عليك" (مسلم)

ترجمہ: ''قرآن تمہارے حق میں گواہی دے گا یا تمہارے خلاف گواہی دے گا۔''

اگر اس پر عمل کیا تو تمہارے حق میں گواہی دے گا اور سفارش کرے گا اور اس کی سفارش اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، قبر میں نور ہوگا، جہنم سے ڈھال ہوگا، اگر عمل نہیں کیا تو تمہارے خلاف گواہی دے گا کہ یا اللہ! مجھے پڑھتے رہے، خوانیاں کرتے رہے، عمل کچھ نہیں کیا، یا اللہ! مجھے انہوں نے ذلیل کیا تو انہیں ذلیل کر۔

اب سوچ کر فیصلہ کیجئے! کہ یہ مٹھائیاں کھانے اور خوشیاں منانے کا موقع ہے یا توبہ و استغفار کی کثرت کا؟ ہم نے قرآنِ مجید کے کتنے حقوق اداء کئے؟ رمضان المبارک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بددعاء فرمائی اس شخص کے لئے جس پر پورا رمضان گزر گیا مگر اس نے اپنی مغفرت نہ کروائی، جبریل علیہ السلام کی اس بددعاء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین فرمائی، اور ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں بددعاء کروں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آمین کہیں۔ جو شخص رمضان المبارک میں اپنی زندگی نہیں سنوارتا، نہیں سدھارتا اس شخص پر جبریل علیہ السلام کی

بددعاء ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین، اس لئے یہ موقع بہت ڈرنے کا ہے اور آپ اس پر مٹھائیاں تقسیم کررہے ہیں۔

تنبیہ:

قرآن صحیح پڑھنے کی تاکید سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جو صحیح پڑھنے پر قادر نہیں وہ تلاوت ہی نہ کرے، مقصد یہ ہے کہ صحیح پڑھنے کی کوشش کرنا فرض ہے اگر کوشش کے باوجود صحیح نہیں پڑھ سکتا تو وہ معذور ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے مگر اس کے لئے جو کوشش میں لگا رہتا ہے، جان بوجھ کر غفلت کرنے والے کے لئے نہیں۔

یا اللہ! تو ہماری ناقص عبادات کو قبول فرما، یا اللہ! قرآنِ مجید اور رمضان کی جتنی ہم نے حق تلفیاں کی ہیں، ان کے حقوق میں جتنی کوتاہیاں کی ہیں، جتنی غفلتیں کی ہیں، یا اللہ! تو سب معاف فرما، یا اللہ! تو کامل ہے، تیرا ہر کام کامل ہے، اور ہم ناقص ہیں، ہمارا ہر کام ناقص ہے، تو ہماری ناقص عبادت کو کامل قبولیت سے نواز! یا اللہ! تو رمضان و قرآن کے تمام انوار و برکات عطاء فرما، یا اللہ! قرآنِ مجید اور رمضان میں جتنی بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ہمارے لئے مقدر فرما، یا اللہ! قرآن کو ہمارے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنا۔ یا اللہ! تو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرما، یا اللہ! ہمیں قرآنِ مجید کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرما۔ یا اللہ! اس نعمت کی قدر کرنے کی توفیق عطاء فرما، یا اللہ! تو قبر میں اسے نور بنا، یا اللہ! تو جنت میں باعث ترقی درجات بنا، یا اللہ! قرآن کے بارے میں رمضان کے بارے میں جتنے بھی تیرے وعدے اور بشارتیں ہیں ان سب کو پورا فرما، جو کوتاہیاں ہوئیں ان کو معاف فرما، یا اللہ! جو تھوڑا سا وقت باقی ہے اس میں گزرے ہوئے کی تلافی کی توفیق عطاء فرما، یا اللہ! ابھی بننے والوں کے لئے وقت ہے، یا اللہ! تو ہماری دستگیری فرما، یا اللہ! جو

تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے اس کی قدر کی توفیق عطاء فرما، اے میرے اللہ! تو مدد فرما[1] پوری دستگیری فرما، اے اللہ! تیری دستگیری کے سوا کچھ نہیں ہوتا، تو ہماری مدد فرما، ہمیں صحیح سچے اور پکے مسلمان بنا، یا اللہ! وہ ایمان عطاء فرما، وہ توکل و اعتماد عطاء فرما، اپنی وہ محنت اور آخرت کی وہ فکر عطاء فرما جس پر تو راضی ہو جائے۔

وصل اللّٰھم وبارك وسلم علی عبدك ورسولك محمد

وعلی آلہٖ وصحبه اجمعین.

والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

[1] یہاں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ پر شدید گریہ طاری ہو گیا اور سامعین کی بھی چیخیں نکل گئیں (جامع)

خواتین کی تفریح

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: ــــ فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام: ــــ خواتین کی تفریح

بمقام: ــــ جامع مسجد دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ: ــــ

بوقت: ــــ بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: ــــ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

مطبع: ــــ حسان پرنٹنگ پریس فون: ۰۲۱-۶۶۴۱۰۱۹

ناشر: ــــ کتاب گھر ناظم آباد نمبر۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۰۲۱-۶۶۰۲۳۶۱ فیکس: ۰۲۱-۶۶۲۳۸۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعظ

خواتین کی تفریح

(۲۳؍شوال ۱۳۹۵ھ)

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

امابعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم،

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی﴾

(۳۳-۳۳)

دینداری کے لحاظ سے خواتین کی قسمیں:

دینداری کے لحاظ سے خواتین کی تین قسمیں ہیں:

❶ وہ جو دینداری میں پکی ہیں۔

❷ وہ جو درمیان میں لڑھک رہی ہیں، دیندار بننا چاہتی ہیں مگر ڈرتی ہیں کہ پکی دیندار بن گئیں تو کیا ہوگا اور بے دینی سے بھی ڈرتی ہیں، کچھ فکر پیدا ہوگئی ہے بین بین ہیں۔

❸ وہ جو مکمل طور پر بے دین ہیں یہ عورتیں ہر وقت سیر و تفریح کرتی رہتی ہیں کبھی کہیں چلی گئیں تو کبھی کہیں چلی گئیں ان کا کام ہی یہی ہے مری جارہی ہیں۔

لطیفہ: درمیان میں ایک لطیفہ بھی سن لیں، ایک ظریف الطبع شاعر بس میں مری جارہے تھے، بس میں مردوں اور عورتوں کی نشستیں مخصوص نہیں تھیں جو جہاں چاہے بیٹھ جائے۔ ایک ''اپ ٹوڈیٹ'' عورت ان شاعر صاحب کے برابر میں آکر بیٹھ گئی، دیکھ بھی رہی ہے کہ شاعر صاحب نیک صورت، ڈاڑھی والے اور تھے بھی اچھے خاصے موٹے تازے پھر بھی وہ آکر ان کی بغل میں بیٹھ گئی تو یہ بے چارے بہت پریشان ہوئے کہ کیا کروں، اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو بھگانے کی ایک تدبیر دل میں ڈال دی، شاعر صاحب نے اس عورت سے پوچھا محترمہ! آپ کہاں تشریف لے جارہی ہیں؟ اس نے کہا مری جارہی ہوں۔ آج کل کا ایک فیشن یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کسی سے پوچھے تو دوسرا بھی پلٹ کر اس سے وہی سوال کرتا ہے اس لئے اس عورت نے بھی ان سے پوچھا آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ انہوں نے بڑے عجیب انداز سے کہا میں بھی مرا جارہا ہوں۔ وہ ان کا جواب سن کر فوراً وہاں سے اٹھ کر بھاگی کہ یہ ملا تو بڑا خطرناک ہے اس نے کہا نا کہ میں مری جارہی ہوں تو انہوں نے بھی کہہ دیا کہ میں بھی مرا جارہا ہوں، علاج کردیا۔

بے دین عورتیں تو مری جارہی ہیں، مری سیر کے لئے بھی جارہی ہیں اور ویسے بھی مری جارہی ہیں، عشق میں مری جارہی ہیں اس لئے ان کی بات تو چھوڑیئے جو دیندار ہیں وہ تو ایک قدم بھی گھر سے باہر نکالنے کو بہت بڑی مصیبت سمجھتی ہیں، گھر کی

چاردیواری میں رہتی ہیں تو ان کی صحت خوب ٹھیک رہتی ہے، تندرست رہتی ہیں، گھر سے باہر نکلتے ہی بیمار ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ رحم وکرم کا یہ معاملہ ہے کہ جیسی آب وہواء جیسی فضاء، جیسا ماحول اس کے لئے بہتر ہوتا ہے وہی اس کے موافق بنادیتے ہیں اس مخصوص ماحول اور فضاء کو چھوڑنا اس کے لئے ہلاکت اور خطرے کا باعث ہوتا ہے، جیسے مچھلی کو پانی میں چھوڑ دیں تو وہ زندہ رہتی ہے اور اگر اسے پانی سے نکال کر خشکی پر لے آئیں پھر اسے مری کی سیر کروائیں کوہ ہمالیہ لے جائیں خوب سیروتفریح کروائیں مگر وہ یہی کہے گی کہ مجھے پانی میں چھوڑ دو بلکہ زیادہ دیر خشکی میں رہنا اس کے لئے ہلاکت کا باعث ہوگا ؎

گرچہ در خشکی ہزاران رنگہا ست
ماہیان را با یبوست جنگہا ست

اسی طرح گھر کی فضاء کو عورتوں کے لئے موافق کردیا گیا ہے۔

خواتین کے لئے اللہ کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو یہ حکم فرمایا:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾

(۳۳-۳۳)

ترجمہ: ”اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔“

گھروں میں رہنا اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے رحمت بنادیا ہے گھر کا ماحول ان کے لئے نافع ہے۔ اللہ کی بندیاں گھروں میں رہتی ہیں تو ٹھیک رہتی ہیں انہیں صحت برقرار رکھنے کی غرض سے تفریح کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں، باہر نکلیں گی تو اللہ تعالیٰ بیمار کردیں گے۔

یہ تو ہو گیا پہلی اور تیسری قسم کی عورتوں کا بیان، دوسری قسم جو بتائی تھی ان کا اور ان کے محارم کا کہنا ہے کہ اگر یہ گھر میں بالکل بند ہو کر بیٹھیں گی تو بیمار ہو جائیں گی اس لئے ان کے لئے تھوڑی سی تفریح ضروری ہے۔ یہ کہنا اور یہ سمجھنا کہ گھر میں بند رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور باہر نکلنے سے صحت درست رہتی ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ ان لوگوں میں ابھی دینی پختگی پیدا نہیں ہوئی۔ جو عورت دیندار بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ گھر کی تنگ فضاء کو اس کے لئے صحت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں اور بیرونی کھلی فضاء کو اس کے لئے مضر بنا دیتے ہیں۔ جو عورت بھی یہ کہے کہ گھر میں رہنے سے اس کی صحت خراب ہو رہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ ادھر ادھر لڑھک رہی ہے، اللہ کرے یہ جنت کی طرف آجائیں تو انہیں گھر کی فضاء موافق ہو جائے گی خطرہ ہے کہ کہیں جہنم کی طرف کو نہ گر جائیں، پکے دیندار بنیں کچے ادھر ادھر نہ لڑھکتے رہیں۔

عورت کا دل شیشہ ہے:

عقل اور شرع کے علاوہ شواہد سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا باہر نکلنا صحیح نہیں۔ بعض خواتین اپنے حالات میں لکھتی ہیں کہ گھر سے باہر نکلنے سے ان پر شیطان کا تسلط ہو گیا جس نے اتنا پریشان کیا کہ گناہ سے بچنا بہت مشکل ہو گیا، گناہ سے بچنے کا جو نسخہ بتایا گیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ نسخہ استعمال کرنے کی ہمت عطاء فرما دی تو شیطان کے شر سے بچ گئی۔ بعض خواتین تو یہاں تک لکھتی ہیں کہ گھر کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو دل کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ یہ حالات تو وہ خواتین لکھ رہی ہیں جنہیں کچھ فکر آخرت ہے، جنہیں فکر ہے وہی تو لکھیں گی، جن میں فکر نہیں وہ تو ایسے مواقع پر بہت خوش ہوتی ہیں۔ آنکھیں، کان اور زبان یہ تین نالیاں ہیں جن کے ذریعے باتیں دل میں جاتی ہیں، انسان جو کچھ بولتا ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے اس کا اثر

قلب پر ہوتا ہے، جب عورت گھر سے باہر نکلے گی تو باہر کے حالات دیکھے گی کچھ تصویروں پر نظر پڑے گی، کچھ مردوں پر نظر پڑے گی، کہیں گانے باجے کی آوازیں کانوں میں پڑیں گی، یہ سب چیزیں شہوت کے لئے محرک بنتی ہیں ان سے شہوت بھڑکتی ہے، بے دینی پیدا ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار سفر جہاد میں تشریف لے جارہے تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی ہمراہ تھیں۔ اونٹوں کو تیز چلانے کے لئے کچھ اشعار پڑھے جاتے ہیں جنہیں ''حدی خوانی'' کہتے ہیں، حضرت انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی نیت سے ذرا ترنم سے اشعار پڑھنے شروع کیے تو اونٹ مست ہوکر تیز چلنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رویدك یا انجشة سوقك بالقواریر" (بخاری)

ترجمہ: ''انجشہ چھوڑو، تم اپنے ساتھ شیشوں کو لے کر چل رہے ہو۔''

عورتوں کا دل شیشے کی طرح نازک ہوتا ہے جیسے ذرا سی چوٹ لگنے سے شیشہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح عورت کا دل بھی بہت جلد مائل ہوجاتا ہے۔ یہاں یہ بات سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت، سفر جہاد، پڑھنے والے اللہ کے مقرب بندے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سننے والی خواتین صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ سریلی آواز میں مت پڑھو تم اپنے ساتھ شیشوں کو لے جارہے ہو کوئی شیشہ ٹوٹ جائے گا۔ اس موقع پر اتنی احتیاط اور ایسی تنبیہ فرمائی تو آج کل کے ماحول میں جہاں فساد ہی فساد پھیلا ہوا ہے کہیں باہر نکلیں تو ادھر سے گانے کی آواز، ادھر سے گانے کی آواز، عورتوں اور مردوں کا اختلاط، ننگی تصویریں، یہ بیچاری عورتیں شیشے تو پہلے سے ہی ٹوٹے ہوئے ہیں ان کا کیا بنے گا؟

اس کے علاوہ یہ بات بھی مشاہدات میں سے ہے کہ بری صحبت اور برے ماحول

کا اثر ضرور ہوتا ہے اگر بفرض محال کوئی عورت باہر نکلے اور اس کے کان میں کوئی گانے کی آواز نہ پڑے فسق وفجور کے کسی کام پر نظر نہ پڑے تو بھی بری صحبت اور برے ماحول کا اثر پڑتا ہے اس لئے ان عورتوں کا فساد سے بچنا بہت مشکل ہے ان عورتوں کے شوہر خود انہیں گناہ کے مواقع فراہم کرتے ہیں، یہ انہیں اس لئے باہر لے جاتے ہیں کہ تندرستی رہے خواہ دل برباد رہے، قالب تندرست رہے اور قلب برباد ہوجائے یہ تو بہت بڑی حماقت اور بڑے خسارے کی بات ہے، پھر جب قلب برباد ہوجاتا ہے تو قالب بھی درست نہیں رہتا اس طرح اللہ کے نافرمان سکون سے محروم رہتے ہیں۔

نئی دیندار عورتیں:

جو عورتیں ابھی درمیان میں ہیں نئی نئی دیندار بنی ہیں وہ کہتی ہیں کہ اگر ہم سیر کے لئے باہر نہیں نکلتے تو بیمار ہوجاتے ہیں اس لئے دور دور سیر کے لئے جاتی ہیں، یہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہیں کہ بے دین ماحول اور برے معاشرے سے بچ کر دیندار بن گئیں، ولیۃ اللہ بلکہ ولیات اللہ بن گئیں لیکن ان کے یہ خیالات کہ گھر سے باہر نہیں نکلیں گی، مری وری نہیں جائیں گی، تفریح نہیں کریں گی تو بیمار ہوجائیں گی یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ ابھی دیندار نہیں بنیں، دلی ابھی دور ہے، دینداری ابھی کچھ آگے ہے، یہ جو خود کو دیندار سمجھ رہی ہیں ان کا یہ خیال باطل ہے، جو خاتون دیندار بن جاتی ہے وہ تو گھر سے باہر قدم نکالنے سے بیمار ہوجاتی ہے گھر کی چار دیواری میں رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی صحت بہتر رکھتے ہیں بہت بہتر۔

جن خواتین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بے دینی سے نکال کر نفس وشیطان کے پھندے سے چھڑا کر دیندار بنادیا وہ اس نعمت کا شکر ادا کریں، شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ گھر سے باہر نکلنے کی باتیں سوچنا چھوڑ دیں، یہ خیال کہ گھر سے باہر نہیں نکلیں گے، تفریح کے لئے کہیں نہیں جائیں گے تو بیمار ہوجائیں گے، اللہ تعالیٰ کی

نعمت کی ناشکری ہے اس کی یہ رحمت کہ اس نے بے دینی سے بچایا، دیندار بنایا اس نعمت اور رحمت کی بہت بڑی ناشکری، بہت بڑی ناشکری، بہت بڑی ناشکری یہ ہے کہ پھر بھی یہ سوچتے رہیں کہ گھر میں رہیں گے تو صحت خراب ہوجائے گی گھر سے باہر تفریح کے لئے نکلیں گے تو صحت ٹھیک رہے گی اس سے بڑی ناشکری کیا ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہیں، اللہ تعالیٰ پر جیسا ایمان ہونا چاہئے وہ ایمان نہیں، اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں، اتنی بھی عقل نہیں اتنی بات بھی نہیں سوچتے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گھر میں بند ہوکر بیٹھے ہیں تو وہ اللہ ہماری نگہبانی اور حفاظت کیوں نہیں کرے گا۔

دین میں سرور:

ایک بات میں دعوے سے کہتا ہوں اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں وہ یہ کہ تجربے کے لئے صرف ایک ہفتے تک اللہ کی نافرمانیاں چھوڑیں خواہ گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ نہ کریں صرف تجربہ کرنے کے لئے کہ کیا ہوتا ہے، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وحدیث میں بار بار اعلان فرمائے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ کی نافرمانی چھوڑ دیتا ہے اللہ اس کے قلب کو سرور سے بھر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت پر آج کے مسلمان کو ایمان نہیں تو چلئے ویسے اگر اتنا پکا ایمان نہیں، کچا کچا ایمان ہے تو تجربے کے لئے ہی گناہ چھوڑ کر دیکھیں گناہ چھوڑنے کی نیت نہ کریں کہیں یہ خیال ہو کہ ہم نے اگر نیت کرلی تو کہیں گناہ چھوٹ ہی نہ جائیں کیونکہ اگر گناہ چھوٹ جائیں گے تو پھر ہم دنیا میں زندہ کیسے رہیں گے پھر تو ہمیشہ مرتے ہی رہیں گے، بیمار ہوجائیں گے، گھر بیٹھے بیٹھے ٹی بی ہوجائے گی اگر یہ سارے خطرات ہیں تو گناہ چھوڑنے کی نیت نہ کریں، میں توتوکلا علی اللّٰہ وثقة به واعتمادا علی قضائه دعوے سے کہتا ہوں کہ

جو شخص بھی تجربے کے لئے ایک ہفتہ تک گناہ چھوڑے گا ان شاء اللہ تعالیٰ دل میں سکون پائے گا، ایک ہفتے بعد خود فیصلہ کرے گا کہ دل میں کتنا بڑا انقلاب آ گیا، اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہوئی کیسی رحمت تجربہ تو کریں۔

وہ خواتین جو اپنے زعم میں ولیۃ اللہ بن گئیں مگر تفریح کے لئے روازنہ گھر سے باہر نکلنے کی بری عادت ہے وہ بھی اس کا تجربہ کریں ایک ہفتے تک باہر نہ جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ تجربہ بتائے گا کہ خواتین کے لئے گھر میں رہنے میں ہی فائدہ ہے گھر میں ان کی صحت بہتر رہتی ہے۔ اور اگر مہینے میں ایک بار کہیں دور تفریح کے لئے جانے کی عادت ہے تو وہ ایک مہینہ ایسے گزار دیں گھر سے باہر نہ نکلیں ان شاء اللہ تعالیٰ انہیں فائدہ محسوس ہوگا۔ بعض کے بارے میں خبریں سنتا رہتا ہوں کہ ہر تین مہینے بعد مری جاتی ہیں، پہنچتی بھی مری ہیں، کچھ نام کی برکت حاصل کرتی ہوں گی ''مری جارہی ہوں'' جیسے میں نے شاعر صاحب کا قصہ بتایا تھا، یہ عشق میں مری جارہی ہیں، آپ لوگوں کو زیادہ تجربہ ہوگا معلومات ہوں گی میرا خیال یہ ہے کہ ہر تین مہینے میں تو مری جارہی ہیں، مری سے ادھر تو ٹھہرتی ہی نہیں، جنہیں تین مہینے میں ایک بار اس گناہ کی عادت ہے وہ چار مہینے تک صبر کرلیں تین مہینے کے بعد نہ جائیں چار مہینے گزرنے دیں پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ گھر میں رہنے میں صحت بہتر ہوئی یا واہیات اِدھر اُدھر پھرنے میں صحت زیادہ بہتر ہوئی۔

ایک خاتون نے اپنے حالات میں لکھا کہ میں جب پردہ نہیں کرتی تھی تو بہت پریشان رہتی تھی، وعظ ''شرعی پردہ'' پڑھنے کے بعد پردہ کرلیا لیکن شوہر پردے پر راضی نہیں، شوہر پردے پر کیوں راضی نہیں اس کی وجہ تو معلوم ہی ہوگی بتاتا رہتا ہوں شوہر کہتا ہے اگر میں نے بیوی کو پردہ کروالیا تو وہ دوسرے اپنی بیویاں مجھے نہیں دکھائیں گے، اگر اس نے اپنی بیٹیاں نہیں دکھائیں تو دوسرا کون احمق ہے جو اسے اپنی بیٹیاں دکھائے گا، یہ اپنی بیوی دکھاتا ہے دوسروں کی بیویاں دیکھنے کے لئے، اپنی بیٹیاں دکھاتا

ہے دوسروں کی بیٹیاں دیکھنے کے لئے، یہ نفس و شیطان بڑے استاذ ہیں، بڑے استاذ اس کے دل میں بار بار یہ بات ڈالتے ہیں کہ دیکھو اگر تم نے اپنی بیوی نہ دکھائی تو دوسرے بھی تمہیں اپنی بیویاں نہیں دکھائیں گے۔

مکہ مکرمہ میں میرے میزبان نے مجھ سے کہا کہ ایک شخص ہمارے جاننے والے ہیں انہوں نے خط میں لکھا ہے کہ میں مع بیوی بچوں کے حج کے لئے آرہا ہوں، ٹھہروں گا آپ کے پاس اور بڑی سہولت یہ ہوگی کہ پردے کا تو کوئی سوال ہی نہیں، بڑے آرام سے حج ہوگا۔ یعنی ہمارا باہم ایسا تعلق ہے محبت کا ایسا رشتہ ہے کہ پردہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے خط کے جواب میں لکھا کہ میری بیوی تو میرے بھائیوں سے بھی پردہ کرتی ہے تو آپ سے کیسے نہیں کرے گی۔ میں نے میزبان سے کہا کہ یہ جو حاجی ہے حاجی آپ کا دوست یہ بڑا ہوشیار ہے اتنا ہوشیار ہے کہ شیطان بھی شرما جائے، سینکڑوں شیطان اس کے شاگرد بنے ہوئے ہیں، یہ بڑا ہوشیار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب حج کے لئے آئے گا آپ کے پاس ٹھہرے گا تو آپ کو مکان کا کرایہ ملتا رہے گا اور اسے ناشتہ ملتا رہے گا وہ اس طرح کہ آپ اس کی بیوی بیٹیوں کی زیارت کرتے رہیں گے تو آپ کو مکان کا کرایہ ملتا رہے گا اور وہ آپ کی بیوی بیٹیوں کو دیکھتا رہے گا تو ناشتہ ہوتا رہے گا کوشش تو کرے گا کہ پورا کھانا ہی مل جائے مگر کم سے کم ناشتہ تو ہوتا ہی رہے، یہ حاجی بڑا خبیث ہے۔ یہ لوگ جاتے ہیں حج کرنے کے لئے مگر کیسے کیسے فسادات اور اللہ تعالیٰ کی کیسی کیسی بغاوتیں دلوں میں لے کر جاتے ہیں۔

اس خاتون کی بات ہو رہی تھی اس نے لکھا کہ میرا شوہر میری اس دینداری سے خوش نہیں مگر میں نے بے دینی سے توبہ کرلی ہے، پردہ بھی کیا تو ایسا ویسا نہیں بلکہ وعظ ”شرعی پردہ“ پڑھ کر اس کے مطابق پکا پردہ کرلیا، جب پردہ نہیں کرتی تھی تو بہت پریشان رہتی تھی جب سے پردہ کیا ہے تو بہت سکون ہے بہت سکون۔ میں ان کا تجربہ

دوسری خواتین کے سامنے پیش کررہا ہوں تاکہ وہ بھی کچھ تجربہ تو کریں۔ جتنی دینداری اللہ تعالیٰ نے دے دی اس پر شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اللہ تعالیٰ اس میں ترقی دیتے ہیں اور اگر نعمت کی ناشکری کی جائے تو اس نعمت کو سلب فرمالیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈریں دینداری کی نعمت کی قدر کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دین کی جو دولت عطاء فرمادی اس پر شکر اداء کریں اور اس شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ مکمل دیندار بننے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ پر اعتماد بحال کریں، ایمان میں کمال حاصل کریں، اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں جو شکوک وشبہات ہورہے ہیں ان سے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کتنا بڑا وعدہ فرمایا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝﴾ (۱۰-۶۲ تا ۶۴)

جو لوگ اللہ کی رضا کے مطابق بن جاتے ہیں ان کا دل سرور سے بھرا رہتا ہے، آخرت میں تو ان کے لئے نعمتیں ہوں گی ہی دنیا میں بھی وہ بہت خوش رہتے ہیں۔ ایک شعر تو یاد کرلیں کبھی کبھی پڑھ لیا کریں ؎

سرورٌ سرورٌ سرورٌ سرور
بڑا لطف دیتا ہے نام سرور

اللہ کی محبت میں اتنا سرور ہے اتنا سرور کہ سرور کا نام لینے سے بھی مزا آتا ہے ایسا سرور ہے، فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (۱۶-۹۷)

جو بھی ہمارے احکام کے مطابق زندگی گزارے گا ہم اسے پرسکون زندگی دیں گے، اسے کوئی پریشانی نہیں رہے گی اس کا دل خوشی سے بھرا رہے گا۔

دنیا کا مسلمہ قاعدہ:

شیطان تو انہیں بہکاتا ہے نا کہ اللہ کے وعدوں پر یقین نہ کرو، ارے یہ قرآن تو پرانا ہو گیا ہے یہ آج کے زمانے کے مطابق نہیں رہا، یہ شیطان تو اپنے بندوں کو ایسے ایسے سبق پڑھاتا ہے تو چلئے عقلی لحاظ سے سمجھ لیں کہ پوری دنیا کے عقلاء اور سائنس دانوں کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ صحت کا مدار دل کی خوشی سے ہے، بظاہر کوئی کیسی راحت میں کتنی ہی بڑی بڑی نعمتوں میں ہو، کیسی ہی کشادہ کھلی فضاء میں ہو کیسی بہتر سے بہتر آب و ہوا میں ہو لیکن اگر وہ غمگین رہتا ہے دل میں سرور نہیں تو اس کی صحت بہتر نہیں ہو گی طبیعت گرتی جائے گی اور اگر کسی کے دل میں غم نہیں بلکہ خوشی ہے سرور ہے تو اس کی صحت ٹھیک رہے گی۔ یہ پوری دنیا کا مسلمہ قاعدہ ہے۔

جدہ میں انگریزوں کی کوئی کمپنی ہے انہوں نے اپنے ملک سے کسی بڑے افسر کو بلوایا اس نے کمپنی کے سب ملازمین کو جمع کر کے انہیں صحت درست رکھنے کا یہ طریقہ بتایا کہ روزانہ چند منٹ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہنسا کریں مسکرایا کریں۔ اس کمپنی کے ایک ملازم نے مجھے یہ بات بتائی تو میں نے اس سے کہا کہ جسے اللہ سے محبت ہو جاتی ہے وہ تو ہر وقت اپنے دل کے آئینے میں محبوب کو دیکھ کر مسکراتا رہتا ہے، ہر لمحہ ہر دم حتی کہ سوتے میں خواب بھی ایسے ہی دیکھتا رہتا ہے اسے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہنسنے کی ضرورت نہیں وہ تو ہر وقت اپنے محبوب کی محبت میں مست و سرشار رہتا ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

میں یوں دن رات جو گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں

تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

حجاب اوروں کو دنیائے دنی معلوم ہوتی ہے

مجھے ہر سو تری جلوہ گری معلوم ہوتی ہے

تری تصویر سی ہر سو کھنچی معلوم ہوتی ہے

تصور کی یہ سب صورت گری معلوم ہوتی ہے

میں جدھر بھی دیکھتا ہوں دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے، زمین آسمان، چاند ستارے، پہاڑ درخت جدھر بھی دیکھتا ہوں تو یوں خوش رہتا ہوں کہ

ع تری تصویر سی ہر سو کھنچی معلوم ہوتی ہے

میں تو ہر جگہ تیرا جلوہ دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہتا ہوں ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا

تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

شاعر نے تو یوں کہا ہے ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا

نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ شاعر عارف نہیں تھا عارف ہوتا تو یوں کہتا ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا

تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار

ہر برگے دفتریست زمعرفت کردگار

عارف کو تو پھول کی ایک ایک پتی سے اسباق معرفت کے دفتروں کے دفتر نظر آتے ہیں۔

حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

حقا کہ درجان فگارو چشم بیدارم توئی
ہرچہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

فرماتے ہیں حقا، یقینی بات ہے، پکی بات ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں بالکل پکی بات کہ تو میری جان میں، میری آنکھوں میں ایسا رچا بسا ایسا رچا بسا ہے کہ جس چیز پر بھی نظر پڑتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ تو ہی ہے، یہ سن کر ایک خشک مولوی نے کہا: گر خر پیدا شود؟ ''اگر گدھا نظر آئے تو؟'' حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولوی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: پندارم توئی۔ وہ تو ہوگا، جو ہماری بات نہیں سمجھتا وہ گدھا ہی تو ہے اسے تو کہیں چراگاہ میں جانا چاہئے یہاں تو وہی آئے جس میں بات سمجھنے کی صلاحیت ہو جس میں صلاحیت نہیں وہ تو گدھا ہے۔

میں یہ بتا رہا تھا کہ پوری دنیا کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ دل کے سرور سے صحت ٹھیک رہتی ہے، دل کی غمی سے مرض آتے ہیں، جنہوں نے اللہ کو راضی کر لیا اللہ سے محبت قائم کر لی ان کے دل سرور سے بھرے رہتے ہیں پھر انہیں فرحت وسرور حاصل کرنے کے لئے باہر جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ جن کے دل دائمی اور بڑے سرور سے خالی ہیں، اللہ کی محبت کا سرور دائمی بھی ہے اور بڑا بھی اس کے سامنے دنیا بھر کی مسرتیں گرد ہیں، اس کے مقابلے میں یہ چھوٹے چھوٹے سرور کوئی حیثیت نہیں رکھتے کہ مری کو دیکھ لیا اور فلاں باغ کو دیکھ لیا، فلاں باغ کو دیکھ لیا یہ تو چھوٹی چھوٹی بہاریں ہیں، عارضی بھی ہیں اور چھوٹی بھی ہیں جسے بڑی مسرت، بڑی راحت، بڑا سرور، بڑی نعمت اور بڑی رحمت مل جائے اسے ان چھوٹی چھوٹی فانی اور عارضی بہاروں کی ضرورت نہیں ہوتی اور جسے سرور کی یہ دولت حاصل نہیں اس کا حال تو کھجلی کے مریض جیسا ہے جسے

کھجانے سے وقتی طور پر مزا آتا ہے مگر پھر پہلے سے بھی زیادہ کھجلی ہونے لگتی ہے جیسے گدھے کی دم کے نیچے کانٹا چبھ گیا جب درد کی ٹیس اٹھی تو اس نے عجیب تدبیر کی کہ زور سے رانوں پر دم لگانی شروع کردی دم لگتے ہی کانٹا اور اندر گھس گیا پھر دم مارتا جارہا ہے گدھے میں اتنی عقل کہاں کہ کسی انسان سے علاج کروائے وہ خود ہی ڈاکٹر بن بیٹھا اور اپنا آپریشن شروع کردیا دم پر دم مارتا جارہا ہے، نتیجہ یہ کہ جس کانٹے کی ذرا سی نوک چبھی تھی اس کی غلط تدبیر سے وہ پورا کانٹا ہی جسم میں پیوست ہوگیا مگر یہ ڈاکٹر صاحب اپنی ڈاکٹری سے اب بھی باز نہیں آتے دم پہ دم مارتے چلے جارہے ہیں کہ شاید اب سکون مل جائے شاید اب سکون مل جائے مگر ؏

جتنا تڑپو گے جال کے اندر جال گھسے گا کھال کے اندر

سکون حاصل کرنے کی کتنی ہی تدبیریں اختیار کرلیں شاید ان سے عارضی سکون حاصل ہو بھی جائے مگر پھر پہلے سے بڑی مصیبت پہلے سے بڑے عذاب میں گرفتار ہوجائیں گے، کتنی ہی تفریح کرلیں، ٹی وی دیکھ لیں، آئینے کی سامنے کھڑے ہوکر مسکراتے رہیں دل کی بے چینی رفع نہیں ہوگی۔ اور جن کا اللہ کے ساتھ تعلق قائم ہوجاتا ہے وہ گھر میں رہیں تو ان کے لئے سرور ہی سرور ہے اور جب باہر نکلیں تو ایک ایک چیز سے انہیں معرفت الٰہیہ کے اسباق ملتے ہیں مگر باہر نکلے تو اللہ کے حکم کے مطابق اور خواتین کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ گھر ہی میں رہیں۔ جو عورت دیندار بن جائے اُسے اللہ کے وعدوں پر یقین آجائے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ایمان صحیح ہوجائے وہ تو یہی کوشش کرے گی کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہوجائے، جب اللہ راضی ہوگیا تو اس کے دل میں کتنا سرور ہوگا کچھ نہ پوچھئے کتنا سرور، کتنا سرور:

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

جب اللہ سے تعلق قائم ہوجائے تو پھر تو زمین اور آسمان پر ہماری ہی حکومت

ہوگی ؎

ہمی دونوں تو حسن وعشق کی دنیا کے مالک ہیں
جو تو عرشی تو میں فرشی فلک تیرا زمیں میری

ساری کبریائی تیرے لئے اور سارا عجز وانکسار میرے لئے، ارے! کچھ نہ پوچھئے ایسی مسرتوں پر کیسا سرور ہوتا ہے، غم اور فکر تو اس کے دل کے قریب آ ہی نہیں سکتے۔ جس خاتون کو تعلق مع اللہ حاصل ہوگا اسے اگر کوئی مری کی سیر کو لے جائے طرح طرح کی رنگینیاں دکھائے تو وہ یہی کہے گی ؎

حسینوں میں دل لاکھ بہلا رہے ہیں
مگر ہائے پھر بھی وہ یاد آرہے ہیں

یہ اللہ کی بندی گھر میں اکیلی بند بیٹھی ہو تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بے چاری گھر میں قید ہے گھٹن کا شکار ہے، کتنی تکلیف میں ہے بیمار ہوجائے گی مگر اس سے پوچھا جائے تو وہ کہتی ہے ؎

نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے
کہ دل میں لگے ہیں حسینوں کے میلے

ہم اکیلے کہاں ہیں ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے، وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، وہ خوش ہورہا ہے کہ میری بندی مجھے راضی کرنے کے لئے گھر میں بند ہوکر بیٹھی ہوئی ہے، میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ جس کا محبوب ہر وقت اس کے ساتھ ہو اور دل ہی دل میں اسے تسلی دے رہا ہو کہ میں تیرے ساتھ ہوں، میں تجھ سے راضی ہوں خوش ہوں اس کی صحت کیسے خراب ہوسکتی ہے؟

اگر اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان نہیں تو دنیا بھر کے اس مسلمہ قاعدے ہی کو سامنے رکھیں کہ صحت کا راز دل کی خوشی میں ہے اور اللہ کا بندہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے میں ہی خوشی اور سکون محسوس کرتا ہے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے اس کا دل غمگین ہوجاتا

ہے، صحت اور مرض کا یہی مدار اور یہی معیار ہے، اللہ تعالیٰ عقل عطاء فرمائیں اپنے اوپر کامل ایمان عطاء فرمائیں۔

جس دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے وہ دل اس نعمت پر ہر وقت خوش رہتا ہے، اسے دنیا کی رنگینیاں دیکھنے کا شوق نہیں ہوتا وہ تو یہ سمجھتا ہے۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درا
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درا

یعنی اگر تیرے دل میں ہوس پیدا ہو کہ تفریح کو جاؤں تو یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔ سرو اور سمن خوبصورت درخت ہیں جو باغوں میں لگائے جاتے ہیں۔ اگر سرو وسمن کی سیر وتفریح کی ہوس پیدا ہو تو یہ ظلم کی بات ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ

ع تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درا

اللہ تعالیٰ نے خود تجھے غنچے سے کم نہیں پیدا فرمایا، تو خود غنچہ ہے بس دل کی طرف متوجہ ہوجا، دل کا دروازہ کھول آگے چمن ہی چمن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش، انوار و برکات، جنت کی نعمتیں، اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال اور ان کی قدرت کے کرشمے، ان چیزوں کو سوچئے ان کا مراقبہ کیجئے، اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا چمن تو اپنے دل میں ہی رکھ دیا ہے اسے چھوڑ کر باہر سرو و سمن کی سیر کو نکلنا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ دل میں اگر اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کا استحضار اور اس کی طرف توجہ ہو تو پھر اسے اتنی فرصت کہاں کہ اپنے چمن سے نکل کر دنیا کے کسی چمن کا رخ کرے اس کا حال تو یہ ہوتا ہے۔

میں دن رات جنت میں رہتا ہوں گویا
مرے باغ دل کی وہ گل کاریاں ہیں

ایک بار ایک ڈاکٹر نے کہا کہ مریض ہسپتال میں پہنچنے کے بعد "سیف" (محفوظ) ہوجاتا ہے یعنی ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد مریض کو یا اس کے رشتے

داروں کو پریشان نہیں ہونا چاہئے، وہ ہسپتال میں ڈاکٹر کے ہاتھ میں سیف ہو چکا ہے اب کوئی پریشانی کی بات نہیں، حالانکہ ڈاکٹر کا علم ناقص، محبت ناقص، قدرت ناقص، حکمت اور مصلحت ناقص۔ اللہ تعالیٰ کا علم کامل، قدرت کاملہ، محبت کاملہ، بندوں کی مصلحت اور حکمت ہر وقت ان کے پیش نظر ہے تو جو اللہ کے ہاتھ میں سیف ہو جائے اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہر وقت مدنظر رکھے وہ کیسے پریشان ہو سکتا ہے؟

خواتین کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی گھر میں رہنے کے لئے فرمایا ہے، اسی لئے دنیا کی ہر زبان میں بیوی کو ''گھر والی'' کہا جاتا ہے۔ اردو میں ''گھر والی'' بیوی کو کہا جاتا ہے فارسی میں کہتے ہیں ''اہل خانہ'' اس کے معنی بھی گھر والی کے ہیں، عربی میں کہتے ہیں ''اہل بیت'' اس کا مطلب بھی گھر والی، شیعہ حضرت علی، حسن، حسین، فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اہل بیت کہتے ہیں یہ ان کا الحاد ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ان کی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اہل بیت فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت فرمایا، ہر زبان میں ہر لغت میں اہل بیت یعنی گھر والی بیوی ہی کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو خواتین کو پیدا ہی اسی لئے فرمایا کہ وہ گھر میں رہیں گھر میں رہ کر امور خانہ داری انجام دیں، شوہر کی خدمت کریں، بچوں کی دیکھ بھال کریں، انہیں پیدا ہی اس مقصد کے لئے کیا ہے اس لئے ان کی صحت بھی اسی سے وابستہ رہتی ہے۔ جو عورتیں اللہ کو راضی نہیں رکھتیں شیطان کو راضی رکھنا چاہتی ہیں وہ گلیوں بازاروں اور تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی رہتی ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق گھر میں رہنے سے بیمار ہو جائیں گی اور گھر سے باہر نکلیں گی تو تندرست رہیں گی، درحقیقت یہ اللہ کی بندیاں نہیں شیطان کی بندیاں ہیں۔ عورت تو ہے ہی گھر میں رہنے کے لئے اگر وہ اللہ کی بندی ہے تو گھر میں اس کی صحت ٹھیک رہے گی باہر نکلے گی تو بیمار ہو جائے گی۔ اور جو شیطان کی بندی ہے اس

کے لئے وہی معاملہ ہوتا ہے کہ چلتی پھرتی رہے مری جاتی رہے اور مری بھی جارہی ہے، سمجھ ہی گئے ہوں گے، ان کی صحت اسی طریقے سے ٹھیک رہتی ہے انسان جیسا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کے ساتھ ویسا ہی ہوتا ہے۔ یہ عورتیں جو ماری ماری پھرتی ہیں تو ٹھیک رہتی ہیں دراصل کثرت معاصی نے ان کی فطرت بدل دی ورنہ فطرت کے مطابق تو گھر کی فضاء ہی عورت کے لئے موافق ہے۔ لہذا جو عورت بھی یہ کہے کہ وہ جب ذرا تفریح کے لئے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اس کی صحت ٹھیک رہتی ہے، اس کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بے دین ہے اور یہ اس پر بے دینی کا وبال ہے کہ اسے گھر میں سکون نہیں ملتا۔

عورتوں کی صحت کا راز:

جب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کا حکم دیا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھر کے ماحول کو عورت کی صحت کے لئے سازگار بنایا ہے صحت کے لوازم میں ورزش مسلمات میں سے ہے اس کے لئے بھی عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں کیونکہ گھر کے کام کاج سے عورتوں کی ورزش ہوتی رہتی ہے ورزش کا معیار یہ ہے:

1. سانس تیز ہوجائے۔
2. پسینے آنے لگیں۔
3. تھکاوٹ محسوس ہو۔

آج کل عورتیں گھر کے کام سے تو جان چراتی ہیں ہر کام کے لئے انہیں ملازمہ چاہئے جب کہ یہ ملازمات فاسقات ہوتی ہیں جو دین، جان، عزت اور مال کے لئے مہلکات ثابت ہورہی ہیں۔ گھریلو کام کے لئے ملازمات رکھتی ہیں پھر فارغ پڑے پڑے نفسانی اور شیطانی وساوس دل و دماغ میں گھر کر لیتے ہیں اور جسمانی ورزش بھی

نہیں ہو پاتی جس کی وجہ سے قلب و قالب دونوں بیمار ہو جاتے ہیں پھر کہتی ہیں گھر میں رہنے سے صحت خراب ہو رہی ہے لہٰذا تندرستی حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر تفریح کے لئے جانا ضروری ہے۔ اگر واقعۃً صحت حاصل کرنا چاہتی ہیں تو گھر کے کام کے لئے ملازمہ نہ رکھیں تمام کام خود کریں بلکہ اگر گھر کے کام کرنے کے بعد کچھ وقت بچ جائے تو اس میں چکی پیسا کریں، چکی پیسنے میں بہت فائدے ہیں اس سے قلب و قالب دونوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ اگر عورتیں اس نسخۂ اکسیر پر عمل کرلیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا۔

بہشتی زیور پڑھیں:

عام طور پر ایک بات فون کے ذریعہ مجھے بتائی جارہی ہے کہ آپ تو خواتین کو باہر نکلنے سے روکتے ہیں جب کہ فلاں بزرگ نہیں روک رہے، فلاں نہیں روک رہے، فلاں نہیں روک رہے۔ اس بارے میں پہلی بات تو یہ کہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ جو لوگ کسی عالم یا بزرگ کا نام لیتے ہیں یہ ان سے پوچھتے نہیں ایسے ہی نفس و شیطان کے اتباع کے لئے کسی کا نام لے دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جواب تو سوال کے مطابق ہوتا ہے کچھ اپنی خواہش کے مطابق سوال بنا کر پوچھ لیتے ہوں گے، پھر انہوں نے جو جواب دیا وہ پورے طور پر سمجھے بھی یا نہیں، اس لئے جو بھی کہتا ہے کہ فلاں عالم تو نہیں روکتے تو میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ ان سے لکھوا کر مجھے دکھائیں آج تک کسی ایک نے بھی لکھوا کر نہیں دیا۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی عالم یا بزرگ عورتوں کو باہر نکلنے کی، ماری ماری پھرنے کی اجازت دیتے ہیں تو ان سے لکھوا کر لے آئیں کیوں نہیں لاتے؟ ہوسکتا ہے ان کی تحریر دیکھ کر ہم بھی اس پر غور کریں اور بات ہماری سمجھ میں آجائے تو ہم بھی اعلان کردیں گے کہ بھاگی پھرو ہسپتالوں میں نکلتی پھرو، گلیوں بازاروں میں۔ یہ جو میں نے طریقہ بتایا لکھوا کرلانے کا یہ تو بہت آسان ہے

اس سے بھی زیادہ آسان بات یہ کہ اس وقت میں جتنے بھی علماء دیوبند کے مشائخ ہیں بڑے بڑے علماء اور پیر حضرات ان سب کے بڑے تو حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے انہیں پیران پیر کہا جاسکتا ہے سب کے پیر ہیں۔ علماء کرام کو سمجھانے کے لئے بتارہا ہوں کہ پیران پیر میں اضافت مقلوبیہ ہے، اصل میں ہے پیر پیراں (پیروں کے پیر) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو لوگ پیران پیر کہتے ہیں، ان کی تعلیمات تو ہمارے سامنے نہیں اور وہ ہمارے سلسلے کے بھی نہیں، سلسلے کے بڑے بزرگوں میں سے جن کی تعلیمات و مواعظ وغیرہ کتابی صورتوں میں، ایک کتاب نہیں سینکڑوں کتابوں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں وہ ہیں ہمارے پیر پیراں یا عام اصطلاح کے مطابق پیران پیر اور بڑے پیر صاحب بھی کہہ سکتے ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو لوگ بڑے پیر صاحب بھی کہتے ہیں۔ ہمارے بڑے پیر صاحب اور پیران پیر حضرت حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں یہاں جتنے بھی بزرگ موجود ہیں یہ ان سب کے بڑے پیر ہیں۔ پاکستان میں تو ان کے کوئی خلیفہ نہیں رہے ہندوستان میں ایک خلیفہ ہیں حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، یہاں جتنے بھی ہیں وہ سب ان کے خلفاء کے خلفاء ہیں یعنی مریدوں کے مرید تو یہ اپنے بڑے پیر صاحب کی بات کیوں نہیں مانتے؟ کتاب بہشتی زیور کھول کر دیکھ لیں یہ سمجھ کر کہ وہ تو ہمارے پیروں کے بھی پیر ہیں اس کتاب کو دیکھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ اس میں عورتوں کے باہر نکلنے کے بارے میں بہت صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ نہ کہیں عیادت کو جاسکتی ہے، نہ شادی بیاہ میں جاسکتی ہے، حتیٰ کہ والدین کے گھر بھی اگر کسی تقریب وغیرہ میں عورتوں کا اجتماع ہو تو وہاں بھی نہ جائے۔ وہ تو جتنا میں کہتا ہوں اس سے بھی زیادہ ہے۔ لوگوں کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ آج کے مسلمان کے نفس کو جہاں چھٹی ملتی ہے ادھر کو بھاگتا ہے اور جہاں پابندی لگتی ہے کہ نفس و شیطان کے شر سے بچنے کے لئے یہ کریں اور یہ نہ

کریں تو دنیا بھی بن جائے گی اور آخرت بھی، یہ ان پابندیوں سے گھبراتا ہے طرح طرح کے حیلے بہانے بناتا ہے۔ مختصر بات یہ کہ جو پیر یا جو بزرگ یا جو عالم اپنے بڑے پیر کی پیران پیر کی بات نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ عورتیں باہر پھرتی رہیں کوئی بات نہیں، جو اپنے پیر کی بات نہیں مانتا یا پیر کے پیر کی بات نہیں مانتا اس کا کیا اعتماد اس سے تو تعلق ہی نہیں رکھنا چاہئے اسے تو ویسے ہی فہرست سے نکال دیا جائے کیونکہ یہ تو نالائق ہے بڑوں کا منکر ہے، جس نے بڑوں کا احترام نہ کیا جس نے بڑوں کی بات نہ مانی وہ تو اس لائق ہی نہیں کہ اسے شیخ کہا جائے یا پیر کہا جائے یا اسے عالم کہا جائے۔ بڑے پیر صاحب نے بہشتی زیور میں ایک ایک بات ایک ایک رسم کے بارے میں لکھا ہے، کون کون سی رسمیں ہیں جن کے لئے عورتیں گھروں سے باہر نکلتی ہیں اور اس میں کیسی کیسی خرابیاں ہیں سب کچھ لکھ دیا، پھر بہشتی زیور کتاب بھی ایسی ہے کہ گھر گھر موجود ہے اللہ نے اسے ایسا قبول عام عطاء فرمایا اور بڑی بات یہ کہ کسی شیطان نے بعد میں اس میں کسی قسم کی ترمیم یا رد و بدل کر دیا ہو ایسے بھی نہیں، جو جو مسائل جس طریقہ سے انہوں نے لکھوائے تھے وہ بعینہا اسی طریقے سے ہیں، بعض جگہ خاص خاص علمی باتوں کے بارے میں بعض علماء نے لکھا بھی تو اس طرح کہ اصل کو باقی رکھ کر حاشیہ پر لکھا ہے مگر بدعات، منکرات، خلاف شرع رسوم کے بارے میں تو کسی نے بھی اس کے حاشیے پر نہیں لکھا ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے تو لکھ دیا تھا کہ عورتیں بلا ضرورت شدیدہ گھر سے باہر نہ نکلا کریں لیکن کسی دوسرے عالم نے لکھ دیا ہو کہ اب نکل جایا کریں اس لئے کہ اب بڑی رحمت کا زمانہ آ گیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے زمانے میں فساد تھا اور اب بڑی رحمت ہے آج کل کی عورتیں ولیات اللہ ہیں یہ ساری رابعات بصریہ ہیں ان کے شوہر بھی دیوث نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے اولیاء اللہ ہیں اس لئے اگر ان کی عورتیں گھر سے باہر ماری ماری پھرتی رہیں یا یہ اپنی عورتوں کو باہر تفریح کرواتے رہیں تو کوئی نقصان نہ ہوگا انہیں کچھ خطرہ نہیں ہوگا، ان کے عمل

سے پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ خیال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں عقل عطاء فرمائیں۔

وصل اللّٰهم وبارك وسلم على عبدك ورسولك محمد

وعلى اٰله وصحبه اجمعين

والحمد لله رب العٰلمين

دینداری کے تقاضے

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: ۔ فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام: ۔ دینداری کے تقاضے

بمقام: ۔ جامع مسجد دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ: ۔

بوقت: ۔ بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع مجلد: ۔ رمضان ۱۴۲۳ھ

مطبع: ۔ حسان پرنٹنگ پریس فون: ۶۶۴۱۰۱۹-۰۲۱

ناشر: ۔ کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۶۶۰۲۳۶۱-۰۲۱ فیکس: ۶۶۲۳۸۱۴-۰۲۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ

دینداری کے تقاضے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (۳-۱۳۳،۱۳۴)

ترجمہ: ”اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے اللہ

سے ڈرنے والوں کے لئے، ایسے لوگ جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت:

برے ماحول اور بے دین گھرانے میں ایک آدھ فرد کو اگر ہدایت ہو جائے جیسا کہ اکثر ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنی شان بیان فرما رہے ہیں:

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ﴾

(۳۰-۱۹)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہو رہا ہے، بروں سے اچھے اور اچھے لوگوں سے برے پیدا ہو رہے ہیں، مردہ سے زندہ پیدا کرنا اور زندہ سے مردہ پیدا کرنا، اللہ تعالیٰ اپنی اس عظیم قدرت کو قرآن مجید میں بار بار بیان فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت اور فکر آخرت سے جو دل زندہ ہیں ان کے یہاں بری اولاد پیدا ہو رہی ہے اور بہت سے برے لوگ جن کے دل مردہ ہیں یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور فکر آخرت سے خالی ہیں ان کے یہاں اللہ تعالیٰ زندہ لوگوں کو پیدا فرما رہے ہیں، ان کی اولاد میں ایسے ایسے پیدا ہو رہے ہیں کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور فکر آخرت پیدا ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ بہت کثرت سے ہو رہا ہے، اسی لئے بتا رہا ہوں کہ جہاں پورا ماحول برا ہو، والدین، بھائی، بہن اور اعزہ و اقارب سب برائی میں مبتلا ہوں اور پورے خاندان میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی ہو، اس کے دل میں فکر آخرت اور اپنی محبت پیدا فرما دی ہو تو اسے سوچتے رہنا چاہئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور دستگیری ہے۔

برے ماحول میں نیک بننے والوں کو کیا کرنا چاہئے:

ایسے برے ماحول میں اگر ایک شخص نیک بن جاتا ہے تو اسے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بہت سی مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں، لوگوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں، بہت سے مذاق اڑانے والوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کبھی کوئی ملا کہے گا، کوئی قدامت پسند اور دقیانوس کہے گا، کوئی غیر مہذب اور بے وقوف کہے گا۔ ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ نمبر وار یاد کرلیں، دوسروں کو یاد رہے نہ رہے مگر جنہیں ان تکلیفوں کا سامنا ہے وہ تو ضرور یاد رکھیں۔

پہلی ذمہ داری:

جو لوگ نیک بن گئے وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر یوں شکر اداء کیا کریں:

''یا اللہ! ایسے برے معاشرہ میں، برے ماحول اور برے خاندان میں تو نے مجھے ہدایت سے نوازا، یہ صرف تیرا ہی کرم ہے، اگر تیری دست گیری نہ ہوتی تو میں ایسے برے ماحول میں کیسے نیک بن سکتا تھا، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، صرف تیرا ہی کرم ہے، اس پر تیرا شکر اداء کرتا ہوں، اس شکر کو قبول فرما اور اس شکر کی بدولت اس نعمت میں ترقی عطاء فرما۔''

یہ دعا روزانہ بلاناغہ مانگا کریں۔

دوسری ذمہ داری:

نیک بننے والوں کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ نرمی سے کام لیں، غصہ کی عادت کو چھوڑ دیں اور اس سے بچنے کی کوشش کریں، کسی بات پر کوئی کتنا سخت اور برا بھلا کہے، جو حالات بھی گھر میں پیش آئیں ان میں غصہ کا اظہار نہ کریں، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کو غصہ نہ آئے اس لئے کہ غصہ آنا تو قدرتی بات ہے، اپنے اختیار میں نہیں، میں یہ

کہہ رہا ہوں کہ غصہ کو جاری نہ کریں، یعنی اس کے تقاضہ پر عمل نہ کریں، خلاف طبع بات پر غصہ تو آنا ہی چاہئے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"من استغضب فلم یغضب فھو حمار"

ترجمہ: "انسان غصہ دلانے والی کوئی بات سنے یا دیکھے پھر اسے غصہ نہ آئے تو وہ انسان نہیں گدھا ہے۔"

بلکہ گدھے سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ غصہ تو گدھے کو بھی آتا ہے فرق یہ ہے کہ گدھا غصہ کو جاری بھی کرتا ہے اور انسان واقعۃً انسان ہے تو وہ غصہ کو جاری نہیں کرتا ضبط کر لیتا ہے، غصہ کی باتوں پر غصہ تو آئے گا مگر اسے ضبط کریں جاری نہ کریں، صبر سے کام لیں، قرآن مجید میں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو غصہ نہیں آتا بلکہ فرمایا:

﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ (۴۲-۳۷)

ترجمہ: "جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔"

جاری نہیں کرتے صبر سے کام لیتے ہیں، اور فرمایا:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾ (۳-۱۳۴)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے غصہ کو چبا جاتے ہیں، جیسے کڑوی دواء یا کوئی بھی بہت ہی کڑوی چیز حلق میں اتارنا پڑے تو منہ بنا کر کسی نہ کسی طریقے سے اور تکلیف سے حلق میں اتار ہی لیتے ہیں، غصہ کے گھونٹ پی جاتے ہیں۔ غصہ کا گھونٹ ہے بڑا کڑوا، اور اس کا نگلنا ہے بڑا مشکل، مگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور جنت کی نعمتوں کی طلب میں یہ کڑوا گھونٹ پی ہی لیتے ہیں، غصہ کو جاری نہیں کرتے۔

غصہ کا علاج:

غصہ جاری کرنے سے بچنے کا نسخہ یہ ہے کہ جہاں کسی بات پر غصہ آئے فوراً

وہاں سے دور چلے جائیں، کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں، بیٹھے ہیں تو لیٹ جائیں، پانی پی لیں، وضوء کرلیں، ان تدبیروں سے غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ پہلی تدبیر سب سے زیادہ اہم ہے کہ وہاں سے ہٹ جائیں، دور چلے جائیں، جس پر غصہ آیا ہو اس کا چہرہ بھی نظر نہ آئے۔

دوسری تدبیر یعنی پانی پینے اور وضوء کرنے سے بھی غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس لئے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ آگ بھڑکاتا ہے اس پر پانی ڈالیں گے تو وہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔

تیسری تدبیر کا حاصل یہ کہ پہلے جتنی حرکت کر رہے ہوں غصہ کے وقت اس حرکت کو کم کر دیں، اگر چلتے ہوئے غصہ آ رہا ہو تو ٹھہر جانے سے غصہ کم ہو جائے گا، بیٹھ جائے تو اس سے کم لیٹ جائے تو اس سے بھی کم، اس لئے غصہ کی حالت میں یہ کوشش کی جائے کہ حرکت کم سے کم ہو، سکون سے جاکر کہیں لیٹ جائیں، ذکر اللہ اور تلاوت شروع کر دیں، یہ سب تو وقتی تدبیریں ہیں۔

ہمیشہ کے لئے غصہ کی برداشت کا نسخہ یہ ہے کہ روزانہ بلا ناغہ کسی وقت یہ سوچا کریں کہ میں تو دیندار اور نیک بنا ہوں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ایسا نہ ہو کہ شیطان مجھے غصہ دلا کر میرے مالک کو مجھ سے ناراض کر دے، جنت کی خاطر اتنی تکلیفیں برداشت کر رہا ہوں، ایسا نہ ہو کہ غصہ کی وجہ سے جنت کی وہ ساری نعمتیں ختم ہو جائیں، دنیا میں اتنی محنت و مشقت بھی برداشت کی پھر بھی وہی جہنم کی جہنم، دنیا و آخرت میں غصہ کی مضرتیں سوچا کریں کسی کو ناحق ایذاء پہنچانے پر بہت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، پھر غصہ جاری کرنے کی صورت میں باہم جو منافرت ہوتی ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کو تباہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ سے غصہ برداشت کرنے کی دعاء بھی کیا کریں، اور جہاں غصہ جاری ہو گیا اس سے استغفار بھی کریں اور جس پر غصہ جاری کیا اس سے معافی بھی مانگیں اور مزید کسی طرح اس کی دل جوئی بھی کریں، یہ کام روزانہ

کرتے رہیں۔

دوسری بات یہ سوچا کریں کہ جس پر مجھے غصہ آرہا ہے اس پر مجھے جتنی قدرت ہے، اللہ تعالیٰ کو مجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے، اگر میری کوتاہیوں کی وجہ سے وہ مجھ پر اپنا غصہ جاری کردے تو میرا کیا حشر ہوگا؟

تیسری بات یہ سوچا کریں کہ مجھے جس پر غصہ آرہا ہے میں اسے اپنے سے کمتر سمجھتا ہوں مگر ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ اس وقت مجھ سے بہتر ہو، نہیں تو شاید آیندہ چل کر مجھ سے بہتر ہوجائے اعتبار تو خاتمہ کا ہے۔

تیسری ذمہ داری:

جو لوگ دیندار بن گئے ہوں، وہ والدین اور بھائی بہنوں کی خدمت دوسروں کی بنسبت زیادہ کیا کریں، ایک گھر میں سارے بھائی بہن دیندار نہیں، ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نواز دیا، دیندار بنا دیا تو اسے سوچنا چاہئے کہ دوسرے بھائی بہن جو دیندار نہیں ہے وہ والدین کی جتنی خدمت واطاعت کرتے ہیں میں جائز کاموں میں اس سے زیادہ کروں، ناجائز کاموں میں والدین کی اطاعت کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (احمد)

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔"

مگر جائز کاموں میں ان کی اطاعت وخدمت جتنی ہوسکے زیادہ سے زیادہ کریں اس میں دو فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: بھائی بہنوں کی خدمت میں بہت بڑا ثواب ہے اور والدین کی خدمت میں نفل عبادت سے بھی زیادہ ثواب ہے۔

والدین کی خدمت میں نفل عبادت سے زیادہ ثواب ہے:

کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہے اور والدین میں سے کسی نے یوں ہی بلاضرورت پکارا یعنی کوئی ایسی سخت ضرورت بھی نہیں تھی کہ خدانخواستہ کہیں آگ لگ گئی ہو یا کہیں ڈوب رہے ہوں یا کہیں گر رہے ہوں، کیونکہ ایسی ضرورت میں تو فرض نماز بھی توڑنا واجب ہے۔ الغرض ایسی کوئی سخت ضرورت بھی نہ تھی، پھر بھی ان میں سے کسی نے پکارا اور ان کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ نفل پڑھ رہے ہیں تو نماز توڑ کر جواب دینا واجب ہے، اگر آپ نے نماز نہ توڑی تو گنہگار ہوں گے، البتہ اگر انہیں معلوم تھا کہ آپ نفل نماز پڑھ رہے ہیں اس کے باوجود بلاضرورت پکارا تو نماز توڑنا جائز نہیں، لاعلمی میں پکارا تو نفل نماز توڑ کر ان کی بات کا جواب دینا ضروری ہے، اتنی اہمیت ہے والدین کی، اس لئے جائز کاموں میں ان کی خوب اطاعت و خدمت کریں، نرمی اور محبت سے پیش آئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝﴾

(۱۷-۲۳تا۲۵)

جس کو راضی کرنے کے لئے پورے ماحول اور معاشرہ کا مقابلہ کر رہے ہیں، یہ تو سوچیں کہ اس کی رضا کس میں ہے؟ والدین فاسق، فاجر حتیٰ کہ کافر ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ اس بارے میں یوں ارشاد فرما رہے ہیں: ”والدین کو اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو“ آگے

فرمایا: ''ہر وقت ان کے سامنے جھکے رہو'' گویا محبت و اطاعت میں جھکے جارہے ہیں، بچھے جارہے ہیں اور ان کے لئے یوں دعاء کیا کرو: ''یا اللہ! انہوں نے بچپن میں جیسی میری تربیت فرمائی ہے ویسے ہی تو ان پر رحم فرما'' ان کے لئے یہ دعاء جاری رہے۔

والدین کی ناگوار باتوں پر صبر کرنے والوں کو بشارت:

کبھی والدین کی طرف سے کچھ ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جو طبیعت پر گراں گزرتی ہیں، اس لئے دل میں اس قسم کے خیالات آنے لگتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ایسا کیوں کہا؟ میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کیا؟ میں تو بہت نیک ہوں اور بہت فرمانبردار اور خدمت گزار ہوں، ان کے لئے دعائیں بھی بہت کرتا رہتا ہوں پھر بھی یہ مجھے ایسا کہتے ہیں، مجھے برا کیوں سمجھتے ہیں؟

یہ اپنے خیال میں سمجھ رہا ہے کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے یا واقعۃً ظلم ہو رہا ہو حقیقت کچھ بھی ہو اس قسم کے خیالات سے دل تنگ ہو رہا ہو جس کی وجہ سے شاید کبھی بلا قصد و ارادہ ان کی اطاعت و خدمت میں کوئی کوتاہی ہو جائے، اس حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ۝﴾ (۱۷-۲۵)

تمہارے رب کو تمہارے دلوں کے تمام حالات کا علم ہے۔ اگر تم صالح اور شریعت کے پابند رہے اور والدین کی طرف سے ایذاء پر صبر کرتے رہے اور دل میں ان کی عظمت اور ان کی اطاعت و خدمت کا ارادہ ہو، تو تمہارے دلوں میں جو خیالات آتے ہیں اور گھٹن کی وجہ سے خدمت و اطاعت میں جو غیر ارادی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو بخش دیں گے، یہ ان کا کیا کرم ہے، کیسی رحمت ہے کہ غیر اختیاری طور پر دل میں جو غصہ اور جو خیالات آرہے ہیں اللہ تعالیٰ ان خیالات اور دوسری

کوتاہیوں کو بخش دیں گے۔

دوسرا فائدہ: والدین اور بھائی بہن خواہ وہ آپ سے چھوٹے ہوں یا بڑے، جب آپ زیادہ سے زیادہ ان سب کی خدمت کریں گے اس سے ان کے دلوں میں دین کی عظمت اور وقعت پیدا ہوگی اور وہ یہ کہنے لگیں گے:

> ''جو بچہ دیندار اور نیک بن جاتا ہے وہ ہماری کیسی خدمت کرتا ہے، ہمارا کیسا فرمانبردار ہے، کیسا اچھا بیٹا ہے، صرف ہماری ہی نہیں بلکہ سب بھائی بہنوں کی بھی خدمت کرتا ہے، یہ کیسا اچھا ہے، اب تو سب کو دیندار ہی بننا چاہئے۔''

غرضیکہ آپ کی خدمت سے ان کے دلوں میں دین کی عظمت و وقعت پیدا ہوگی یہ زبانی تبلیغ کی بجائے آپ کی عملی تبلیغ ہوگی، اور زبانی تبلیغ اتنا فائدہ نہیں دیتی جتنا عملی تبلیغ فائدہ دیتی ہے۔ عمل سے ثابت کردکھایئے کہ اسلام کی کیا تعلیم ہے؟ پکے مسلمان بن کر دکھایئے کہ صحیح مسلمان کسے کہتے ہیں؟ اور اگر کسی کو خدمت کرنے کا موقع نہ ملے تو اسے چاہئے کہ وہ والدین اور بھائی بہنوں کی مالی امداد کرتا رہے اور اس بات کا اہتمام کرے کہ اس کے کسی قول یا فعل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے پائے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ صرف ظاہراً دیندار بنے ہیں حقیقت میں نہیں، آپ کا ظاہر تو دیندار بن گیا باطن نہیں بنا، والدین اور بھائی بہنوں کی خدمت نہیں کرتے بلکہ ان کی نافرمانی کرتے ہیں، انہیں ناراض کرتے ہیں ہر ایک سے لڑتے جھگڑتے ہیں، بات بات پر غصہ ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ بہت سے جاہل صوفیوں کو اپنے بیوی بچوں پر بہت غصہ آتا ہے۔ کبھی بیوی کی پٹائی کردی اور کبھی بچوں کی، اگر ان سے کہا جائے کہ اس طریقہ سے غصہ جاری کرنا گناہ ہے تو کہتے ہیں کہ میں تو شریعت کے لئے اور بیوی بچوں کو نمازی اور پرہیزگار بنانے کے لئے یہ کام کررہا ہوں، یہ اسے دین سمجھ رہا ہے جب کہ ہے دین کے خلاف، غصہ تو ہوتا ہے نفسانی، کہ بیوی نے کھانا وقت پر کیوں نہیں دیا؟

میری مرضی کے خلاف کیوں کیا؟ میری خدمت کیوں نہیں کی؟ اور بہانہ یہ بتایا کہ یہ دیندار نہیں، نمازی نہیں، اسے دیندار اور نمازی بنا رہا ہوں۔

غصہ جاری کرنے کے شرعی اصول:

اگر غصہ جاری کرنا شریعت کے قانون کے مطابق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اگر شریعت کے قانون کے مطابق نہیں تو یہ اپنے نفس کی خاطر ہے، چونکہ اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں اس لئے اس کی تھوڑی سی تفصیل بتا دیتا ہوں۔

کسی سے گناہ چھڑوانے اور نیک بنانے کے لئے شریعت کے کچھ قوانین ہیں:

پہلا قانون:

پہلے نرمی اور محبت سے سمجھایا جائے کہ "یہ کام چھوڑ دو یہ گناہ ہے" پھر بھی وہ نہیں چھوڑتا تو ذرا ڈانٹ کر کہیں۔ پھر بھی نہیں چھوڑتا تو ہاتھ پکڑ لیں، پھر بھی نہیں چھوڑتا تو ایک طمانچہ لگا دیں، پھر بھی نہیں چھوڑتا تو دو لگا دیں غرضیکہ جتنی ضرورت ہو اتنی ہی سزا دیں۔

دوسرا قانون:

سزا دینے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ لیں کہ سزا پر مرتب ہونے والے نتائج کا آپ تحمل کر سکیں گے؟ نتائج کا تحمل نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو سزا نہ دیں بلکہ نرمی اور محبت سے تبلیغ اور دعاء کا سلسلہ جاری رکھیں۔ سزا دینے کے بعد اگر آپ پریشان ہوئے تو آپ کے دین کو بھی نقصان پہنچے گا اور جسے سزا دی اس کے دین کو بھی۔

تیسرا قانون:

غصہ کی حالت میں ہرگز سزا نہ دے، اس لئے کہ غصہ میں شریعت کے قانون سے نکل جائے گا، یہ نہیں سوچے گا کہ شریعت کا کیا قانون ہے؟ جب غصہ ٹھنڈا ہو

جائے تو سوچے کہ اگر اتنی سزا اس کے لئے کافی ہو سکتی ہے کہ دو دن کے لئے بولنا چھوڑ دوں تو اتنی ہی سزا دے، زیادہ نہ دے، ورنہ ''ری ایکشن'' ہو جائے گا، جو ڈاکٹر ''ری ایکشن'' کا قانون نہیں جانتا حکومت میں اس کی کیا سزا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہیں، ان کی سزا سے ڈرنا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ ضرورت سے زیادہ سزا دے دی تو کیا حشر ہوگا؟

دوسری بات یہ بھی یاد رہے کہ اگر آپ نے نابالغ اولاد یا شاگرد پر ظلم کیا تو اس کے ہزار بار معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوگا، کتنا بڑا نقصان ہے، لہٰذا سوچ سمجھ کر سزا دینا چاہئے۔

غرضیکہ دیندار بننے کے بعد اگر اختلاف اور انتشار پھیلاتے رہے تو کیا ہوگا؟ خاندان والے اور دوسرے لوگ یہ کہنا شروع کر دیں گے:

> ''ارے یہ تو فلاں بزرگ کے پاس جاتا ہے، اس نے اسے برباد کر دیا، فلاں مولوی کے پاس جاتا ہے، اس نے اسے تباہ کر دیا، بچاؤ اپنے بچوں کو مولویوں سے، بزرگوں سے جو ان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، یہ تو اسے بالکل بیکار کر دیتے ہیں، ایک ایک سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتا ہے، یہ توڑ پھوڑ کرنے والے ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔''

پھر کیا ہوگا؟ لوگوں کے دلوں سے دین کی وقعت و عظمت جاتی رہے گی اور ہر شخص یہ کوشش کرے گا کہ خدانخواستہ کوئی دیندار نہ بن جائے، دیندار ایسے ہی ہوتے ہیں، خمینی کے بارے میں دنیا کا کیا خیال ہے؟ اسلام کا نام لے لے کر جو مظالم کر رہا ہے اس سے ساری دنیا میں اسلام بدنام ہو رہا ہے کہ اسلام ایسا ہی ہوتا ہے جیسا یہ خمینی ہے۔ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیندار بننے کی توفیق دی ہے تو اس کا شکر ادا کریں، اسلام کو بدنام نہ کریں، صبر و تحمل پیدا کریں، دوسروں کی خدمت کا جذبہ پیدا کریں، سب کے ساتھ یوں رہئے کہ سب کو تسلی ہو جائے کہ یہ ہے سچا اسلام اگر اس پر عمل نہ کیا

تو اسلام کی عظمت لوگوں کے دلوں سے جاتی رہے گی اور وہ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔

چوتھی ذمہ داری:

جو لوگ دیندار بن گئے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ دنیا کے کام زیادہ سے زیادہ کریں خواہ وہ گھر کے اندرونی کام ہوں یا تجارت وغیرہ کے بیرونی کام، ہر قسم کا کام دوسروں سے زیادہ کرنا چاہئے، آپ کے بھائی بہنوں میں جو دیندار نہیں آپ اپنے عمل سے انہیں دکھا دیں کہ اسلام بیکار بننا نہیں سکھاتا بلکہ کارآمد بننا سکھاتا ہے، ہمت و کوشش بھی جاری رکھیں اور دعاء بھی کرتے رہیں، اس لئے کہ دینداری کا یہ مطلب نہیں کہ بیکار بن جائیں، دینداری تو یہ ہے کہ خوب کام کیجئے مگر ہر کام میں اپنے مالک کی رضا کو ہمیشہ مقدم رکھیں، ان کے نازل فرمودہ قوانین کے خلاف کوئی کام نہ ہو، ان کے قوانین کے اندر رہتے ہوئے دوسروں سے زیادہ کام اور زیادہ محنت کرکے یہ ثابت کردیں کہ جو دیندار بن جاتا ہے، وہ بیکار نہیں ہوتا بلکہ دوسروں سے زیادہ باکار ہو جاتا ہے۔

پانچویں بہت اہم ذمہ داری:

جو لوگ دیندار بن جائیں ان پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت اور اس میں مزید ترقی کے لئے کسی سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کریں، اور اہل اللہ کی مجالس کو لازم پکڑیں ورنہ نفس و شیطان دین کی صورت میں گمراہ کردیں گے، آپ سمجھیں گے ہم بہت دیندار ہیں بڑی عبادت کر رہے ہیں مگر درحقیقت ہو رہا ہے جہنم کا سامان، اہل اللہ کی صحبت سے نفس و شیطان کے مکاید اور فریبوں کا علم ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا باتوں پر عمل کرنے کی توفیق و ہمت جب ہی ہوگی کہ اہل اللہ کی صحبت کو لازم پکڑا جائے۔

یہ پانچ نمبر ہیں، انہیں خوب یاد کرلیں، دلوں میں اتار لیں اور روزانہ ایک بار انہیں سوچا کریں، اور جو لوگ اس قسم کے حالات میں مبتلا ہیں، وہ ہفتہ میں ایک بار لکھ

کر دیا کریں کہ ان پانچوں نمبروں کو سوچ رہے ہیں یا نہیں؟ عام حالات میں مہینہ میں ایک بار لکھ دیا کریں۔

دعاء:

یا اللہ! میرا کام صرف کانوں تک پہنچانا ہے، دلوں میں اتارنا تیرا کام ہے، تیری دست گیری کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، تو مدد فرما، اور ہم سب کو اپنی مرضی کے مطابق پکے اور سچے مسلمان بنالے، ہمارا ظاہر اور باطن اپنی مرضی کے مطابق بنالے، تمام ظاہری اور باطنی گناہوں سے ہماری زندگی کو پاک وصاف فرمادے، ہمارے دلوں کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے منور فرمادے، ایسی محبت عطاء فرما کہ گناہ کے تصور سے بھی شرم آنے لگے۔

وصل اللّٰھم وبارك وسلم علی عبدك ورسولك محمدٍ

وعلی اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین.

والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین
اے ایمان والو!
اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو (التوبۃ ۱۱۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین
اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے
ہیں تو اس کو دین میں فہم عطاء فرما دیتے ہیں

دینی جماعتیں

— وعظ —

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

— ناشر —

کتاب گھر

ناظم آباد ۴ کراچی

وعظ: فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب [illegible]

نام: دینی جماعتیں

بمقام: جامع مسجد دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بتاریخ:

بوقت: بعد نماز عصر

تاریخ طبع مجلد: شوال ۱۴۱۲ھ

مطبع: حسان پرنٹنگ پریس فون: ۶۶۴۱۰۱۹-۰۲۱

ناشر: کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۶۰۲۳۶۱-۰۲۱ فیکس: ۶۶۲۳۸۱۴-۰۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعظ

دینی جماعتیں

(شوال ۱۴۰۹ھ)

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى اٰله وصحبه اجمعين.

اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشيطن الرجيم، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم.

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (۳۵-۲)

عقل در اسباب می دارد نظر
عشق گوید تو مسبب را نگر

آج کے مسلمان کی نظر مسبب پر نہیں اسباب پر ہے، اکثر مسلمان عموماً اپنے دنیوی کاموں میں اسباب ہی پر نظر رکھتے ہیں مسبب پر ان کی نظر نہیں جاتی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر المیہ یہ کہ جو لوگ دینی کام کرتے ہیں وہ خالص دینی کاموں میں بھی مسبب کی بجائے اسباب پر نظر رکھتے ہیں کس قدر افسوس کا مقام ہے اور کتنے دکھ کی بات ہے کہ دینی کام کرنے والوں پر تو فرض تھا کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرتے اور انہیں اس پر تنبیہ کرتے کہ اپنے تمام کاموں میں اسباب پر نظر رکھنے کی بجائے مسبب پر نظر رکھیں دین و دنیا دونوں کی کامیابی کی بنیاد یہی ہے۔ جو لوگ دین کی طرف مائل نہیں لیکن کہلاتے مسلمان ہیں یا وہ لوگ جو دیندار ہیں مگر دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں چاہئے تو ان سب کو بھی یہی تھا کہ اسباب پر نظر نہ رکھتے مگر ان سے بھی زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو رات دن خدمات دینیہ میں مشغول ہیں، دوسروں کو دین کی دعوت دے رہے ہیں، اس کے باوجود ان کی نظر اسباب پر لگی ہے۔

سورۂ فیل میں نسخۂ اکسیر:

قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورۃ ہے سورۂ فیل، یہ قرآن مجید کی آخری دس سورتوں میں سے ایک ہے، عام طور پر یہ دس سورتیں عامی سے عامی کو بھی حفظ ہوتی ہیں اور بہت زیادہ پڑھی جاتی ہیں۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ جو بات بار بار زبان پر آئے، کانوں میں پڑے اور بار بار آنکھوں کے سامنے آئے اسے دل میں اتر جانا چاہئے پھر وہ بات بھی کس کی اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین رب العلمین کی مگر آج کے مسلمان کی حالت یہ ہے کہ عمریں گزر گئیں اس سورۃ کو پڑھتے ہوئے مگر یہ اس کے دل میں نہیں اتری۔ اس چھوٹی سی سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسا قصہ بیان فرمایا ہے کہ اگر اسے غور سے

پڑھا جائے تو انسان کی کایا ہی پلٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ میں جب بھی یہ سورت پڑھتا ہوں تو اس میں جو سبق ہے اس کا استحضار رہتا ہے بلکہ پڑھے بغیر بھی بار بار اس کا خیال آتا رہتا ہے اور جب بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر امام صاحب اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہیں پھر تو کچھ نہ پوچھئے کیسا مزا آتا ہے۔ اس سورۃ میں سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سبب ساز ہیں اور وہی سبب سوز ہیں۔ قصہ تو طویل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مختصر سی سورۃ میں اس قصہ کی طرف اشارہ فرما کر نسخۂ اکسیر عطاء فرما دیا۔

نجاشی بادشاہ کا گورنر ابرہہ اپنا لاؤ لشکر لے کر بیت اللہ کو گرانے کے لئے حملہ آور ہوا جب لشکر مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی اونٹنیاں چر رہی ہیں لشکر والوں نے اونٹنیاں پکڑ لیں آپ کو پتا چلا تو اونٹنیاں چھڑانے کے لئے خود ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے، جب اس کے دربار میں پہنچے تو انہیں دیکھتے ہی ابرہہ کھڑا ہوگیا اور بہت احترام سے پیش آیا ایک تو اس لئے کہ آپ کا شمار سرداروں میں ہوتا تھا یہ تو ظاہری وجہ تھی اور آپ کے رعب اور ہیبت کی باطنی وجہ یہ تھی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت ان کی پیشانی میں چمکتا تھا، سردار تو اور بھی بہت تھے مگر ان کے رعب و جلال کا اصل راز یہی تھا۔ ابرہہ نے جب آنے کا سبب پوچھا تو عبدالمطلب نے فرمایا کہ تمہارے لشکر والوں نے میری اونٹنیاں پکڑ رکھی ہیں ان کو چھڑوانے آیا ہوں یہ سن کر ابرہہ نے تعجب کا اظہار کیا اور بولا میں نے تو یہ سمجھ کر آپ کا احترام کیا کہ آپ عرب کے مشہور رئیس ہیں کوئی کام کی بات کریں گے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم یہاں کس مقصد سے آئے ہیں؟ ہم اتنا بڑا لشکر لے کر کعبہ کو گرانے آئے ہیں مگر آپ کے دل میں شاید اس کا کوئی احترام ہی نہیں اس لئے کعبہ کی بجائے اپنی اونٹنیوں کی بات کر رہے ہیں۔ میں تو آپ کو مدبر اور عرب کا دانا انسان سمجھ کر کھڑا ہوا تھا مگر یہ بات سنی تو

آپ میری نظر سے گر گئے کعبہ کے مقابلہ میں ان اونٹنیوں کی کیا قیمت ہے؟ لیکن عرب کے سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا جواب بھی سنئے! اللہ کرے کہ آج کے مسلمان کے دل میں یہ جواب اتر جائے، فرمایا:

"انی رب الابل وان للبیت ربا سیمنعه"

میں تو اپنی اونٹنیوں ہی کی بات کرنے آیا ہوں۔ باقی بیت اللہ کا مجھے کیا طعنہ دیتے ہو یہ تو جس کا ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا مجھے اس کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت؟ میرا تعلق تو اونٹنیوں سے ہے میری اونٹنیاں چھوڑ دو باقی رہا بیت اللہ کا معاملہ تو وہ تم جانو اور بیت اللہ والا جانے۔

"انت وذلك"

اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے لشکر کو تباہ کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے پرندے بھیج دیئے ان پرندوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ابرہہ کے لشکر کو تہس نہس کر کے دکھا دیا۔

ترک لایعنی:

اس سورۃ میں جو لفظ ابابیل آیا ہے اس میں عام لوگ بلکہ بعض خواص بھی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ابابیل خاص قسم کے پرندوں کا نام ہے حالانکہ ایسا نہیں ابابیل کے معنیٰ ہیں پرندوں کے جھنڈ، ان کی جماعتیں مؤرخین اور مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔ رہی یہ بات کہ وہ پرندے کیسے تھے اس کی تفصیل قرآن وحدیث میں کہیں نہیں آئی۔ وہ چھوٹا سا پرندہ جس کو اردو میں ابابیل کہتے ہیں اسے عربی میں خطاف کہتے ہیں، مسجد حرام میں یہ پرندے بہت ہیں وہیں مسجد کے اندر رہتے ہیں۔ اردو میں جو ابابیل کے نام سے پرندے مشہور ہیں ہوسکتا ہے وہ لشکر بھی انہی پرندوں کا ہو امکان ہے مگر یقین سے کچھ کہا نہیں جا سکتا، اس قسم کی بحثوں میں پڑنا بھی فضول ہے یہ اگر ایسی ہی اہم بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے بیان فرما دیتے

مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بے کار باتیں بیان نہیں فرمائیں۔ آج کل کا مسلمان بہت بیکار ہے اس لئے بے کار اور لایعنی باتوں میں اسے بڑا مزا آتا ہے اس کی فضول بحثوں کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ قرآن کو بھی نہیں چھوڑتا، قرآن میں بھی ایسی باتیں گھڑتا رہتا ہے مقصد کی بات تو اللہ نے بیان فرمادی کہ ہم نے پرندوں کی جماعتیں بھیجیں اور ان کے ذریعہ ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں کو تباہ و برباد کر دیا، یہ تھا اصل مقصد جو پورا ہوگیا، وہ پرندے جو بھی ہوں اس سے تمہیں کیا سروکار؟ مگر آج کا مسلمان آرام سے بیٹھنے والا نہیں وہ لگ گیا اس تحقیق میں کہ پرندے کتنے بڑے تھے اور کیسے تھے کس قسم کے تھے، ان کا رنگ کیا تھا، چونچ کیسی تھی پھر یہ کہ جو ابابیل اردو والوں میں مشہور ہیں وہ یہی ابابیل تھے یا کوئی اور تھے؟ ان لغویات میں لگ کر اپنے اصل مقصد سے ہٹ گئے یہ قاعدہ ہے کہ انسان جتنا فضول باتوں میں لگے گا لغو تحقیقات میں پڑے گا اتنا ہی اصل مقصد سے دور جا پڑے گا۔ سبحان اللہ! یہ ہیں مسلمان کی تحقیقات۔ لغویات کو نام دے دیا تحقیقات کا۔ ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ میدانِ بدر میں جو فرشتے اترے تھے ان کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ وہ کوئی علامت لگائے ہوئے تھے۔ وہ علامت کیا تھی؟ ارے اللہ کے بندے! تمہیں ان فرشتوں سے کیا کام ہے کہ ان کی علامت تلاش کرنے میں لگ گئے۔ میدن بدر میں جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے اتارے انہیں فرشتوں کی علامت بھی بتادی انہوں نے علامت سے پہچان بھی لیا اب تمہیں اس سے کیا سروکار کہ وہ علامت کونسی تھی، لیکن مولوی صاحب پر تحقیق کا جنون سوار ہوگیا۔ تفاسیر کھول کھول کر تحقیق شروع کر دی، نتیجہ یہ کہ معاملہ پہلے سے زیادہ الجھ گیا کوئی مفسر کچھ کہتا ہے کوئی کچھ مختلف اقوال تو سامنے آگئے لیکن ان میں راجح کونسا ہے؟ وہی معاملہ ہوگیا۔

ع شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا

تحقیق کرتے کرتے بہت وقت برباد کرنے کے بعد خیال آگیا کہ دیکھیں

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں، بیان القرآن میں دیکھا تو حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر صرف اتنا فرمایا کہ کوئی علامت تھی چلئے قصہ ہی ختم ہوگیا ذرا سوچئے اس تحقیق میں پڑنا کہ وہ علامت کیا تھی، یہ لغو ہے یا نہیں؟

اصل مقصد سے محرومی:

یہ بات یاد رکھیں دلوں میں اتار لیں اللہ کرے کہ دلوں میں اتر جائے کہ جو شخص بھی اصل مقصد کی طرف توجہ رکھنے کی بجائے فضول بحث میں پڑے گا وہ اصل مقصد سے محروم رہے گا، یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن وحدیث میں جو بات بیان کی گئی اس کا جو اصل مقصد ہے اس کو سمجھنے اور اس میں غور کرنے کی بجائے جو ادھر ادھر کی باتوں میں پڑے گا اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اس لئے کہ اصل مقصد تو خود اس نے فوت کر دیا اس سے تو یہ محروم رہا۔ پھر مقصد کو چھوڑ کر جن باتوں میں پڑا ہوا ہے ان کے متعلق چونکہ قرآن وحدیث میں کوئی یقینی اور حتمی بات نہیں ملتی اس لئے ان باتوں میں بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے گا نتیجہ یہ کہ ادھر کا نہ ادھر کا۔

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

ایک شخص کا مجھ سے اصلاحی تعلق ہے، اصلاحی تعلق سے بھی پہلے شروع میں جب انہوں نے خط وکتابت شروع کی تو میں نے ان کو لکھا ''معرفت الٰہیہ'' پڑھا کریں ان کا جواب آیا کہ میں پڑھتا ہوں لیکن پابندی نہیں ہوتی بار بار بھول جاتا ہوں۔ میں نے جواب میں لکھا کتاب پڑھنا بھول جاتے ہیں کھانا کھانا کیوں نہیں بھولتے؟ جب تک کتاب نہ پڑھ لیں کھانا نہ کھائیں۔ اگر کتاب پڑھنا بھول بھی گئے تو کھانا سامنے آتے ہی کتاب یاد آجائے گی لیکن وہ اب بھی سیدھے نہ ہوئے، کتاب تو پابندی سے پڑھنا شروع کر دی لیکن کتاب کے اصل مقصد سے کچھ حاصل کرنے کی

بجائے الفاظ کے لغوی معنیٰ اور رسم الخط وغیرہ کی تحقیق میں پڑ گئے، میں نے جواب لکھا کہ جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں وہ بالکل بے سود اور بے فائدہ ہے اس سے کچھ بھی نفع نہیں ہوگا، اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، میں نے تو کتاب پڑھنے کو کہا تھا یہ تھوڑا ہی کہا تھا کہ اس کی لفظی تحقیقات میں لگ جائیں اگرچہ یہ تحقیقات بھی اپنے مواقع پر ضروری ہیں لیکن اس شرط سے کہ اصل مقصد کی تحصیل میں مخل نہ ہوں، یہ مباحث تو پھر بھی اپنے مواقع پر مفید بلکہ ضروری ہیں لیکن ابابیل کیسے پرندے تھے؟ بدر میں اترنے والے ملائکہ کی علامت کیا تھی؟ ملکہ سباء کا نام کیا تھا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی تھی یا نہیں؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے شادی کی تھی یا نہیں؟ اس قسم کی بالکل بے فائدہ تحقیقات میں پڑنا لغو ہے یہ تحقیقات نہیں بلکہ لغویات اور فضولیات ہیں، یہ اصول یاد رکھیں کہ جو بھی اس قسم کی فضولیات میں لگے گا وہ کبھی اپنا مقصد نہیں پائے گا، اس کی وجوہ مختلف ہیں:

① سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نسخہ کی قدر نہیں کی، ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، ڈاکٹر تشخیص کر کے نسخہ تجویز کرتا ہے لیکن یہ نالائق مریض دواء خریدنے اور استعمال کرنے کی بجائے اس کی کھود کرید شروع کر دیتا ہے کہ ڈاکٹر نے جو یہ دواء لکھی ہے یہ کیا چیز ہے؟ کہاں بنتی ہے؟ کس طریقے سے بنتی ہے؟ اور کس نے بنائی ہے؟ وہ اس تفتیش میں لگا ہوا ہے بتایئے! اسے کیا خاک فائدہ ہوگا؟ اس کو تو کہا تھا کہ دواء استعمال کرنا شروع کر دو صحت یاب ہو جاؤ گے، مگر وہ کاغذ کے پرزے ہی کو لے کر بیٹھ گیا دواء کے اجزاء کی چھان بین کر رہا ہے اسے صحت کہاں ہوگی؟ مرض میں اضافہ ہی ہوگا، چلئے کسی ڈاکٹر یا حکیم کے نسخہ میں تو پھر بھی کسی حد تک تحقیق کی گنجائش ہے کہ مسلمان اس میں اس پہلو سے غور کرے اور تحقیق کرے کہ کہیں اس کے اجزاء میں کوئی حرام جزء تو شامل نہیں کر دیا؟ یا مریض خود علم طب سے کچھ مناسبت رکھتا ہے اس لئے وہ نسخہ کے متعلق سوچ رہا ہے کہ یہ میرے مزاج کے موافق ہے یا

نہیں؟ میرے لئے نقصان دہ تو نہیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو نسخے عطاء فرمائے وہ تو سراسر شفاء ہیں ان کی تحقیق میں پڑنا تو بڑی گستاخی اور نسخۂ شفاء کی سخت ناقدری ہے۔

2. بے فائدہ کام میں پڑ کر اپنا وقت ضائع کیا۔

3. جن لوگوں کو لغویات کا شوق ہوتا ہے اصل مقصد کی طرف ان کی توجہ نہیں رہتی۔ وہ لغویات ہی میں لگے رہتے ہیں اسی میں ان کو مزا آتا ہے۔

خوب یاد رکھیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں شفاء کے نسخے ہیں اور نسخے کا حق یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے لہٰذا جو عمل کرے گا وہی کامیاب ہوگا اور نسخہ کی تحقیق میں پڑنے والا ناکام رہے گا اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اصحاب فیل کے واقعہ میں غور کیجئے اس بحث میں نہ پڑیں کہ پرندے کون سے تھے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سوچئے کہ کیسے اس نے چھوٹے چھوٹے پرندوں سے ہاتھیوں کے لشکر کو تباہ کر دیا؟ یہ ہے اصل مقصد اس کو سوچیں بار بار سوچیں جب سوچنے کی عادت نہیں ہوتی تو شروع میں کچھ دقت ہوتی ہے۔ جب عادت پڑ گئی تو سوچنے میں مزا آئے گا، اصل مقصد میں غور و تدبر کرنے اور سوچنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل بڑھے گا، اسباب سے نظر ہٹنے لگے گی اور مسبب پر جا کر ٹھہرے گی۔

قرآن مجید کا انداز بیان:

قرآن مجید کا انداز بیان دیکھئے کیسا بلیغ ہے، فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ﴾ (۱۰۵-۱)

کیا تو نے دیکھا نہیں، واہ میرے اللہ! کیا کہنے آپ کی شفقت کے۔ اصل مضمون سنانے سے پہلے متنبہ فرما رہے ہیں کہ کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟ تمہاری آنکھیں

نہیں ہیں؟ اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ اصحاب فیل کا واقعہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں گزرا ہم تو اس وقت تھے ہی نہیں پھر اس کا کیا مطلب کہ کیا تو نے دیکھا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ جو چیز یقینی ہو اس کے متعلق مخاطب کو یونہی کہا جاتا ہے کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ تمہیں نظر نہیں آتا؟ اگرچہ واقعۃً وہ دیکھنے کی چیز نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے بارے میں بھی قرآن مجید میں بار بار فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ (۳۹-۶)

ترجمہ: ”یہ ہے اللہ تمہارا رب۔“

”ذٰلِكَ“ سے محسوس اور مبصر چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو سامنے نظر آئے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں نہ وہ نظر آسکتے ہیں مگر وہ بار بار یہی فرما رہے ہیں کہ یہ ہے تمہارا رب، یہ ہے، یہ ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر قرآن مجید میں اتنے دلائل بیان کئے گئے ہیں کہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نظر آرہے ہیں ان کا وجود گویا ایک محسوس اور مشاہد چیز ہے۔ اصحاب فیل کا واقعہ بھی اس قدر متواتر اور مشہور ہے کہ گویا وہ نظر ہی آرہا ہے عام محاورے میں بھی کسی یقینی واقعہ کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ اس کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے ہے یا وہ میری نظر کے سامنے ہے یہاں بھی اللہ تعالیٰ اسی انداز سے خطاب فرما رہے ہیں کہ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کا کیا حشر کیا؟ کیا اتنے عظیم الشان واقعہ سے تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی؟ اسباب سے تمہاری نظر نہیں ہٹتی؟ مسبب پر نظر نہیں جاتی؟ دیکھو اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ چھوٹے چھوٹے پرندے بھیج دیئے چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان کی چونچوں اور پنجوں میں ہیں وہ اوپر سے ہاتھی سواروں پر کنکری پھینکتے ہیں چھوٹی سی کنکری جس سوار پر گرتی ہے سوار اور ہاتھی دونوں کو چیرتی ہوئی نیچے زمین تک پہنچتی ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ پرندے کس قسم کے تھے کون سے

تھے، دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کتنا بڑا کام لیا؟ چھوٹی چھوٹی کنکریوں میں کتنی بڑی طاقت رکھ دی؟ ہاتھیوں کا لشکر ان سے تباہ کر دیا۔ اس میں کس قدر عبرت کا سامان ہے اسے سوچیں، لیکن اس سورت کو پڑھتے پڑھتے عمریں گزر گئیں مگر کبھی سوچنے کی توفیق نہیں ہوئی، مولوی سمجھتے تو ہیں لیکن سوچتے نہیں اور بیچارے عوام کو تو کچھ معلوم ہی نہیں کہ اس سورت میں کیا ہے؟ وہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید ہے ہی مٹھائی کھانے کے لئے خوانیاں کرتے رہو مٹھائیاں کھاتے رہو، تعجب تو مولوی پر ہے معنی اور مطلب سمجھتا ہے مگر سمجھنے کے باوجود سوچتا نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کیا نسخہ بیان فرمایا ہے؟ ہمیں کیا نسخہ عطاء فرمایا ہے؟ ایک بار انسان اس میں غور کر لے تو اسباب سے نظر اٹھ جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہو جائے۔ اس کے بعد سورۃ قریش میں بھی تقریباً یہی سبق ہے اس میں بھی اسباب کی بجائے مسبب پر نظر رکھنے کا سبق ہے اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کو کیسے رزق پہنچایا؟ بظاہر رزق کے کوئی اسباب نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی صفت قدرت اور رزاقیت بیان فرمارہے ہیں کہ دیکھو اسباب رزق کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے رزق پہنچایا؟ ان سورتوں کو دیکھا جائے ان کے مضامین میں غور کیا جائے خاص طور پر سورۃ فیل کہ اس کے ایک ایک لفظ سے مسلمان کو یہ سبق ملتا ہے کہ اسباب کی بجائے مسبب پر نظر رکھو۔

دینی جماعتوں کی تفصیل:

اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ اسباب پر نظر رکھنے کی بجائے مسبب پر نظر رکھو لیکن مسلمانوں کے حالات دیکھئے تو پتا چلتا ہے کہ انہوں نے تو اسباب کو ہی اللہ بنا رکھا ہے۔ عام لوگوں کی بات تو چھوڑئے اس وقت میں ان چار طبقوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جو دین کے کام کر رہے ہیں۔ مجھے ان حضرات سے محبت ہے اسی لئے ان کی اصلاح کی فکر رہتی ہے وہ چار طبقات یہ ہیں۔

① اہل مدارس۔

② اہل سیاست۔

③ اہل خانقاہ۔

④ اہل تبلیغ۔

اب ان کی تفصیل سنئے:

① اہل مدارس:

اہل مدارس کی نظر اسباب پر لگی ہوتی ہے مسبب پر یعنی اللہ پر نہیں جاتی بس ہر وقت اس دوڑ میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح پیسا ہاتھ آ جائے کچھ بھی کرنا پڑے بہر قیمت پیسا مل جائے کیوں؟ اس لئے کہ پیسے کے بغیر کام نہیں چلے گا یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہتے ہیں کہ پیسا نہ ملا تو کام کیسے چلے گا یہ نہیں سوچتے کہ کام کس کا ہے؟ مدرسہ چلانا دین کی خدمت کرنا اپنا ذاتی کام ہے یا اللہ تعالیٰ کا کام ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس کو منظور ہوا تو چلے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تو تم کون ہو چلانے والے؟

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فراست:

استغناء اور توکل کا ایک قصہ سنئے جو بہت عجیب ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں شہر کے ایک بہت بڑے بااثر شخص نے یہ کوشش کی کہ اسے دارالعلوم کی شوریٰ کا رکن بنایا جائے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے، وہ اسے رکن نہیں بنا رہے تھے کیونکہ وہ نالائق تھا اور نالائق کو رکن بنانا کسی صورت جائز نہیں تھا، وہ بہت ہی بااثر اور مالدار پھر شریر بھی بہت تھا، انتہائی درجے کا شریر، کینہ پرور اور نقصان دہ، وہ کہتا تھا کہ مجھے ممبر بنائیں۔

محراب والا منبر بنانا چاہتا تھا اس کا مطالبہ پورا کرنا آسان تھا، یہ نسخہ یاد کر لیجئے کسی

کو ممبر بننے کا شوق ہو تو اسے بٹھا کر کوئی موٹا سا شخص اوپر چڑھا دیجئے اور موٹے سے کہیے ہلنے کا نام نہ لے آرام سے اس پر بیٹھا رہے یہ اس کے لئے منبر ہے، موٹے شخص کو سواری مل گئی اور اس کا بھی شوق پورا ہوگیا، ممبر بننا چاہتا تھا نا چلئے منبر بنا دیا، دونوں کا کام ہوگیا، بیک کرشمہ دو کار۔

وہ نالائق مدرسہ کا ممبر بننا چاہتا تھا اور اصرار پر اصرار کیے جا رہا تھا، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نالائق کو کسی صورت رکن نہیں بنائیں گے حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ حضرت! میری رائے یہ ہے کہ اسے رکن بنا لیا جائے تو اچھا ہے، کیونکہ رکن بنانے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تو اکثریت سے ہوگا، اور اکثریت ہم لوگوں کی ہے، اس کی بات ہم چلنے نہیں دیں گے، یہ اکیلا کیا کر لے گا، اور اگر رکن نہیں بناتے تو یہ فساد کرے گا، حکام سے ملے گا، دوسرے لوگوں پر اثر ڈالے گا، اس کی شرارت سے بچاؤ کی یہی ایک صورت ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تجویز پیش کی بظاہر یہ کتنی معقول بات ہے مگر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بصیرت کے ساتھ دیکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس بندے کا تعلق ہوتا ہے اس کے سامنے کوئی مصلحت نہیں ہوتی۔ ان حضرات کا تو مسلک یہ ہے کہ دین کے ایک مسئلہ کی خاطر دنیا بھر کے مصالح کو مصالحہ کی طرح پیس ڈالو، ایک مسئلہ کی اتنی قدر ہے کہ دنیا بھر کی مصلحتیں اس پر قربان کر دو۔ آج کل مصلحت مصلحت کا لفظ زبانوں پر عام ہے، جو غلط کام کریں گے مصلحت کے نام سے کریں گے کہ اس میں مصلحت ہے اور یہ حکمت ہے، مگر حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دین کے ایک مسئلہ کی خاطر ان تمام مصالح کو مصالحہ کی طرح پیس ڈالو۔ آگے مزاحاً فرمایا مصالحے کو جتنا زیادہ پیسا جائے گا سالن زیادہ لذیذ بنے گا، اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے ان گھڑی ہوئی مصلحتوں کو جتنا زیادہ پیسیں گے، دین میں پختگی اتنی زیادہ ہوگی، حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ

سے یہ عرض کیا کہ حضرت مصلحت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ اسے رکن بنالیا جائے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوچئے! اگر ہم نے اسے رکن نہ بنایا اور اس نے مخالفت کی اور شرارت پر اتر آیا تو چونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے کام کر رہے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ خود حفاظت فرمائیں گے اس کی مخالفت سے کچھ نہیں بگڑے گا اور اگر نقصان ہو بھی گیا تو کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ دارالعلوم بند ہو جائے گا، فرض کیجئے کہ اس کی شرارت سے دارالعلوم بند ہو گیا لیکن ہم نے رکن نہ بنایا اور کل اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی اور پوچھا گیا کہ اس کو رکن کیوں نہ بنایا؟ دارالعلوم بند ہو گیا تو ہمارے پاس جواب موجود ہے کہ یا اللہ! تیرے دین کے مطابق وہ شخص رکن بنانے کے لائق نہ تھا بس ہم نے تو تیرے دین پر عمل کیا اگر مدرسہ بند ہو گیا تو ہمارا اس میں کیا اختیار تھا، تیری مشیت یہی تھی، ہم نے تو دین کے مطابق عمل کیا اور اگر نااہل کو رکن بنالیا اور دارالعلوم بھی ترقی کر گیا تاہم اگر یہ سوال ہوا کہ نااہل کو کیوں رکن بنایا؟ تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں، اس لئے کچھ بھی ہو دارالعلوم رہے یا نہ رہے ہم نالائق کو کبھی رکن نہ بنائیں گے، اور نہیں بنایا۔ وہ چیختا چلاتا مر گیا، دارالعلوم ترقی پر ترقی کرتا چلا گیا۔

"ما کان للہ یبقی"

تَرجَمَۃ: "جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا وہ باقی رہے گا۔"

یہ تھے ہمارے اکابر، افسوس آج علماء کی اکثریت اسلاف کے راستے سے ہٹ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر تو نظر ہے نہیں اس لئے سوچ لیا کہ یہ کام ہمارا ہے اور بہر حال ہمیں ہی چلانا ہے خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے اگر اللہ پر نظر ہوتی اور یہ سوچ لیتے کہ یہ اسی کا کام ہے، وہ چاہے چلائے چاہے نہ چلائے، ہمارا کام ہے اللہ کو راضی کرنا اگر یہ حقیقت مدنظر ہوتی تو کبھی پریشان نہ ہوتے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا مدرسہ کو اپنا ذاتی کام

سمجھ لیا ہے اور اس کو چلانا بھی اپنا فرض سمجھ لیا ہے اس لئے اہل ثروت کی خوشامدیں کرتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ اسی کا کام ہے وہ خود چلائے گا ہمارا کام صرف اسے راضی رکھنا ہے ایک دن کسی دوسرے شہر سے ایک مولوی صاحب دوران بیان یہاں آگئے میرا بیان سنا جس کا موضوع یہی تھا کہ دینی کام کرنے والوں پر فرض ہے کہ اسباب کی بجائے مسبب پر نظر رکھیں مخلوق سے نظر ہٹائیں اور اللہ تعالیٰ پر نظر رکھیں پورا بیان اسی موضوع پر تھا مگر ذرا سی بات بھی ان کے دل میں نہ اتری میں جیسے ہی یہاں سے اٹھ کر دفتر میں گیا تو انہوں نے بہت ہی بڑا اہم مقصد اور بہت ہی ضروری کام بتا کر خصوصی ملاقات کی اجازت لے لی، اندر آگئے تو کہنے لگے کہ مدرسہ کے لئے ہم نے چار ایکڑ زمین لی ہے بہت وسیع اور بڑی عالی شان مسجد ایک عرب شیخ نے پینتیس لاکھ روپے کی بنوادی ہے، ان سے کوئی پوچھے کہ نماز اداء کرنے کے لئے اتنی بڑی مسجد کی تعمیر کیوں ضروری ہے کہ اس کے لئے کسی عرب شیخ کا شکار کریں۔ صرف جھونپڑی بھی نہ ہو خالی میدان ہو عبادت کے لئے تو وہ بھی کافی ہے شرعی مسجد بنانا کیا مشکل ہے آپ نے زمین وقف کردی بس مسجد بن گئی کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لئے اور اس میں نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ زمین وقف کردی بس مسجد بن گئی اس کے بعد دیکھ لیں اگر اپنے پاس گنجائش ہے تو تعمیر کردیں ورنہ بانس کھڑے کرکے سائے کے لئے اوپر ترپال ڈال لیں چلئے مسئلہ حل ہوگیا اس بانس اور ترپال والی مسجد کا بھی وہی حکم ہے جو عرب شیخ کی بنائی ہوئی لاکھوں روپے کی مسجد کا ہے مقصد اس میں بھی نماز پڑھنا ہے دونوں میں نماز ہو جائے گی اور ثواب بھی برابر ملے گا۔ یہاں جب ہم نے کام شروع کیا تو ابتداء میں مدت تک اسی طرح بانس کھڑے کرکے ان کے اوپر ترپال ڈال کر نمازیں اداء کرتے رہے مسجد بہت بعد میں تعمیر ہوئی۔ اردگرد کے پلاٹ بھی خالی پڑے تھے، اس لئے ہوا بہت لگتی تھی تعلیم بھی اسی جگہ ہوتی تھی میں بھی یہیں بیٹھ کر کام کرتا تھا تیز ہوا سے کبھی رسی ٹوٹ جاتی اور

بانس گر پڑتا، بڑا عجیب منظر ہوتا تھا، ان حالات سے گزرتے رہے مگر کبھی کسی سے کہا نہیں یہ سوچ کر مطمئن رہتے کہ ہمارا اللہ جانتا ہے جس کا کام ہے جب وہ جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے تو کسی غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے؟ بس اللہ کافی ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد جب مسجد کی بنیاد رکھی تو کیا حال تھا؟ کھجور کی شاخوں کی چھت تھی اور کھجور ہی کے تنوں کی دیواریں، کھجور کی بنی ہوئی مسجد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں نماز اداء کر رہے ہیں پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ بارش ہوئی جس سے چھت ٹپکی اور زمین پر کیچڑ ہوگئی اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیچڑ میں سجدہ کیا نماز سے فارغ ہوئے تو کیچڑ اور پانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے بہ کر ڈاڑھی مبارک پر اور کپڑوں پر گرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کیفیت سے نمازیں اداء کیں اس کے بعد جب فراوانی ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں مسجد کی توسیع ہوئی خاص طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت وسعت دے کر نئی تعمیر کروائی اور اس میں قیمتی پتھر لگوائے۔

اس پورے قصے سے کیا سبق ملا کہ مسلمان کے لئے اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق کام کرے اگر زیادہ اسباب ممکن نہیں تو جیسے ہیں جس حال میں ہے کام شروع کر دے آگے چل کر اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرما دیں تو ان سے فائدہ اٹھائے اور کام کو ترقی دے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب مہیا ہوں تو ان کو استعمال نہ کرنا ناشکری اور معصیت ہے۔

عرب شیخ پاکستان میں شکار کھیلنے آتے ہیں مگر یہ لوگ انہیں شکار کر لیتے ہیں اس قسم کی عالی شان مساجد تعمیر کرنا کیا فرض ہے؟ اگر سفید پتھر کی بجائے بانس کی بنا لیتے اور اوپر ترپال ڈال دیتے تو کیا یہ مسجد نہ کہلاتی یا اس میں نماز کا ثواب نہ ملتا؟ اگر کوئی اعتراض کرتا کہ ایسی مسجد کیوں بنائی ہمیں اس میں گرمی لگتی ہے تو آپ کے لئے جواب بالکل آسان تھا کہ ہم سے جو بن پائی ہم نے بنا دی، اگر آپ کو اس پر اعتراض ہے تو پیسا خرچ کر کے اس سے اچھی اور عمدہ قسم کی مسجد تعمیر کر دیجئے یہ سوچئے کہ نماز تو سب پر فرض ہے پھر مسجد کا کام ایک شخص پر کیوں ڈالتے ہیں؟ مسجد کی تعمیر تمام محلہ والے مل کر کریں یہ کیا کہ کام تو سب کا ہے مگر ایک ہی شخص اپنے آپ کو ذلیل کرتا پھر رہا ہے بدنامی اٹھا رہا ہے لوگوں سے مانگ مانگ کر اپنی عزت خراب کر رہا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دین اور دینداروں کی بے وقعتی اور توہین کر رہا ہے، کام پوری جماعت کا ہو اور بوجھ ایک پر لاد دیں۔

مولوی صاحب نے بتایا کہ پینتیس لاکھ کی مسجد بن گئی ہے اب مدرسہ کی تعمیر باقی ہے اس کے لئے کئی لاکھ بتائے، مجھے ان کی باتیں سن کر بہت تعجب ہوا کہ ابھی بیان سنا ہے لیکن پھر بھی ہدایت نہ ہوئی بیان سے کچھ بھی اثر نہ لیا مجھے آکر تفصیل سنا رہے ہیں اور تعاون کے لئے کہہ رہے ہیں۔ اہل مدارس لوگوں سے تعاون کی درخواست یوں کرتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ میں اتنے طلبہ پڑھتے ہیں یہ مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ارے اللہ کے بندو! اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوتے تو ان کی خاطر اتنی بڑی عمارتیں اور اس قدر تکلفات کی کیا ضرورت پیش آتی؟ ان کا حال تو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا ہوتا اصحاب صفہ کی طرح علم دین حاصل کرتے، اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال کیا تھا کہ پہننے کے لئے ان کو دو کپڑے میسر نہیں ہوتے تھے، ایک ایک لنگی بلکہ ایک ایک ٹاٹ میسر ہوتا اس سے ستر چھپا لیتے باقی اوپر کے لئے کچھ نہیں تھا بدن ننگے ہوتے تھے، مگر طلب علم میں مشغول تھے اور بھوک کی یہ

کیفیت تھی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھوک سے بیہوش ہو کر گر جاتے تھے، فرماتے ہیں لوگ میری حالت دیکھ کر یہ سمجھتے کہ اس پر آسیب کا دورہ پڑ گیا ہے اس لئے پاؤں سے میری گردن دباتے اس زمانہ میں آسیب کا اسی طریقے سے علاج کیا جاتا تھا وہ بھوک سے نڈھال ہیں لوگ سمجھ رہے ہیں کہ دورہ پڑ گیا ہے اس لئے گردن پر پاؤں رکھ کر دبا رہے ہیں۔ آج کل جو لوگوں کو دورے پڑتے ہیں کسی پر جن سوار ہو جاتا ہے، کسی کو سفلی ہو جاتا ہے ان لوگوں کا یہ علاج بالکل موزوں ہے ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر زور زور سے دبایا جائے جن ون سب نکل جائیں گے، جو عورتیں چیختی چلاتی ہیں کہ جن چڑھ گیا ان پر یہ علاج آزمایا جائے انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی جن نہیں چڑھے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بھوک سے میری یہ کیفیت ہوتی تھی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے دیا تو وہی ابو ہریرہ تھے جو بہت قیمتی رومال سے ناک صاف کرتے، یہ تھے حقیقی معنی میں طالب علم، اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھے بندہ اسی پر راضی رہے فقر و فاقہ ہو تو صابر رہے مال و دولت ہو تو شاکر رہے، جب اللہ تعالیٰ نعمتیں دے تو ان سے منہ نہ موڑے کہ یہ ناشکری ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو اور نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

اہل مدارس کو مشورہ:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات سے سبق حاصل کیجئے صحابہ پر دونوں قسم کے حالات گزرے ہیں۔ کمرے صرف اتنے بنائیں جتنے آسانی سے بن جائیں زائد کی فکر چھوڑ دیں مگر انہیں یہ آسان سی تدبیر بھی سمجھ میں نہیں آتی کہتے ہیں طلبہ زیادہ آجاتے ہیں کمرے ناکافی ہوتے ہیں اب کیا کریں۔ گویا مزید کمرے تعمیر کرنا اور ان کے لئے چندہ کرنا فرض ہو گیا، اس کا جواب بھی سن لیجئے! یہ باتیں سن کر یاد کر لیں! اگر کمروں کی گنجائش سے زیادہ طلبہ آجائیں تو ان سے صاف کہہ دیجئے کہ ہمارے ہاں

پڑھانے کا انتظام ہے مگر رہائش کا انتظام نہیں۔ اگر پڑھنا ہے تو مسجد میں ڈیرہ ڈال دیجئے یا باہر میدان میں سو جایئے یا درختوں کے نیچے آرام کیجئے غرض ہم پڑھانے کو تیار ہیں مگر اپنی رہائش کا خود انتظام کیجئے ہم یہ دردِ سر مول نہیں لیتے، اگر واقعۃً طالب علم ہے تو آپ کے پاس رہ پڑے گا، آپ یہ آسان سا جواب دینے کی بجائے کیوں پریشانی میں پڑتے ہیں؟ ایک ایک کے سامنے جا کر کھڑا ہونا سوال کر کر کے اپنی عزت نفس کو پامال کرنا، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص کچھ دے دے بہت سے لوگ جھڑک دیتے ہیں یہ تو دنیا کی ذلت ہے، آخرت کا نقصان اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اس پر مستزاد، اس کی بجائے جو بالکل آسان نسخہ ہے اس پر عمل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی مدرسہ کی تعمیر کے لئے پیسے کی ضرورت ظاہر کرتا تو فرماتے کچی اینٹیں کھڑی کر لو پھر اگر وہ کہتا کہ کچی اینٹیں تو گر جائیں گی تو فرماتے پکی بھی گر جائیں گی۔

اس دنیا میں باقی تو کچھ بھی نہیں رہے گا باقی رہنے والی چیز تو صرف وہ اعمال ہیں جن سے اللہ راضی ہو جو کام بھی کریں یہ سوچ کر کریں کہ اس میں اللہ کی رضا ہے یا نہیں؟ اپنی بساط سے بڑھ کر کام نہ کریں چادر کے مطابق پاؤں پھیلائیں، کمرے اتنے تعمیر کریں جتنے آسانی سے تعمیر ہو جائیں، ان میں جس قدر طلبہ سما سکیں انہیں داخلہ دے دیں اگر مزید آ جائیں تو کہہ دیں کہ ہمارے ہاں رہائش کا انتظام نہیں یہ انتظام خود کر لو تو ہم پڑھانے کو تیار ہیں، اتنے طلبہ رکھو جو آسانی سے سنبھالے جا سکیں جن کو اچھی تعلیم اور تربیت دی جا سکے کسی ذلت اور پریشانی کے بغیر جتنا کام ہو سکے بس اسی قدر کام کیجئے۔

اپنے حالات:

یہاں کے حالات آپ کے سامنے ہیں ابھی چند دن پہلے جدہ سے کوئی صاحب

آ گئے جدہ اور دبئی کا نام سن کر کچھ لوگوں کا ذہن فوراً ریالوں کی طرف چلا جاتا ہے اور ریال ٹپکنے لگتی ہیں میں رال کی جمع ریال استعمال کرتا ہوں، بعض لوگوں کی یہی حالت ہے جدہ یا دبئی کا نام کان میں پڑتے ہی منہ میں پانی بھر آتا ہے، جدہ سے وہ صاحب آئے اور یہاں دو دن ٹھہرنے کی اجازت چاہی میں نے اجازت دے دی، کمرے سب پر تھے، صرف دفتر میں جگہ تھی، میں اس وقت دفتر میں بیٹھا تلاوت کی تیاری کر رہا تھا، کسی دوسرے کام میں مشغول ہوں تو بات سن لیتا ہوں تلاوت کے وقت کوئی آجائے تو طبیعت پر بہت بوجھ ہوتا ہے اس وقت کسی سے بات کرنا گوارا نہیں ہوتا۔ اس وقت مولوی صاحب آکر پوچھنے لگے کہ انہوں نے دو دن ٹھہرنے کی اجازت لی تھی، میں نے کہا تو میں کیا کروں؟ دفتر سے اٹھ جاؤں؟ مولوی صاحب کہنے لگے اور تو کوئی جگہ ہے ہی نہیں، کہاں لے جائیں؟ میں نے کہا دفتر سے باہر چلے جائیں یہاں میں تلاوت کروں گا، باقی رہا جگہ کا مسئلہ تو جگہ کی کیا کمی ہے، باہر کے دروازہ سے لے کر مغربی بیت الخلاؤں تک بہت جگہ ہے، پھر وہاں سے کمروں کے پیچھے کی طرف گلی میں بھی جگہ ہے، برآمدہ سے مطبخ کی طرف جانے والی گلی، مطبخ کے سامنے کا حصہ، پھر وہاں سے مشرقی بیت الخلاؤں کے سامنے کی گلی۔ یہ سب جگہیں خالی ہیں، یہاں رہنے سے حجاج کے ساتھ مشابہت کی سعادت بھی مل جائے گی، جہاں دل چاہے بیٹھ جائیں لیٹ جائیں جگہ تو اتنی ہے کہ سینکڑوں لوگ سما جائیں۔ آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ جگہ نہیں؟ جو اپنے کام سے آئے گا اس کے لئے ہر طرف جگہ ہے، اسے جہاں پاؤں جمانے کی جگہ مل گئی ٹھہر جائے گا، ہاں جو اس نیت سے آئے کہ اس کا احترام ہو کھڑے ہو کر اس سے ملا جائے بڑے ادب سے اس سے بات کی جائے کہ حضرت تشریف لائیں پھر رہنے کے لئے آرام دہ کمرے ہوں ان میں اے سی ہو مسہری اور کرسیاں ہوں بہت عمدہ قسم کے غسل خانے اور بیت الخلاء ہوں جسے ایسی جگہ کی تلاش ہو وہ یہاں کا رخ نہ کرے وہ ایسی ہی جگہ تلاش کرے جہاں یہ ساری اشیاء میسر ہوں،

یہاں ایسے شخص کا کوئی کام نہیں، یہاں جو آئے یہ ساری باتیں ذہن سے نکال کر آئے بلکہ یہ سوچ کر آئے کہ اپنے کام سے جا رہا ہوں لہٰذا جہاں جگہ مل گئی پڑ رہوں گا۔ مجھے بہت سے لوگ کہتے ہیں، دارالافتاء کی یہ جگہ بہت تنگ ہے، آپ بڑا پلاٹ خرید لیں اور اس سے بڑا وسیع ادارہ بنائیں۔ میری طرف سے جواب صرف ایک ہی ہوتا ہے، پہلے تو یہ پوچھتا ہوں کہ جگہ کیسے تنگ ہے؟ باہر کے دروازے سے لے کر اندر بیت الخلاؤں تک جگہ ہی جگہ ہے، تنگی کہاں ہے؟ ذرا مجھے سمجھا دیجئے! پھر کہتے ہیں عام دنوں میں تو نہیں رمضان میں تنگی ہوتی ہے دوسرے مدارس سے علماء اور طلبہ آ جاتے ہیں تعداد بڑھ جاتی ہے تو جگہ تنگ معلوم ہوتی ہے، میں پھر وہی سوال دہراتا ہوں کہ رمضان میں بھی یہ ساری جگہیں جو بتا رہا ہوں پر نہیں ہوتیں بلکہ آدھا دارالافتاء بھی نہیں بھرتا یہ بیرونی دروازے سے لے کر بیت الخلاؤں تک خالی رہ جاتا ہے تو تنگی کے کیا معنے؟ مجھے بھی ذرا سمجھا دیجئے! بعض کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز جو آپ کا بیان ہوتا ہے تو ہم آپ کو دیکھ نہیں پاتے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جمعہ کے دن جب ہم بیان سننے آتے ہیں تو مسجد میں جگہ نہیں ملتی باہر روڈ پر ہی بیٹھنا پڑتا ہے، باہر ہی بیٹھ کر بیان سننا پڑتا ہے، اندر نہیں آ سکتے اس لئے زیارت سے محروم رہتے ہیں، ان لوگوں کو میں یہ جواب دیتا ہوں کہ آج کل روڈوں پر کتنے جلسے ہوتے ہیں؟ سیاسی لوگ بڑے بڑے جلسے روڈوں پر کرتے ہیں اس طرح بہت سے لوگ شادیوں کی تقریبات روڈوں پر مناتے ہیں تو اگر آپ کو ہفتہ میں ایک بار دین کی باتیں سننے کی خاطر روڈ پر کچھ دیر بیٹھنا پڑ گیا تو کیا نقصان ہو گیا؟ اگر روڈ پر بیٹھ کر بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو آپ کو یہاں کس نے بلایا ہے؟ کس نے مجبور کیا ہے؟ جائیں کسی عالیشان مسجد میں بیٹھ کر اپنی پسند کی باتیں سنیں، یہاں آ کر دین کی باتیں تو اسی طرح سننا ہوں گی، رہی یہ بات کہ باہر بیٹھ کر بات تو سن لیتے ہیں مگر زیارت سے محروم رہتے ہیں اور مسجد کے اندر بیٹھنے والے بات بھی سنتے ہیں زیارت بھی کرتے ہیں، مسجد تنگ ہے اگر بڑی

ہوتی تو سب زیارت سے مشرف ہوتے ہم دور سے آتے ہیں اور دل میں خواہش ہوتی ہے کہ زیارت بھی کریں اور مصافحہ بھی، مگر یہاں مصافحہ تو کیا زیارت سے بھی گئے، اس کا جواب یہ دیا کرتا ہوں کہ بیان سننے تو مستورات بھی آتی ہیں، زیارت تو ان کو بھی کبھی نہیں ہوئی، زیارت سے کیا حاصل ہوگا؟ اصل مقصد تو دین حاصل کرنا ہے وہ زیارت کے بغیر بھی ہو جاتا ہے، اگر کسی کو زیادہ ہی شوق ہو تو جلدی آکر مسجد کے اندر بیٹھ جائے اور سامنے بیٹھ کر بیان سنے آخر مسجد کے اندر بیٹھنے والے بھی تو پہلے آکر بیٹھتے ہیں آپ بھی جلدی آجایا کریں اگر دیر سے پہنچے اور دور بیٹھ کر بیان سن لیا تو بھی کچھ حرج نہیں مقصد تو پورا ہوگیا، اتنی دور سے آنے سے زیارت تو مقصد نہیں، مقصد تو دین حاصل کرنا ہے۔

ملاقات کی حقیقت:

آج کل لوگوں نے زیارت کو مقصد سمجھ لیا ہے، یہاں عصر کے بعد روزانہ تقریباً نصف گھنٹہ مجلس ہوتی ہے، لوگ آتے ہیں بیان سنتے ہیں جب اٹھنے لگتا ہوں تو کہتے ہیں ملاقات کرنا ہے، ارے! یہ آدھا گھنٹہ کیا کرتے رہے؟ سوچئے! اتنی دیر جو میرے پاس بیٹھے رہے یہ ملاقات نہیں تو کیا ہے؟ تھوڑی دیر بھی نہیں، آدھا گھنٹہ آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ ہی بیٹھے باتیں سنتے رہے اتنی طویل ملاقات کے بعد اٹھنے لگتا ہوں تو کہتے ہیں ملاقات کرنے آئے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھئے ملاقات کے لئے وقت نہیں دیتا۔ وقت کتنا دوں؟ آدھا گھنٹہ بلکہ اس سے بھی زیادہ وقت روز دیتا ہوں، یہ وقت ملاقات ہی تو ہے، الگ الگ کس کس سے ملاقات کروں؟ اگر کوئی بہت ضروری کام بتا کر خصوصی ملاقات کا وقت لے لیتا ہے تو کوئی اہم دینی مقصد سامنے رکھنے کی بجائے اپنا بہت ضروری کام بتاتا ہے، سفلی اتروانا یا چندہ مانگنا، وہی مولوی صاحب کا قصہ، کہ چندے کے مروجہ طریقہ کے خلاف مفصل

بیان سنا پھر اطلاع کروائی کہ خصوصی ملاقات کرنا ہے، وقت دے دیا تو کہتے ہیں مدرسہ کی تعمیر کے لئے اتنے لاکھ کی ضرورت ہے۔

پنجاب میں ایک بہت اونچے پائے کے بزرگ گزرے ہیں، مولانا عبداللہ صاحب شجاع آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ، ملتان کے قریب شجاع آباد میں رہتے تھے، بہلوی بھی کہلاتے تھے، میں نے مولانا صاحب سے پوچھا حضرت بہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کبھی آپ نے زیارت کی ہے؟ کہنے لگے ان کے ہاں تو میں نے کئی بار حاضری دی ہے، میں نے کہا حاضری تو دے دی مگر جانتے بھی ہیں وہ کون تھے؟ کہنے لگے ہاں بڑے بزرگ تھے، میں نے کہا چلئے انہی بزرگ کا ارشاد سن لیجئے!

ایک مدرسہ میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب بہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ سوچ کر بلایا گیا کہ حضرت کے مرید بڑے بڑے سیٹھ ہیں، اگر ایک طرف بھی ذرا سا اشارہ فرما دیں تو سارا مدرسہ چل سکتا ہے، جب حضرت تشریف لائے تو اہل مدرسہ نے اپنی خواہش ظاہر کی، حضرت بہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں بہت عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

"لا یجرہ جرجار ولا یدفعہ دفع دافع"

ارے! مسبب پر نظر رکھئے اسباب کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیں، دردر جا کر بھیک مانگنے کی بجائے ایک در کے فقیر بن جائیں، صرف ایک در کے فقیر۔

در پر کسی کے بیٹھ بھی رہ پاؤں توڑ کر
اے دل خراب و خوار کیوں دربدر ہے تو

پھر دیکھئے سکون قلب کی کیسی دولت اللہ تعالیٰ عطاء فرمائیں گے اور کس طرح سب کام بنتے چلے جائیں گے۔

توکل کی برکت:

بحمداللہ تعالیٰ مجھ پر میرے اللہ کا بڑا کرم ہے، اللہ تعالیٰ اتنا دے رہے ہیں کہ

اپنے ادارے کے مصارف پورے ہو جاتے ہیں اور دوسرے کئی اداروں کو بھی بھیجتا ہوں (یہ اس وقت کی بات ہے جب دارالافتاء میں کام محدود تھا اور جہاد کے محاذ نہیں کھلے تھے، اب بحمداللہ تعالیٰ دارالافتاء کا کام بھی کافی وسیع ہوگیا ہے اور جہاد کے محاذ الگ، اس لئے اب حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کل آمدن صرف دارالافتاء کے مصارف اور جہاد پر لگاتے ہیں اور اپنی آمدن کے لئے یہی مصارف مختص فرما دیئے ہیں کسی دوسرے مصرف پر نہیں لگاتے۔ جامع)

یہ میرے اللہ کا کرم ہے، میرا کوئی کمال نہیں، میں اپنی کل آمدنی سے ضروری مصارف رکھ کر باقی پوری آمدنی دین کے کاموں پر خرچ کر رہا ہوں اور وہ اتنی ہے کہ یہاں کے سارے مصارف بھی پورے ہو جاتے ہیں اور مزید اداروں کے لئے بھی کچھ بچ جاتا ہے۔ مگر یہ جو حالات آپ سن رہے ہیں بہت بعد کے ہیں، شروع میں ایسا نہیں تھا، شروع میں جب میں نے یہاں کام کی ابتداء کی تو بعض لوگ کہتے تھے کہ آپ چندہ مانگنے کے خلاف ہیں اور کسی سے چندہ نہیں مانگیں گے، میں کہتا بالکل ٹھیک ہے، میں تو کبھی اشارۃً بھی کسی سے نہیں کہوں گا تو وہ کہتے کہ پھر یہ کام کیسے چلے گا؟ میں کہتا کہ نہیں چلتا تو نہ چلے، اس میں میرا کیا جاتا ہے، وہ کہتے اب تو آپ نے کام شروع کر دیا اگر نہیں چلے گا تو بدنامی ہوگی، میں کہتا میرا کام تو نہیں کہ بند ہونے سے میری بدنامی ہو، جس کا کام ہے، وہ چلائے یا نہ چلائے اس کی مرضی، کچھ بھی ہو میں نے طے کر رکھا ہے کہ چندہ ہرگز نہیں مانگوں گا نہ صراحۃً نہ اشارۃً، مگر توکل کی برکات آپ کے سامنے ہیں۔

یہاں جو تعمیر کا کام ہو رہا ہے اس میں ایک شخص نے از خود آکر کہا کہ وہ تعمیر کے لئے اتنی رقم دینا چاہتے ہیں، میں نے کہا کہ ٹھیک ہے اجازت ہے، کام کی نگرانی پر جو انجینئر صاحب مامور تھے ان سے میں نے کہہ دیا کہ فلاں صاحب نے اتنی رقم اپنے ذمہ لے لی ہے، آپ ان سے لے لے کر تعمیر پر خرچ کرتے رہیں، یہ کام انہی کے

ذمہ لگا رکھا تھا، ایک دن انجینئر صاحب آکر مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس اب اس سے زیادہ گنجائش نہیں اور اس پر کچھ پریشانی بھی ظاہر کی، اس کے بعد ایک موقع پر انجینئر اور رقم دینے والا شخص دونوں میرے پاس اکٹھے تھے، میں نے کہا کہ تم دونوں بے وقوف ہو، کہنا تو کچھ اس سے بھی زیادہ تھا مگر میں نے سوچا اگر عقل ہے تو اتنی تنبیہ ہی کافی ہے، انجینئر نے یہ غلطی کی کہ رقم دینے والے نے جب رقم کی مقدار معین کر دی تھی تو وہ اتنی مقدار وصول کرنے کے بعد ان کے پاس کیوں گئے؟ مجھے بتاتے کہ ان سے پوری رقم وصول ہوگئی ہے آگے کے مصارف کے لئے کیا کرنا ہے؟ میں دیکھ لیتا اگر کوئی دوسرا انتظام نہ ہوتا تو تعمیر کو وہیں رکوا دیتا، انجینئر نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ان صاحب نے جو ایک مخصوص رقم دینے کی بات کی ہے تو آگے مزید رقم بھی دیں گے یعنی جتنی بھی ضرورت پڑی یہ دیتے چلے جائیں گے، ان کے سامنے تو اس کا تذکرہ بھی نہ کرنا چاہئے تھا کہ ہمیں مزید رقم درکار ہے۔ رقم دینے والے کی یہ غلطی کہ ان کے ذہن میں یہ کیسے آگیا کہ سارا کام میرے ذمہ ہے؟ میں دوں گا تو کام چلے گا ورنہ میرے پاس گنجائش نہ رہی تو یہ کام ہی رک جائے گا، دل میں یہ خیال ہی کیوں لائے جس کی وجہ سے پریشان ہو رہے تھے۔

درسِ استغناء:

یہاں تو عجیب سے عجیب تر قصے پیش آتے رہتے ہیں اور بار بار پیش آتے ہیں ابھی دو چار روز کی ہی بات ہے کہ یہاں دارالافتاء میں کسی کا منی آرڈر آگیا اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ رقم مدزکوٰۃ سے ہے اسے مصرف پر لگا دیں۔ مفتی عبدالرحیم صاحب نے یہ الفاظ پڑھ کر منی آرڈر واپس کر دیا اس لئے کہ اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے آگے یہ کیوں لکھا کہ اس کو مصرف پر لگائیں معلوم ہوا کہ جسے دے رہے ہیں اس پر اعتماد نہیں، بھیجنے والے کو خطرہ ہے کہ خود کھا جائے گا اسی لئے اس کو تلقین کر رہا ہے کہ

اس کے مصرف پر لگائیں جسے ہم پر اعتماد نہیں اس کی رقم کیوں قبول کی جائے اس لئے واپس کر دی، بعد میں مجھے سارا قصہ بتایا تو میں نے خوب شاباش دی۔

اضافہ از جامع:

موقع کی مناسبت سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عبرت کے لئے حضرت اقدس کے توکل اور غیر اللہ سے استغناء کے کچھ واقعات نقل کر دیئے جائیں، جو قصے انوارالرشید میں آچکے ہیں ان کا صرف حوالہ لکھنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

انوار الرشید جلد اول: توکل اور اس کی برکات۔

انوار الرشید جلد ثانی: غیر اللہ سے استغناء۔

متمول لوگوں پر مالی احسان، دین پر استقامت یہ قصے علماء کے لئے مفتاح السعادۃ اور عوام کے لئے بھی بیش بہا دینی نفع کا ذریعہ ہیں۔

مزید چند قصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

❶ ایک بہت بڑے عالم جو ایک بڑے جامعہ میں بہت اونچے درجہ کے استاذ ہیں، ایک بار دارالافتاء میں آئے، چونکہ چندہ کے بارے میں حضرت اقدس سے بات کرنے کی تو کسی کو ہمت ہی نہیں ہوتی اس لئے انہوں نے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم سے بات کی کہ مسقط کے ایک بہت بڑے تاجر نے بہت بڑی رقم میری معرفت حضرت اقدس کو بھیجی ہے، چونکہ میں درمیان میں واسطہ ہوں، اس لئے رقم وصول ہونے کی کوئی رسید دے دیں تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے کہ رقم پہنچ گئی۔ مفتی عبدالرحیم صاحب نے حضرت اقدس سے ذکر کیا، حضرت اقدس نے فرمایا کہ رسید کی بات تو بعد کی ہے پہلی بات تو یہ کہ جنہوں نے یہ رقم بھیجی ہے وہ رقم لے کر خود یہاں آئیں، یہاں باہر دروازے پر عملہ ان کی تلاشی لے گا پھر اگر انہیں اندر آنے کی اجازت مل گئی تو میں ان کی نبض دیکھوں گا اگر صحیح ہوئی تو رقم قبول کروں گا ورنہ

نہیں۔ دوسرے درجہ میں اگر وہ یہاں کسی عذر سے نہیں پہنچ سکتے تو براہ راست فون پر مجھ سے بات کریں، میں فون پر بھی نبض دیکھ لیا کرتا ہوں کہ ان کی رقم قبول کی جائے یا نہیں۔

❷ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ لندن سے ایک وفد جہاد میں تعاون کی غرض سے آیا ہے؟ صرف چند منٹ کے لئے حضرت سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، حضرت اقدس نے انہیں اپنے کمرے میں بلا لیا، انہوں نے حضرت اقدس کو بتایا کہ وہاں لندن میں مولانا جلال الدین صاحب حقانی تشریف لائے تھے انہوں نے لوگوں کو جہاد میں خرچ کرنے کی ترغیب دی تو ہم سب تاجروں نے مل کر اس پر غور کیا کہ اپنی رقم کس کو دیں تو سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ آپ کے ذریعہ سے یہ رقم جہاد میں لگوائی جائے اس کے بعد انہوں نے نوٹوں کی بہت موٹی سی گڈی نکال کر حضرت اقدس کی طرف بڑھائی حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم قریب بیٹھے ہوئے تھے حضرت اقدس نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ انہیں دے دیں، کسی بڑے کے ہاتھ میں رقم دینے کا مقصد عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ یہ اس رقم کو الٹ پلٹ کر دیکھیں گے، خوش ہوں گے، آؤ بھگت کریں گے، لیکن حضرت اقدس نے ہاتھ میں لینا تو درکنار توجہ سے دیکھا بھی نہیں، رقم دینے کے بعد انہوں نے کہا کہ لندن میں ہر سال پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور دوسرے کئی ملکوں سے لوگ آتے ہیں اور کروڑوں روپے چندہ جمع کرکے لے جاتے ہیں اگر آپ بھی اپنا کوئی نمایندہ متعین فرما دیں تو اچھا خاصا چندہ جمع ہو جایا کرے گا، ان کی یہ بات سنتے ہی حضرت اقدس کو جوش آگیا، رگ حمیت پھڑک اٹھی اور بہت ہی جوش سے فرمایا کہ آپ چندہ مانگنے کی بات کر رہے ہیں، آپ جو اس وقت یہاں میرے سامنے آرام سے بیٹھے ہیں اس کی دو وجوہ ہیں:

❶ مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم نے آپ کی سفارش کی ہے۔

❷ آپ جہاد میں تعاون کی غرض سے آئے ہیں۔

ان وجوہ کی بناء پر آپ یہاں میرے پاس پہنچ گئے ورنہ باہر کہیں ہوتے۔

جب وہ حضرت اقدس کے کمرے سے چلے گئے تو مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم نے سوچا کہ ان پر مصالحہ کچھ زیادہ لگ گیا ہے اس لئے ان کی کچھ دل جوئی کر دینا چاہئے، اس لئے ان سے کہا کہ آپ بیٹھیں میں چائے منگواتا ہوں، یہ کہہ کر مفتی صاحب کسی دوسرے کام میں مشغول ہو گئے اور چائے کی بات بھول ہی گئے، وہ لوگ کچھ دیر تک تو بیٹھے رہے اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اچھا اب ہم چلتے ہیں مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم نے کہا ٹھیک ہے وہ چلے گئے۔

اگر کسی کے قلب میں دنیا کی ذرا سی بھی وقعت ہوتی تو وہ ہمہ تن ان لوگوں سے ہی مشغول رہتے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ یہاں ایسا نہیں ہوا، انہیں چھوڑ کر دوسرے کام میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ انہیں چائے کے لئے روکا ہے۔

؎ غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا

❸ ایک شخص نے دارالافتاء کے سامنے آکر گاڑی روکی، گاڑی سے اتر کر کسی کو بتایا کہ دارالافتاء کو رقم دینا چاہتا ہوں، بہت دیر تک کھڑا رہا بتا رہا ہے کہ دارالافتاء کو رقم دینا چاہتا ہوں لیکن کوئی لے ہی نہیں رہا، دو مولوی صاحبان پنجاب سے آئے ہوئے تھے وہ باہر کھڑے ہوئے تھے بالآخر اس نے مولوی صاحبان سے کہا کہ کوئی لینے کے لئے آتا ہی نہیں آپ ہی یہ رقم پہنچا دیں، انہوں نے کہا کہ ہم تو باہر سے آئے ہوئے ہیں اس لئے ہم تو نہیں لے سکتے۔ ان مولوی صاحبان نے یہ قصہ دیکھ کر کہا کہ یہاں تو ہم نے بہت عجیب توکل دیکھا ہے۔ انہوں نے توکل کے بارے میں یہ قصہ سنایا کہ کوئی بھکاری کسی کے دروازے پر [illegible] مانگنے گیا انہوں نے دو روٹیاں دے دیں جب یہ وہاں سے چلا تو گھر والوں کا [illegible] پیچھے ہولیا اور بھونکنے لگا اس نے ایک روٹی

کتے کو ڈال دی کتے نے روٹی کھائی اور پھر اس کے پیچھے پڑ گیا اس بھکاری نے دوسری روٹی بھی کتے کو ڈال دی، کتے نے وہ بھی کھالی پھر بھونکتا ہوا اس کے پیچھے چل پڑا پیچھا چھوڑتا ہی نہیں بھکاری نے کہا کہ تیرے گھر سے دو ہی روٹیاں تو ملی تھیں دونوں تجھے دے دیں اب تو کیوں میرے پیچھے پڑا ہوا ہے، اس پر کتے نے اسے یہ جواب دیا کہ میں تو کتا ہو کر اپنے مالک کا ایسا وفادار ہوں کہ کسی حال میں بھی اپنے مالک کا دروازہ نہیں چھوڑتا اور تو انسان ہو کر اللہ کا دروازہ چھوڑ کر مخلوق کے دروازے سے بھیک مانگتا ہے، میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔

۴ ایک شخص دارالافتاء کے لئے کچھ رقم دینے آیا اندر پیغام بھجوایا اور باہر اپنی گاڑی میں بیٹھا بہت دیر تک انتظار کرتا رہا، کافی دیر کے بعد دارالافتاء سے ایک مولوی صاحب نکلے اور اس سے ملے اس نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ کہاں خرچ کرتے ہیں یہ سن کر وہ مولوی صاحب اندر آ گئے پھر دوبارہ باہر نہیں گئے۔ دراصل یہ پوچھنے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ مولوی صاحب کوئی بہت بڑا رجسٹر لائے گا جس میں مدرسے کے پورے اخراجات اور مدات درج ہوں گی کہ اتنے کمرے زیر تعمیر ہیں، اتنے استاذ ہیں، ماہانہ اتنا خرچ ہے وغیرہ وغیرہ، پھر وہ ان پر تنقید کرتا کہ اس جگہ پر آپ یہ خرچ کیوں کرتے ہیں اور ایسے کیوں کرتے ہیں اور یہاں ایسا ہونا چاہئے اور ایسا نہیں ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ، مگر یہ مولوی صاحب جو اندر آئے تو پھر باہر گئے ہی نہیں وہ انتظار کرتے کرتے بالآخر واپس چلا گیا، بعد میں اس کی بیٹی نے فون پر حضرت اقدس سے کہا کہ میں نے اپنے والد کو رقم دے کر بھیجا تھا کسی نے رقم لی ہی نہیں ایک مولوی صاحب سے بس اتنی سی بات کی کہ وہ کہاں خرچ کرتے ہیں؟ وہ مولوی صاحب اندر جا کر بیٹھ گئے پھر باہر آئے ہی نہیں۔ حضرت اقدس نے اسے جواب دیا کہ جو مولوی صاحب باہر گئے تھے اور پھر واپس آ کر دوبارہ نہیں گئے وہ بہت سادہ ہیں بہت سادہ، ان کو چاہئے تھا کہ کم از کم دو گولیاں تو آپ کے والد کو کھلا ہی دیتے کہ

ارے احمق! نالائق! اگر تجھے اعتماد نہیں تو گھر سے رقم لے کر نکلا ہی کیوں؟

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کا استغناء:

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک منی آرڈر آیا اس پر لکھا ہوا تھا اس رقم کے آپ مالک ہیں جہاں چاہیں خرچ کریں، یہ یہاں آنے والے منی آرڈر پر لکھے ہوئے جملہ سے بھی زیادہ عجیب جملہ ہے، یہاں جو منی آرڈر آیا اس پر اتنا لکھا تھا کہ اس کو مصرف پر خرچ کریں، مگر یہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات ہے کہ آپ مالک ہیں جہاں چاہیں خرچ کریں، حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منی آرڈر واپس فرما دیا اور اس پر لکھ دیا کہ ''مالک ہیں'' کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ مجھے مالک بنا رہے ہیں جب مجھے مالک بنا رہے ہیں تو آگے یہ جملہ بڑھانے کی کیا ضرورت کہ جہاں چاہیں خرچ کریں، ظاہر ہے کہ مالک کو اختیار ہوتا ہی ہے اپنی رقم جہاں چاہے صرف کرے اس لئے یہی جملہ کافی تھا کہ آپ اس کے مالک ہیں دوسرا جملہ جو لکھا کہ جہاں چاہیں خرچ کریں اس کا مطلب یہ کہ آپ مجھے مالک نہیں بنا رہے خرچ کرنے کے لئے وکیل بنا رہے ہیں، معلوم نہیں آپ کی نیت کیا ہے؟ لہٰذا منی آرڈر واپس کیا جاتا ہے۔ یہ بھی نہیں کیا کہ منی آرڈر وصول کر کے رکھ لیں پھر اسے لکھیں کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ مالک بنانا مقصد ہے یا وکیل بنانا؟ لکھ دیتے کہ آپ نے جو دو جملے لکھ دیئے یہ مبہم سی بات ہے لہٰذا اتنے دنوں تک آپ کی رقم امانت رہے گی آپ جب وضاحت کریں گے تو اس کھاتے میں ہم یہ رقم لگا دیں گے۔ ایسے بھی تو ہو سکتا تھا واپس کیوں فرمایا؟ مگر وہاں ایسی باتوں کا گذر بھی نہ تھا بس جس کسی نے غلطی کی کان سے پکڑ کر اسے سیدھا کر دیا۔

ایک شخص ریل گاڑی کا پورا ڈبہ بھر کر آموں کا لے آیا، حضرت نے فرمایا بلا اجازت کیوں لائے؟ پہلے پوچھا کیوں نہیں؟ اس نے کہا غلطی ہو گئی اب لے آیا ہوں

اب تو قبول فرما ہی لیں، فرمایا غلطی تم نے کی تو میں کیسے قبول کرلوں، وہ کہنے لگا کہ اب واپس لے جاؤں گا تو گل جائیں گے آموں کا پورا ڈبہ ضائع ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا گلیں یا سڑیں وہ تمہارے سر، میں کیا کروں؟ اس کا تدارک میرے ذمہ تو نہیں، گلتے ہیں تو گلتے رہیں۔ اس کے بعد فرمایا اگرچہ میرے ذمہ تو نہیں مگر تبرعاً ایک تدبیر بتا دیتا ہوں کوئی شخص اپنا مال خود ضائع کرے تو اس کو بچانے کی تدبیر میرے ذمہ تو نہیں ہے مگر چلئے احسان کر کے ایک آسان سی تدبیر بتا دیتا ہوں وہ یہ کہ یہ مال بازار میں لے جاؤ اور بیچ کر پیسے پلے میں باندھو اور چلو اپنے گھر۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بھی میرا احسان ہے تم پر ورنہ یہ اتنی سی بات بتانا بھی ہمارے ذمہ نہیں تھا۔

علماء کا رویہ اہل ثروت کے ساتھ:

علماء اہل ثروت سے جتنا زیادہ استغناء کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اتنے ہی ان کے دماغ درست ہوں گے، کیونکہ اگر علماء استغناء سے کام نہیں لیں گے تو اہل ثروت یہ سمجھیں گے کہ ان کے پیسے سے ہی دین چل رہا ہے حالانکہ دین کو کسی کے پیسے کی ضرورت نہیں بلکہ اہل ثروت کو ضرورت ہے کہ اللہ کے دین پر پیسا لگائیں، علماء کو ان سے ایسا رویہ کرنا چاہئے جس سے یہ سمجھ جائیں کہ دین ان کا محتاج نہیں بلکہ یہ دین اور اہل دین کے محتاج ہیں، لیکن افسوس کہ آج کل اکثر اہل مدارس اس بات کا خیال نہیں رکھتے اور اہل ثروت کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور دین کو بھی ذلیل کرتے ہیں۔

لطیفہ:

اپنے متعلقین سے کہتا رہتا ہوں کہ تین چیزیں کبھی اکٹھی نہ ہونے دیں ورنہ کوئی سیٹھ آپ کو دیکھ کر مر گیا تو اس کے مرنے کا گناہ آپ پر ہوگا وہ تین چیزیں کیا ہیں:

(۱) رمضان (۲) ڈاڑھی (۳) ہاتھ میں تھیلا۔

رمضان میں اگر کوئی ڈاڑھی والا تھیلا لے کر نکلتا ہے تو سیٹھ لوگ سہم جاتے ہیں کہ آ گیا ملک الموت اب ہماری خیر نہیں اس لئے یہ تین کام کبھی اکٹھے نہ کریں۔ ایک بار میں نے ایک دوکان پر جوتا بننے کے لئے دیا ہوا تھا اتفاق سے رمضان کا مہینہ تھا میں نے یہاں سے ایک مولوی صاحب کو بھیجا کہ اس دوکان سے میرا جوتا لے آئیں مولوی صاحب باریش تو تھے ہی ان کے پاس تھیلا بھی تھا پھر اوپر سے مہینہ بھی رمضان کا، اس طرح اتفاق سے تینوں باتیں جمع ہوئیں، مولوی صاحب نے دوکان پر جا کر ملازموں سے پوچھا کہ حاجی صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حاجی صاحب اس وقت نہیں ہیں، مولوی صاحب نے بتایا کہ فلاں کا جوتا لینے آیا ہوں تو ملازم نے ایک کوٹھڑی کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس میں ہیں، اس لئے مولوی صاحبان سے کہتا ہوں کہ یہ تین باتیں اکٹھی نہ ہونے دیں رمضان میں کہیں نکلیں تو ہاتھ میں تھیلا نہ پکڑیں۔

عرض جامع:

اصلاح مدارس کے بارے میں حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل رسائل و مواعظ پڑھیں:

1. مدارس کی ترقی کا راز۔
2. علماء وطلبہ کو وصیت حصہ اوّل۔
3. علماء وطلبہ کو وصیت حصہ دوم۔
4. تحصیل علم کی شرائط۔
5. تعلیم و تبلیغ کے لئے کثرت ذکر کی ضرورت۔
6. چندہ کے مروجہ طریقے (صیانۃ العلماء عن الذل عندالاغنیاء)
7. جامعۃ الرشید کا پس منظر مع استقامت۔

(۲) اہل سیاست:

اہل سیاست کا حال یہ ہے کہ اسلام کے نعرے تو بہت لگاتے ہیں مگر سیاسی مصالح کی خاطر حدود شریعت سے تجاوز کر جاتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ کا یہ فعل تو سراسر شریعت کے خلاف ہے ناجائز ہے آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ جب کہ ایک طرف اسلام اسلام کے نعرے ہیں مگر دوسری طرف اسلام کے احکام کو پامال کر رہے ہیں، تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم یہ کام لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے کر رہے ہیں مصلحت کا تقاضا یہی ہے وہ مصلحت ہے کیا؟ یہی کہ لوگوں کو اپنی

تائید میں جمع کیا جائے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حمایت حاصل ہو جائے یہ ان کی مصلحت ہے جس کی خاطر جائز ناجائز کی تمیز بھی اٹھادی ہے، اب بتایئے کہ نظر اللہ تعالیٰ پر ہے یا لوگوں پر؟ اگر اللہ تعالیٰ پر نظر ہوتی تو ناجائز کام کیوں کرتے؟

صاف صاف یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہم جئیں یا مریں اپنی سیاست میں کامیاب ہوں یا بظاہر دیکھنے میں ناکام ہو جائیں اس کی ہمیں کوئی پروا نہیں ہماری کامیابی تو اس میں ہے کہ ہمارا اللہ ہم سے ناراض نہ ہو اللہ راضی ہو جائے بس اسی میں ہماری کامیابی ہے اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا معیار یہ بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (۴ - ۷۴)

تَرجَمہ: ”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے قتل ہو جائے یا غالب آجائے تو ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس نے جہاد کیا وہ اگر جہاد کرتے ہوئے قتل ہو جائے یا غالب آجائے دونوں صورتوں میں وہ کامیاب ہے حالانکہ جو قتل ہو جائے وہ بظاہر دیکھنے میں تو کامیاب نہیں ہوا بلکہ اس کے مقابلہ میں دشمن کامیاب ہو گیا۔ یہاں ”يُقْتَلْ“ کو مقدم ذکر فرمایا ہے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ (۹ - ۱۱۱)

ہماری راہ میں ہمارے بندے قتل کرتے بھی ہیں قتل ہوتے بھی ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ جہاں جہاں حکم بہادر بننے اور کچھ کر دکھانے کا ہے وہاں قتل کرنے کو مقدم فرمایا کہ جان بوجھ کر بکری نہ بن جاؤ کہ شہادت کی فضیلت لینے کی خاطر خود ہی دشمن کے آگے گردن جھکادو وہ آکر قتل کر دے گا اور ہمیں شہادت کا رتبہ مل جائے، نہیں! مرنے کی بجائے مارنے کا جذبہ لے کر نکلو، اس لئے اس جگہ ”يَقْتُلُوْنَ“ کو مقدم فرمایا اس کے بعد فرمایا ”يُقْتَلُوْنَ“ کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو مقتول

ہونے کا جذبہ لے کر نہیں بلکہ قاتل بننے کا جذبہ لے کر نکلو، اصل مقصد تو کفار کو قتل کرنا ہے نہ کہ ان کے ہاتھ سے قتل ہونا اس لئے "یَقْتُلُوْنَ" کو مقدم فرمایا اور دوسرے مقام پر جہاں اجر و ثواب کا ذکر ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ حقیقت میں کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں انعام پانے والے لوگ کون ہیں؟ وہاں "یُقْتَلْ" کو پہلے ذکر فرمایا مگر اس سے یہ مقصد نہیں کہ شہید کا اجر غازی سے زیادہ ہے "یُقْتَلْ" کو مقدم کرنے میں اصل نکتہ اس ابہام کو دور کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والا مسلمان بھی پورے طور پر کامیاب ہے، دیکھنے والے لوگ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ یہ تو دشمن سے مغلوب ہوگیا اسے کامیابی کہاں ملی کامیاب تو جب ہوتا کہ دشمن کو قتل کر دیتا خواہ کسی ناجائز طریقے سے ہی کرتا جیسے آج کل کی سیاست کا اصول ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا مقصد نکالو، شہید جس مقصد سے گیا تھا یعنی کافر کو قتل کرنے بظاہر اس مقصد میں ناکام ہوگیا کافر کو قتل کرنے کی بجائے خود اس کے ہاتھوں قتل ہوگیا، اس لئے آج کل کی سیاست اسے ناکامی ہی تصور کرے گی، اس غلط فہمی کو زائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے "یُقْتَلْ" کو مقدم فرمایا کہ شہید بھی غازی کی طرح کامیاب ہے، اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اس کا حاصل یہ ہوا کہ کوئی مسلمان دیکھنے میں غالب ہو یا مغلوب اس کا کچھ اعتبار نہیں اعتبار تو اس کا ہے کہ اس نے جو کام کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق کیا یا اس کے خلاف اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق کیا اور حدود شرع کی پابندی کی تو وہ یقیناً کامیاب ہے خواہ دنیا کی نظر میں ناکام ہو، مغلوب ہو اور دشمن کے ہاتھ سے قتل ہی ہو جائے، بہر حال:

﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (٤ - ٧٤)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

(۸-۶۱،۶۲)

اور فرمایا:

﴿وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾ (۸-۷۱)

پہلی دو آیتوں میں کفار سے صلح کا بیان ہے کہ اگر وہ لشکر اسلام سے مغلوب ہو کر صلح کی پیشکش کریں تو حسب صوابدید صلح کر لی جائے کیونکہ مقصود تو غلبہ اسلام ہے بلاوجہ خونریزی مقصود نہیں، خیال ہو سکتا ہے کہ شاید کفار خوف کی وجہ سے صلح کرنا چاہتے ہوں، بعد میں جب بھی موقع ملا تو پھر سر اٹھائیں گے، عہد شکنی کر کے حملہ کریں گے، اس خیال کی اصلاح کے لئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو اگر انہوں نے عہد شکنی کی تو اللہ تمہیں ان پر غالب کر دے گا جیسے پہلے غالب کیا ہے۔

دوسری آیت میں ان کفار کا بیان ہے جو بدر میں قید ہوئے تھے ان میں سے بعض نے اسلام ظاہر کیا، اس پر تنبیہ انہیں فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ آپ کو فریب دینے کے لئے اسلام ظاہر کر رہے ہیں تو یہ ایسا فریب پہلے بھی کر چکے ہیں جو انہیں اللہ کی گرفت سے نہ بچا سکا، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اللہ پر توکل رکھیے۔

اس کی ایک اور مثال یہ کہ جہاد میں کوئی کافر کسی مسلمان کی زد میں آگیا اس نے اسلام قبول کر لیا تو اسے اس خیال سے قتل کرنا جائز نہیں کہ شاید اپنی جان بچانے کے لئے اسلام ظاہر کر رہا ہو، یہاں بھی وہی توکل کی تعلیم ہے کہ جس اللہ نے اب تجھے اس پر غالب کر دیا اگر اس نے خیانت کی تو وہی اللہ پھر تجھے غالب کر دے گا اس کے ظاہر کو قبول کر کے اسے چھوڑ دیں اور آئندہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اس پر توکل رکھیں۔

مگر آج کے مسلمان کا اللہ پر توکل نہیں حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اور احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس پر تنبیہ فرمائی ہے مسلمانوں کو جھنجھوڑا ہے کہ خبردار! اپنی ہر حاجت میں، ہر مشکل میں نظر اللہ تعالیٰ پر رکھو ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہارے قدم پھسل جائیں اور مسبب کے بجائے اسباب پر نظر چلی جائے۔

درس عبرت:

جنگ حنین میں بعض حضرات کی نظر کثرت پر چلی گئی کہ پہلے تو ہم لوگ تعداد میں بہت کم تھے اور ہمارے پاس وسائل بھی اتنے نہ تھے اس کے باوجود ہم غالب آتے رہے اور اب تو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہے تعداد بھی بہت، مالی فراوانی بھی بہت، اسلحہ بھی بہت، جب قلت میں بھی غالب آتے رہے تو اتنی کثرت رکھتے ہوئے کیونکر مغلوب ہوں گے؟ جب نظر کثرت پر چلی گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سبق دینے کے لئے وقتی طور پر مغلوب کر دیا اور کفار کو غالب کر دیا اس کی وجہ اللہ تعالیٰ خود بیان فرما رہے ہیں:

﴿إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا﴾ (۹-۲۵)

جب اس پر تنبیہ ہوگئی کہ جس کثرت میں تم اپنی کامیابی کا راز سمجھ رہے تھے وہ کثرت تو تمہارے کسی کام نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو غالب فرما کر کفار کو انہی کے ہاتھوں مغلوب کر دیا، اس جنگ میں اسباب کی کچھ کمی نہ تھی تمام اسباب کی فراوانی تھی مگر عین موقع پر تمام اسباب ناکام ہوگئے، اگر کام آئی تو صرف مسبب کی دستگیری۔

میدان سیاست میں آکر جو مولوی صاحبان جائز ناجائز کا فرق روا نہیں رکھتے، تعداد بڑھانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں ان سے پوچھئے قرآن مجید کے یہ واضح فیصلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان کے سامنے کیوں نہیں آتے؟ ان پر وہ کیوں توجہ نہیں دیتے؟ قرآن جب صاف صاف بتا رہا ہے کہ کثرت

سے کچھ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کو راضی کرلو کامیابی کا راز اسی میں ہے، یہ لوگ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ ہم یہ کام اپنی سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے کر رہے ہیں اس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حمایت ہمیں حاصل ہو جائے گی اور ہم کامیاب ہوں گے، قرآن میں تو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ لوگوں کی کثرت میں کامیابی نہیں، حنین میں کثرت تھی جو کسی کام نہ آئی پھر یہ کثرت بھی ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کی گئی تھی گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی اکثریت کو اپنے ساتھ نہیں ملایا تھا صرف ایسے ہی بعض حضرات کو خیال آگیا کہ آج ہماری کثرت ہے ہم تعداد میں کافی ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم کفار کے مقابلہ میں آج بہت زیادہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو اتنی سی بات بھی پسند نہیں آئی اس لئے اپنی مدد ہٹالی، سوچئے جہاں حدود شریعت سے تجاوز کر کے لوگوں کی کثرت حاصل کی جائے وہاں اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آسکتی ہے؟ یاد رکھئے! جب تک ان اسباب سے نظر نہیں ہٹے گی اور اللہ تعالیٰ کو اسی طرح ناراض کرتے رہیں گے اس وقت تک کامیابی ناممکن، ناممکن، ناممکن۔ ان حالات میں قیامت تک کامیابی نہیں مل سکتی نہ ہی اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔

مسبب کو چھوڑ کر صرف اسباب پر نظر رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد چھن جاتی ہے اس کی رحمت چلی جاتی ہے، پھر اسباب جمع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے، اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا جائے تو سوچئے اس کا کیا انجام ہوگا؟ یہ غزوۂ حنین کا واقعہ تھا۔

غزوۂ احد میں ذرا غور کیجئے! میدان احد میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھوڑی سی غلطی صادر ہوگئی کوئی نافرمانی نہیں بلکہ ایک اجتہادی غلطی ہوگئی غور و فکر کرنے میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سمجھنے میں کچھ غلطی ہوگئی اور مسئلہ یہ ہے کہ جس سے اجتہادی غلطی صادر ہو جائے اس کو گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی غلطی پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے اس کے باوجود بظاہر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہوگئی اس لئے فتح شکست میں بدل گئی فتح حاصل ہو چکی تھی کفار پر غالب آچکے تھے

کفار بھاگے جا رہے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تعاقب کر کر کے ان کی گردنیں اڑا رہے تھے، لیکن جیسے ہی یہ ذرا سی غلطی ہوئی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا وہی کافر جو شکست کھا کر بھاگے جا رہے تھے پھر سے پلٹ آئے اور ستر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کر دیا، اللہ تعالیٰ ان شہداء کے درجات بلند فرمائیں، بہرحال امت کو ایک بہت بڑا سبق دے گئے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ ان حضرات سے کوئی گناہ بھی صادر نہیں ہوا تھا، بس حکم کو سمجھنے میں غلطی ہوگئی اور نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی مدد واپس چلی گئی اور جہاں نظریہ اور عقیدہ ہی یہ ہو کہ اسباب کو مقصد بنا لو اور ہر قیمت پر ان سے چمٹے رہو، خواہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوں تو یہ کتنی بڑی غلطی اور کیسی خطرناک گمراہی ہے، مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں اس کی نظر مسبب پر مرکوز ہے۔

مسلمان کی بزدلی اور بہادری:

آج کا مسلمان بڑا ڈرپوک ہے بلی سے بھی ڈرتا ہے چوہے سے بھی ڈرتا ہے خواب میں کوئی ذرا سی چیز نظر آجائے تو اس سے بھی ڈرنے لگتا ہے، ایک طرف تو یہ اتنا بزدل ہے مگر دوسری طرف بہادر بھی اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آج کا مسلمان بہت بہادر ہے بہت بہادر، دیکھ لیجیے کیسی جرأت اور ڈھٹائی سے گناہ کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تو گناہ کیوں کرتا؟ آج کا مسلمان اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بہادر ہے اگر یقین نہ آئے تو جو شخص گناہ میں مبتلا ہو اسے ذرا کر دیکھئے اس سے کہیں گناہ کیوں کر رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہنم سے بچو یہ سن کر وہ گناہ چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ اور زیادہ کرے گا۔ سوچیے! یہ کوئی مزاح یا لطیفہ نہیں حقیقت ہے کہ آج کا مسلمان ایک طرف تو اتنا بزدل ہے کہ بلی چوہے سے بھی ڈرتا ہے لیکن دوسری طرف بہادر بھی اتنا کہ جہنم کی آگ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اب آگے

ایک قاعدہ بتا دیتا ہوں اسے یاد کر لیجئے: ”جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ دنیا کی ہر چیز سے ڈرتا ہے۔“ یہ قاعدہ خوب یاد کر لیں اور اپنے دلوں میں اتار لیں کہ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی چیزوں سے بھی ڈرتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو دنیا کی ہر چیز اس سے ڈرے گی، بات آگئی سمجھ میں؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا بہادر دنیا کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا بلکہ دنیا کی ہر چیز اس سے ڈرتی ہے ہاں جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ دنیا کی ہر چیز سے ڈرتا ہے یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے آپ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا شروع کریں اس کی نافرمانی چھوڑ دیں تو دنیا کی ہر چیز کا خوف آپ کے دل سے نکل جائے گا آپ کسی چیز سے نہیں ڈریں گے لیکن گناہ سے باز نہیں آتے تو ہر چیز سے ڈرتے رہیں گے۔ ڈرتے رہیں گے کانپتے رہیں گے۔ یہ اہل سیاست کا حال ہے جو غیر اللہ کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتے ہیں۔ دوسری بات جو بار بار بیان کرتا ہوں اور وہ بھی سو فیصد سچی حقیقت ہے کہ گناہ کا پہلا حملہ اور سب سے پہلا وبال عقل پر پڑتا ہے، یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ اس پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت نہیں اور اس موٹی سی بات کو سمجھنے کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں یہ اتنی واضح اور صاف بات ہے اسے مسلمان ہی نہیں کافر بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے اسے راضی کر لیں اس لئے کہ اس کو راضی کئے بغیر اس سے کچھ لینا ممکن نہیں۔ بتائیے اس بدیہی بات کو سمجھنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے؟ اسے تو ہر شخص سمجھ لے گا خواہ مسلمان ہو یا کافر بلکہ عقل مند ہو یا پاگل، یہ تو پوری دنیا کا مسلم اصول ہے کہ جو چیز کسی کے قبضے میں ہے اسے راضی کئے بغیر وہ چیز اس سے نہیں لے سکتے، اس حقیقت سے کس مسلمان کو اختلاف ہے کہ عزت و ذلت فتح و شکست اور ساری مخلوق یہ پورا جہاں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے بتائیے! جب آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں تو پھر یہ جرأت و ہمت کیسے ہو جاتی ہے کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیں؟

مخلوق کو خوش کرنے کے لئے خالق کو ناراض کر دینا عقل کی رو سے بھی ناجائز ہے مگر کیا کیا جائے کہ گناہوں کی شامت سے دل سیاہ ہو چکے ہیں اور عقلوں پر ایسا پردہ پڑ گیا ہے کہ ایسی موٹی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

پرکھنے کا معیار:

جو لوگ اسلام کے دعوے کرتے ہیں ان کی صحیح شناخت کے لئے دو تھرما میٹر لے لیجئے ایک تو یہی جو ابھی بیان کر چکا کہ اگر واقعۃً آپ اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں؟ اگر یہ ساری تگ و دو اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہے ہیں تو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کو ناراض کیوں کرتے ہیں؟

ساتھ غیروں کے مری قبر پر آتے کیوں ہو
تم جلاتے ہو مجھے تو جلاتے کیوں ہو

دعویٰ تو یہ ہے کہ محبوب! تجھ سے بڑی محبت ہے تجھے ہر قیمت پر خوش کرنا چاہتا ہوں مگر کام ایسے ایسے کر رہے ہیں جن سے محبوب کو جلانے کی بجائے جلا رہے ہیں۔ وہ پوچھتا ہے اگر واقعۃً مجھ سے محبت ہے تو مجھے جلاتے کیوں ہو؟ یہی حال ان سیاسی عاشقوں کا ہے کہ زبان پر اسلام کے نعرے ہیں مگر کام اسلام کے خلاف کرتے ہیں جن سے اللہ ناراض ہوتے ہیں، ان کے سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کا یہ ایک تھرما میٹر ہو گیا کہ یہ سارے بلند بانگ دعوے اگر اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کے لئے ہیں تو خود اللہ تعالیٰ کو کیوں ناراض کرتے ہیں؟

دوسرا تھرما میٹر یہ کہ آپ کی کوشش ہے کہ یہاں کسی طرح اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور یہ پورا ملک کفر کی بجائے اسلام کا گہوارہ بن جائے اگر واقعۃً آپ اخلاص سے یہ کوشش کر رہے ہیں اور دعوائے اسلام میں سچے ہیں تو پہلے یہ بتایئے کہ جس حد تک آپ خود اسلام نافذ کر سکتے ہیں اس حد تک اسے نافذ کیوں نہیں کرتے؟ اپنے جسم

پر اور اپنے بیوی بچوں پر تو آپ کو مکمل اختیار ہے کیا ان پر آپ نے اسلام نافذ کر دیا؟ اگر بیوی بچوں پر بھی کسی کا اختیار نہیں چلتا بیوی سے ڈر ہے کہ کہیں پٹائی نہ کر دے بچے بھی بے قابو ہیں ان پر بس نہیں چلتا تو چلئے بیوی بچوں کو بھی مستثنیٰ کر دیتے ہیں مگر اپنے جسم پر تو آپ کو پورا اختیار ہے اگر پورے ملک میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنے جسم پر تو اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کیجئے اسے پورے طور پر مسلمان بنائیے پھر ہم آپ کے دعووں کا اعتبار کریں گے۔ اپنے جسم پر اسلام نافذ کر کے دکھائیے جسم ہے کل کتنا؟ عموماً تقریباً چھ فٹ لے لیجئے اس کی لمبائی چوڑائی اور موٹائی بھی شامل کر لیجئے تو مجموعہ زیادہ سے زیادہ بیس فٹ بنے گا اس بیس فٹ کے رقبہ پر تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پورا اختیار دے دیا ہے اس پر پورا اسلام نافذ کر کے دکھائیے دعویٰ تو ہے پورے ملک پر نفاذ اسلام کا مگر حالت یہ ہے کہ خود اپنی ذات پر اسلام نافذ نہیں ہو رہا، پھر آپ کے دعوے کا کیسے اعتبار کیا جائے؟ یہ تھرمامیٹر ہے سچ جھوٹ اور کھرے کھوٹے کی تمیز کا۔ اس تھرمامیٹر کو لے کر سب کو پرکھئے جو سیاستدان اسلام اسلام کے نعرے لگا رہے ہیں ان سے پہلا سوال یہی کیجئے کہ پورے ملک میں اسلام نافذ کرنا آپ کے بس میں نہیں اس میں ہم آپ کو معذور تسلیم کرتے ہیں مگر آپ کا جسم تو آپ کے اختیار میں ہے اس پر اسلام نافذ کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ کی زبان آپ کے کان آپ کی آنکھیں اور آپ کے ہاتھ پاؤں غرض ایک ایک عضو گناہ میں مبتلا ہے ان پر روک ٹوک کیوں نہیں کرتے؟ اس بیس فٹ کے رقبہ پر تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکمل حکومت دی ہے اس پر آپ اللہ تعالیٰ کے قوانین جاری نہیں کرتے حالانکہ یہاں کوئی مزاحم نہیں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں اپنا وجود ہے اپنے وجود پر ہر شخص حاکم ہے جب اس پر آپ اسلام نافذ نہیں کر سکے تو پورے پاکستان کی حکومت اگر آپ کو مل جائے تو اس میں کہاں اسلام نافذ کریں گے؟ معلوم ہوا کہ اسلام کا دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے اصل مقصد کچھ اور ہے اور وہ ہے اقتدار۔ یہ دو تھرمامیٹر بتا

دیئے جہاں ضرورت پڑے ان سے کام لیں، اللہ تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اہل سیاست میں جو مولوی نہیں ہیں ان کی بات چھوڑیئے۔ دکھ ان مولویوں پر ہے جو نفاذِ اسلام لانے کے دعوے کرتے ہیں اور اسلامی نظام لانے کے لئے ہی میدان سیاست میں اترے ہوئے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ حصول اقتدار کی خاطر قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں، قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں۔ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں (یہ جملہ تین بار دہرایا) اگر آپ لوگ واقعۃً اسلام لانے کے لئے اقتدار چاہتے ہیں تو ایسا اقتدار تو بڑی نعمت ہے لیکن یہ سوچئے کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان کو نعمت دے دیں گے؟ یہ موٹی سی بات تو ایک عام انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ نافرمان اور باغی کو انعام سے نہیں نوازا جاتا، دنیا میں ایسا کر کے دیکھ لیں ایک شخص کوئی حکم دے اور آپ اس کا حکم ٹھکرا دیں اس کی کوئی بات بھی نہ مانیں پھر اسی کو جا کر درخواست دیں کہ حضور! ہمارا یہ کام کر دیجئے، بتایئے! وہ کام کر دے گا یا یہ کہ درخواست ہی پھاڑ کر پھینک دے گا؟ اللہ تعالیٰ سے کچھ لینے کے لئے بھی سب سے پہلی شرط اس کو راضی کرنا ہے اور اللہ کو راضی کرنا اس پر موقوف ہے کہ اس کی نافرمانی چھوڑ دیں۔ جب ان کو سمجھایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دو تو کہتے ہیں کہ ابھی ہمیں کچھ نہ کہیں ہم ابتدائی مرحلے میں ہیں جب ہم اقتدار تک پہنچ گئے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا پھر ہم خود بھی درست ہو جائیں گے اور لوگوں کو بھی درست کر لیں گے، یہ عجیب منطق ہے ابھی انہیں کچھ نہ کہو جی بھر کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر لیں۔ تصویریں اتروائیں، جھوٹ بولیں، افتراء پردازیاں کریں اور ووٹ لینے کے لئے بے دین اور فساق و فجار لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ہر ناجائز حربہ استعمال کریں انہیں کچھ نہ کہو ہاں زندگی میں کبھی اقتدار مل گیا تو صحیح مسلمان بن جائیں گے اور دوسروں کو بھی ڈنڈے کے زور سے مسلمان بنائیں گے، اقتدار میں آکر ان گناہوں کی تلافی کریں گے ابھی ذرا اقتدار تک کسی طرح پہنچنے دو، گویا گناہ

چھڑوانے کے لئے یہ گناہ کر رہے ہیں۔

الہامی جملہ:

سیاسی مصلحت سے بہت سے غلط اور ناجائز کام کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہیں کام کو اپنا کام سمجھتے ہیں، اگر ایمان کامل ہوتا تو اس کام کو اللہ تعالیٰ کا کام سمجھتے اور اس پر یقین رکھتے کہ جس کا کام ہے وہی چلانے والا ہے ایک جملہ تو خوب یاد کر لیں اور دل میں بٹھا لیں:

"لا یمکن اقامۃ الدین بھدمہ"

کتنا شیریں جملہ اللہ تعالیٰ نے کہلوا دیا میں جب یہ جملہ زبان پر لاتا ہوں تو مزا آ جاتا ہے اور وجد آنے لگتا ہے آپ لوگوں کو وجد آئے یا نہ آئے مجھے تو آتا ہے۔ لا یمکن اقامۃ الدین بھدمہ۔ مکہ مکرمہ میں ایک شامی عالم ہیں جو علم و عمل میں بہت مضبوط اور پختہ ہیں میں وہاں کے علماء میں سے صرف انہی ایک عالم سے ملاقات کرتا ہوں اس سے بھی ان کے علم و عمل اور تقویٰ کا اندازہ کیجئے ویسے تو سعودیہ میں بڑے بڑے علماء ہیں اور بہت سے حضرات حکومت کے مناصب پر فائز ہیں۔ کئی حضرات وہاں ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہیں مگر میں ملاقات نہیں کرتا کسی مناسب طریقے سے ٹال دیتا ہوں لیکن پوری مملکت سعودیہ میں ایک عالم ایسے بھی ہیں جن سے شوق سے ملاقات کرتا ہوں۔ کبھی وہ میرے ہاں تشریف لے آتے ہیں کبھی میں ان کے ہاں چلا جاتا ہوں، ملاقات کی وجہ تو بتا ہی دی، علم و عمل میں ان کا رسوخ اور گہرائی، مسلک کے لحاظ سے حنفی ہیں اور حنفیت میں بڑے پختہ اور مضبوط، ان خوبیوں کی بناء پر میں ان کی قدر کرتا ہوں اور ملاقات کا اہتمام بھی۔ ایک بار ان کی مجلس میں کوئی ڈاڑھی منڈا مجاہد بیٹھا ہوا تھا اسے سمجھانے کے لئے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ جہاد کی مصلحت سے ڈاڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ کہیں جہاد کے موقع پر

دشمن کی فوج میں جاسوسی کے لئے اگر کوئی مجاہد ڈاڑھی منڈا کر چلا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ڈاڑھی رکھ کر جائے گا تو دشمن پہچان لیں گے کہ یہ مسلمان ہے، جیسے ہی انہوں نے پوچھا فوراً اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے یہ الفاظ جاری کرادیئے:

"لا یمکن اقامة الدین بھدمه"

دین کو گرا کر اسے قائم نہیں کیا جاسکتا۔ نام اور عنوان تو یہ ہو کہ ہم دین کو قائم کرنا چاہتے ہیں اسی لئے جہاد کر رہے ہیں کہ جہاد دین کا بہت بڑا شعبہ اور اقامت دین کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دعویٰ تو یہ ہو کہ ہم دین کو دنیا میں زندہ کرنا چاہتے ہیں مگر کام وہ کریں جس سے دین کی جڑیں کٹتی ہوں اللہ تعالیٰ کی علانیہ بغاوت اور نافرمانی ہو تو اس سے دین کی عمارت منہدم تو ہوگی مسمار تو ہوگی مگر قائم کبھی نہیں ہوگی، یہ تو ایسے ہی سمجھیں کہ کوئی احمق درخت کو جڑ سے اکھاڑنا شروع کرے اس سے کوئی پوچھتا ہے کہ ارے! ہرے بھرے درخت کی جڑیں کیوں کاٹ رہا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ اس لئے کاٹ رہا ہوں کہ یہ درخت اور بڑھے مزید پھلے پھولے اور بارآور ہو جائے بتایئے کوئی اس سے اتفاق کرے گا؟ کوئی کرے بھی تو اس جیسا احمق ہی ہوگا عقلمند تو یہی کہے گا کہ یہ درخت کا دشمن ہے دنیا سے اس کا وجود مٹانا چاہتا ہے۔

جو لوگ دنیا میں دین کا کام کر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے دین کو گرانے کی کوشش نہ کریں اگر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہے تو وہ قدم قدم پر دستگیری فرمائیں گے۔

ان سے کوئی پوچھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اقتدار دیں گے کیسے؟ کیا ان نافرمانیوں اور بغاوتوں کے ہوتے ہوئے وہ آپ کو حکومت دے دیں گے؟ کبھی نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اپنے کھلم کھلا باغی اور نافرمان کافروں کو اللہ تعالیٰ حکومت دے دیں بلکہ ایسے لوگوں کو حکومت دے رکھی ہے دنیا میں بڑے بڑے نافرمان اور باغی کفار حکومتیں کر رہے ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو حکومت دے دیں جو اللہ تعالیٰ کے

ساتھ محبت کا دعوٰی کرتا ہو اور کرے جی بھر کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یہ دغاباز ہے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کبھی حکومت نہیں دیں گے، اگر فریب نہ دیتا کھلے نافرمانوں یعنی کافروں میں شامل ہو جاتا تو شاید حکومت مل جاتی مگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مخلوق کو دھوکا دے اور اللہ تعالیٰ اس کو حکومت دے دیں یہ ناممکن ہے کان کھول کر سن لیں دونوں کا معاملہ الگ ہے۔

بوجھ بجھکڑ کی الٹی منطق:

ایک شخص کہیں درخت پر چڑھ گیا چڑھ تو گیا مگر اترا نہیں جا رہا تھا اس لئے چیخ و پکار شروع کر دی کہ مجھے کسی طرح نیچے اتار دو لوگ گئے بوجھ بجھکو کے پاس کہ ایک شخص چڑھ گیا ہے مگر اتارنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی یہ معاملہ حل کر دیجئے، بجھکو صاحب تشریف لائے اور صورت حال دیکھ کر کہنے لگے ارے نادانو! اتنی سی بات پر تم اس قدر پریشان ہو گئے اور میرا بھی وقت ضائع کیا یہ تو بالکل آسان سا مسئلہ ہے اس کا حل کیا مشکل ہے بڑے بے وقوف اور احمق ہو اچھا اب دیر نہ کرو جلدی سے ایک مضبوط سا رسا لاؤ، لے آئے کہنے لگا شاباش! اوپر پھینکو اسے اور درخت پر چڑھے ہوئے شخص کو ہدایت کی کہ رسا آئے تو مضبوطی سے پکڑ لو انہوں نے پھینکا اس نے تھام لیا، اب دوسرا حکم جاری ہوا اسے مضبوطی کے ساتھ کمر سے باندھ لو اس نے باندھ لیا، پھر نیچے والوں سے کہتا ہے اب دیر کاہے کی، مل کر رسا پکڑ لو اور زور سے نیچے کی طرف جھٹکا دو۔ انہوں نے ذرا سا زور لگایا تو اوپر چڑھا ہوا شخص دھڑام سے نیچے گرا اور ہڈی پسلی ایک ہو گئی یہ دیکھ کر بوجھ بجھکو صاحب کہنے لگے بس بھائی بیچارے کی موت آئی ہوئی تھی انسان کو آخر مرنا تو ہے ہی اس بیچارے کا بھی وقت پورا ہو چکا تھا۔ بدقسمتی سے یہ مر گیا۔ ورنہ ہماری یہ تدبیر تو سو فیصد کامیاب اور آزمودہ ہے اب تک سینکڑوں افراد کنویں سے اس طرح نکالتے میں نے دیکھے اور ان میں سے کوئی بھی

نہیں مرا ارے نالائق! تو نے کنویں سے نکالتے دیکھے درخت سے اتارتے تو نہیں دیکھے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

یہ سیاست دان مولوی جو کہتے ہیں کہ ہم بے دینی کے طریقوں سے دین لائیں گے ان کی یہ منطق وہی بوجھ بجھکڑ والی منطق ہی ہے کوئی نیچے کنویں کی تہہ میں ہے کفر کی ذلت اور پستی میں پڑا ہے تو وہ اس تدبیر سے اوپر آسکتا ہے۔ مگر اوپر والے کو اس تدبیر سے نیچے نہیں لایا جاسکتا اگر ایسا کیا تو وہ موت کے کنویں میں گر جائے گا، مسلمان شہزادہ ہے بلندی پر ہے اور کافر بھنگی ہے ذلت اور پستی میں ہے، آپ شہزادے کو بھنگی پر قیاس کر کے اس کے لئے بھنگی والی تدبیر اختیار کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں! کنویں سے نکلنے کی تدبیر اور ہے اور بلندی سے نیچے آنے کی تدبیر اور ہے دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہ کریں اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ جو شخص اللہ کا نام لے، زبان سے دعویٰ کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی خاطر کام کر رہا ہوں پھر اس دعوے پر پورا نہ اترے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کر دے تو ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات ہمارے سامنے ہیں ذرا سی لغزش صادر ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی مدد واپس چلی گئی کفار پر غلبہ پالیا فتح حاصل ہوگئی لیکن ذرا سی اجتہادی لغزش ہوئی اور سارا پانسہ ہی پلٹ گیا۔ اس لئے ان کی فتح شکست میں بدل گئی کفار مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب آگئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کفار اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے اس لئے ان کو غلبہ دیا بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنا قانون دکھا رہے تھے کہ آنے والے انسانوں کو یہ پتا چل جائے کہ ہماری مدد مشروط ہے اطاعت کے ساتھ، اطاعت میں ذرا سی کمی آئی نہیں اور مدد گئی نہیں، اب بھی آپ دنیا میں دیکھ لیں بڑے بڑے کفار فساق وفجار اور علانیہ بغاوت کرنے والے لوگ دنیا میں جگہ جگہ حکومت کر رہے ہیں ایسے لوگوں کو حکومت مل سکتی ہے اس لئے کہ یہ دھوکا نہیں دے رہے۔ ان کا ظاہر باطن ایک جیسا ہے مگر کوئی مولوی چاہے کہ مجھے بھی اسی

طرح حکومت مل جائے تو یہ ممکن نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ کر صحیح معنوں میں مولوی نہ بن جائے یا پھر مولویوں والی صورت بالکل ختم کر کے مکمل طور پر اسلام کو سلام کر کے دنیا کا کتا بن جائے۔ (سیاست کے موضوع پر حضرت اقدس کا رسالہ "سیاست اسلامیہ" اور وعظ "سیاسی فتنے" خوب غور سے پڑھیں بلکہ پڑھتے رہیں، ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں اور ان پر عمل کرنے کروانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، رسالہ "سیاست اسلامیہ" احسن الفتاویٰ کی چھٹی جلد میں بھی ہے۔ جامع)

۳ اہل خانقاہ:

خانقاہوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے قریب کیا جائے، ان کے قلوب میں اللہ کی محبت پیدا کی جائے تاکہ وہ اللہ پر توکل و اعتماد کریں اور اللہ کی رضا کی خاطر ساری دنیا کو پس پشت ڈال دیں لیکن بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج کل کی خانقاہیں خواہ مخواہیں بن کر رہ گئیں۔ اکثر مشائخ کا حال یہ ہے کہ مریدوں کو راضی رکھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اس لئے کہ اگر مرید ناراض ہو گئے تو مرغی بغیر چوزوں کے کیا کرے گی، لہٰذا یہ مشائخ مریدوں کو غلط بات پر تنبیہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ چڑیا اڑ نہ جائے ان مشائخ کی یہ حالت بھی اسی وجہ سے ہے کہ ان کی نظر مسبب کی بجائے اسباب پر ہے یہ سمجھتے ہیں کہ مریدوں کی بھیڑ جمع ہونے سے ہی ان کے کام بنیں گے۔

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت کے ایک بہت بڑے اور مشہور مقرر نے بیعت کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ بیعت ایک شرط پر کروں گا کہ یہ وعظ و تقریر کا دھندا چھوڑنا پڑے گا۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں نہیں چھوڑ سکتا حضرت نے فرمایا کہ پھر میں آپ کو بیعت بھی نہیں کر سکتا۔ دراصل اس شخص کی نیت صحیح نہ تھی اس

نے یہ سوچ کر بیعت کی درخواست کی کہ لوگ تو ابھی میری تقریریں سن کر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں پھر جب کسی مشہور بزرگ سے بیعت ہو جاؤں گا اور چند دن بعد خلافت بھی مل جائے گی تو کچھ نہ پوچھئے پھر تو لوگ کیسے عقیدت مند ہو جائیں گے خوب دوکان چمکے گی اور چونکہ خود کو بہت کچھ سمجھتا تھا اس لئے یہ سوچا ہوگا کہ ان پیر صاحب سے جیسے ہی بیعت کی درخواست کروں گا تو وہ فوراً کہیں گے کہ آیئے آیئے تشریف لایئے کیونکہ جب اتنا بڑا واعظ اتنا بڑا مقرر بیعت ہو جائے گا تو پیر صاحب کی تو خوب شہرت ہوگی۔ اس نے حضرت کو بھی خود پر قیاس کر لیا حضرت حکیم الامۃ طبیب حاذق تھے نبض شناس تھے ایک ہی شرط ایسی لگائی کہ مقرر صاحب کے خواب چکنا چور ہو گئے، ایسے ہوتے ہیں مشائخ۔

لیکن آج تو حال یہ ہے کہ پیر مریدوں کی دعوت کرتے ہیں بجائے اس کے کہ مرید پیر کی خدمت کریں یہ نالائق پیر ہی مریدوں کے لئے بچھے جا رہے ہیں اس لئے کہ ان کی نظر بندوں پر ہے اللہ پر نہیں۔ جب پیر کی نظر اسباب پر ہے تو اس کے مریدوں کا حال کیا ہوگا؟

(اس کی تفصیل حضرت اقدس کے وعظ "بیعت کی حقیقت" میں دیکھیں۔ جامع)

④ اہل تبلیغ:

اہل تبلیغ کا حال بھی یہی ہے کہ مسبب کو چھوڑ کر اسباب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں جوڑ پیدا کرنے کی خاطر کبیرہ گناہوں میں شریک ہو جانا اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نظر مسبب کی بجائے اسباب پر ہے اگر مسبب پر نظر ہوتی تو کبھی یہ طریقہ اختیار نہ کرتے۔ یہ لوگ فضائل تو بہت زور و شور سے بتاتے ہیں لیکن کبھی ترک منکرات کی تبلیغ نہیں کرتے جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کو گناہوں سے روکنا شروع کر دیا تو لوگ ان کے ساتھ جڑیں گے نہیں اور چونکہ

ان کی نظر لوگوں پر ہے اس لئے یہ اللہ اور اس کے احکام کو پس پشت ڈال کر لوگوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور لوگوں کو میٹھی میٹھی باتیں سنا کر اپنے ساتھ چپکائے رکھتے ہیں حتیٰ کہ، حتیٰ کہ ان کے بارے میں یہ خبر بھی عام مشہور ہے کہ مسلح جہاد کے بارہ میں قرآن وحدیث میں جو واضح ارشادات ہیں یہ انہیں توڑ مروڑ کر تبلیغی جماعت پر چسپاں کر رہے ہیں یہ قرآن میں تحریف ہے جو صریح کفر ہے میں نہایت محبت اور خلوص کے ساتھ اہل تبلیغ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ واقعۃً اللہ کے دین کی کچھ خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے دائرے میں رہ کر کریں پھر چاہے کوئی ایک فرد بھی آپ کے ساتھ نہ جڑے تو کوئی پروا نہیں کیونکہ مقصد لوگوں سے نہیں اللہ سے جڑنا ہے۔

(تفصیل معلوم کرنے کے لئے حضرت اقدس کا رسالہ "تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود" اور وعظ "ایمان، قتال فی سبیل اللہ اور تبلیغ لازم وملزوم" پڑھیں۔ جامع)

مسبب کو پہچاننے کی تین دلیلیں:

اصل مقصد تو یہ ہے کہ اسباب سے نظر اٹھ جائے کام کے ہونے نہ ہونے میں مسلمان ان اسباب کو مؤثر نہ سمجھے بلکہ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر رہے اس کے لئے دعاء بھی کر لیا کریں کہ یا اللہ! دنیا میں تو نے جو اسباب پیدا فرمائے ہیں ہمیں اس کا یقین عطاء فرما اور اس حقیقت کا استحضار عطاء فرما کہ ان اسباب میں کچھ نہیں رکھا، جو کچھ ہوتا ہے تیری ہی قدرت سے ہوتا ہے، ان اسباب میں ظاہری اثر بھی تو نے ہی رکھا ہے کسی کام کے لئے اسباب مہیا کرنا یا تمام اسباب کو سوخت کر دینا یکسر فنا کر دینا یہ سب تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے۔

؎ تو شاہوں کو گدا کر دے گدا کو بادشاہ کر دے
اشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے اور بڑھانے میں

ہمیں یہ یقین عطاء فرما، اس پر ایمان کامل عطاء فرما، دلوں میں یہ حقیقت راسخ

فرما دے دلوں کو اس سے متصبغ فرما دے دلوں کو اس رنگ میں رنگ دے ہمارے دلوں میں یہ یقین اتر جائے اور اسباب سے نظر ہٹ جائے تیرا حکم سمجھ کر ہم ان اسباب کو اختیار کریں مگر نظر تیری ہی ذات پر رہے یہ سبق ہر مسلمان کو پختہ ہونا چاہئے اس پر سوچیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ یہ حقیقت ہمیں ذہن نشین کروانے کے لئے انہوں نے دلائل کے انبار لگا دیئے کہ اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب ہیں، کائنات کی ہر چیز ان کے قبضۂ قدرت میں ہے ان کے حکم کے بغیر کسی درخت کا ایک پتا بھی نہیں گرتا، جب تک ان کا اشارہ نہ ہو یہ اسباب بے کار اور بے اثر ہیں اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بار بار بیان فرمایا ہے اور مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے یہ ان کا کتنا بڑا کرم ہے، اگر وہ کوئی دلیل بیان نہ فرماتے تو بھی انسان اس کا مکلف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے عقل کی رو سے سوچتا کہ یہ پوری کائنات اپنے خالق کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر انسان کی عقل عقل سلیم ہو تو یہ حقیقت سمجھانے کے لئے وہ کافی ہے، فرض کیجئے کوئی انسان کسی بیابان جنگل یا پہاڑ میں پیدا ہوا اور وہیں پل بڑھ کر جوان ہوا، پہاڑوں اور غاروں میں اس کی زندگی بسر ہوئی، کسی نے اس پر اسلام کی دعوت پیش نہ کی لیکن اس میں عقل ہے تو اس پر بھی اس حد تک یقین کرنا اور ایمان لانا فرض ہے کہ اللہ ہے اور واحد لاشریک ہے، اس موٹی سی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ انسان کی اپنی عقل کافی ہے تو جو عقل اللہ تعالیٰ کے وجود اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو پہچاننے اور اس پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے وہی عقل بطریق اولیٰ اس فیصلہ کے لئے بھی کافی ہے کہ اسباب سارے اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جب یہ ایمان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں تو یہ حقیقت از خود سمجھ میں آجائے گی کہ دنیا کی تمام اشیاء اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، سمجھانے کے لئے تو عقل ہی کافی تھی مگر اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ کرم ہے کہ اس کے بے شمار دلائل بھی بیان فرما دیئے۔ پھر تیسری چیز دنیا میں پیش

آنے والے واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

بالترتیب ان تینوں باتوں کو بیٹھ کر سوچئے:

❶ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اسے سمجھنے کے لئے انسان کی عقل کافی ہے اس کی مختصر سی تشریح ابھی کر دی۔

❷ قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے دلائل کے انبار مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ (۳۵ - ۲)

یہ ایک آیت بطور نمونہ تلاوت کی ہے ورنہ پورا قرآن اس مضمون سے بھرا ہوا ہے:

﴿يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝﴾ (۲۲ - ۱۸)

﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝﴾ (۸۵ - ۱۶)

اسی طرح احادیث میں بھی جگہ جگہ یہ مضمون بیان کیا گیا ہے ان کے بارے میں انسان سوچے ان میں غور وتدبر کرے۔

❸ تجارب و مشاہدات۔ انسان آنکھیں کھول کر دیکھے تو دنیا میں مشاہدات اور تجارب قدم قدم پر اس کی گواہی دیں گے کہ ان بے جان اسباب میں کچھ نہیں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں، دنیا میں ہر قسم کی حفاظتی تدابیر اور تمام تر اسباب میسر ہونے کے باوجود بڑے بڑے حادثے رونما ہو رہے ہیں، مثلاً بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں کے ہوائی جہاز اغواء ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس حادثہ سے بچنے کے تمام ممکنہ اسباب موجود ہیں اور وہ لوگ ان کو اختیار بھی کر رہے ہیں مثلاً ائر پورٹ تک پہنچنے میں کتنی سختیاں اور پابندیاں ہیں پھر جہاز پر سوار ہونے سے پہلے جگہ جگہ تلاشیاں اور وہ بھی ایسے محیر العقول آلات کے ذریعہ جن میں بال برابر چیز بھی نظر آ جائے لیکن ان انتظامات کے باوجود لوگ بم لے کر جہاز پر سوار ہو جاتے ہیں اور جہاز کو اغواء کرنے میں کامیاب ہو

جاتے ہیں دنیا حیران رہ جاتی ہے کہ وہ ساری حفاظتی تدابیر اور جدید مشینیں کہاں گئیں؟ مشینوں کا قصور نہیں تدبیریں بھی تمام اختیار کی گئیں مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں سارے اسباب کو سوخت فرما دیتے ہیں، سوچیں اور دنیا کے مشاہدات سے سبق حاصل کریں، حکومتوں کے پاس ماہر سے ماہر اور بہت چوکس عملہ موجود، جدید سے جدید تر آلات اور مشینیں موجود قدم قدم پر احتیاطی تدبیریں اور تلاشیاں ان چیزوں کو دیکھیں تو عقل کہتی ہے دنیا میں کہیں بھی ہوائی جہاز کا کوئی حادثہ نہیں ہونا چاہئے مگر جب اللہ تعالیٰ اسباب کو سوخت فرما دیتے ہیں تو تمام تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں، دیکھ لیجئے اب تک کتنے جہاز حادثہ کا شکار ہو چکے اور کتنے ہو رہے ہیں، اسی طرح ریل گاڑی کا جائزہ لیجئے اس میں بھی بظاہر کسی حادثہ کا امکان نہیں، اس کی پٹڑی صاف اور محفوظ ہے ڈرائیور ایک سے ایک ماہر، ڈرائیور کے ساتھ گارڈ بھی موجود پھر نظام الاوقات کی پوری پابندی اور کیا کہتے ہیں لائن کلیئر؟ چلیے انگریزی کا ایک لفظ تو آ گیا اللہ کرے یہ بھی بھول جاؤں لائن کلیئر بھی پہرہ دیتے ہیں، پھر سگنل الگ، یہ بھی انگریزی کا لفظ زبان پر آ گیا، یہاں سے اٹھوں گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ بھول جاؤں گا یہ بھولنے والی بات جو کہہ رہا ہوں اس پر بڑی مسرت ہو رہی ہے اس لئے کہ اس میں موافقۃ الاکابر ہے ابھی چند ماہ ہوئے الابقاء میں پڑھا تھا کہ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی ضرورت سے انگریزی کا ایک لفظ استعمال فرمایا پھر فرمانے لگے اللہ کرے یہ ایک لفظ بھی بھول جاؤں پھر کبھی زبان پر نہ آئے (اس بارے میں حضرت اقدس کا وعظ ''عیسائیت پسند مسلمان'' پڑھیں، جامع)

ریل گاڑی کی بات چل رہی تھی کہ اس میں بھی بظاہر کسی حادثے کا امکان عقل میں نہیں آتا، جہاز کی طرح یہاں بھی قدم قدم پر حفاظتی تدابیر اور احتیاطیں برتی جاتی ہیں حوادث سے بچنے کے لئے اول تو نظام الاوقات مقرر ہے کہ ہر گاڑی وقت پر چلتی اور وقت پر رکتی ہے، جہاں رکتی ہے اس سے آگے چلنے سے پہلے اس کی پوری چھان

بین کی جاتی ہے کہ لائن صاف ہے پوری تحقیق کرنے کے بعد سگنل دیتے ہیں تو ڈرائیور گاڑی چلاتا ہے جب تک سگنل نہ ہو گاڑی رکی رہے گی، پھر پیچھے سبز اور سرخ جھنڈی ہلانے والا الگ سے مقرر ہے اور چلانے والے ڈرائیور کی نظر کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے کہ نظر میں کوئی کمزوری نہ ہو جو کسی حادثہ کا سبب بن جائے اس کے علاوہ انجن اور پوری گاڑی میں ایک ایک پرزے کی چھان بین ہوتی ہے۔ بریک صحیح ہیں یا نہیں؟ دوسری تمام چھوٹی بڑی اشیاء کی دیکھ بھال، پھر دیکھنے والے بھی کون؟ اس دور ترقی کے ماہرین اس کے علاوہ جگہ جگہ پر پھاٹک بنے ہوئے ہیں کہ کوئی چیز ریل کے آگے نہ آ جائے دور سے جب گاڑی نظر آ جائے یا یہ کہ اسٹیشن سے گاڑی چلنے کا وقت معلوم ہو تو پھاٹک والے کو یہ حکم ہے کہ پھاٹک بند کر دے، اب دیکھ لیجیے اتنے حفاظتی اسباب اتنی تدبیریں اور اس قدر احتیاط کے باوجود کتنے حادثے اب تک پیش آ چکے ہیں؟ کتنی ریل گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں سینکڑوں جانیں ضائع ہو گئیں، انجن تباہ ہو گئے ڈبے ٹوٹ پھوٹ گئے، انسان نے اسباب اختیار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر اللہ تعالیٰ نے اسباب کو سوخت کر دیا۔ سمندروں میں طوفان کو روکنے کے لئے تمام تر کوششیں صرف کی جاتی ہیں اور ایسے ایسے آلات ایجاد کر لئے جن کی مدد سے بہت پہلے طوفان کا پتا لگا لیتے ہیں کہ اتنی دور سے آ رہا ہے اور ہر طرح سے اس کی روک تھام کرتے ہیں، ایسی تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ طوفان کا رخ دوسری جانب پھر جائے، مگر جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو طوفان آ کر رہتا ہے اور آ کر اپنا کام کر جاتا ہے انہیں پتا ہی نہیں چلتا گویا یہ سوتے ہی رہے ان کے تمام آلات بھی رکھے رہ گئے، یونہی ہوا کا طوفان آلات کی مدد سے پہلے دیکھ لیتے ہیں اور اس سے بچنے کی ہر قسم کی تدبیریں کرتے ہیں مگر جب میرا اللہ ہوا کو چھوڑ دیتا ہے تو ان کی ایک نہیں چلتی ساری تدبیریں خاک میں مل جاتی ہیں۔

اسی طرح زمین میں جو زلزلے آتے ہیں ان کی روک تھام کے لئے بھی

سائنسدانوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ایسے ایسے آلات ایجاد کر لئے کہ زلزلہ آنے سے پہلے ہی اندازہ کر لیتے ہیں کہ فلاں جگہ اور فلاں وقت زلزلہ آئے گا، زلزلہ سے بچاؤ کے پورے اسباب اختیار کر لیتے ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو زلزلہ آ کر رہتا ہے اور جہاں آتا ہے تباہی مچ جاتی ہے ان کے سارے آلات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اسی طرح دوسری چیزوں میں غور کیجئے ڈاکٹری کا فن دنیا میں عروج پر ہے ایک سے ایک ماہر اور اسپیشلسٹ ڈاکٹر موجود ہیں مگر امراض پہلے سے زیادہ ہو گئے بڑے بڑے ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کے سامنے لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہیں ڈاکٹروں کی عقل کام نہیں کر رہی امراض کا علاج نہیں ہو رہا۔

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دنیا میں اسباب کی کمی نہیں مگر اسباب کام نہیں کر رہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ناکام کر دیا۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ اسباب نے کام چھوڑ دیا ناکام ہو کر رہ گئے بلکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ ان کو ریورس گیئر لگا دیتے ہیں، الٹا کام کرنے لگتے ہیں ۔

چون قضا آید طبیب ابلہ شود
وان دواء درنفع خود گمرہ شود
از قضا سرکنگبین صفرا فزود
روغن بادام خشکی می نمود
از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت
آب آتش را مدد شد ہمچو نفت
از سبب سازیش من سودائیم
وز خیالاتش چو سوفسطائیم

در سبب سازیش سرگردان شدم
در سبب سوزیش ہم حیران شدم

فرمایا: جب قضاء آجاتی ہے، موت کا وقت آجاتا ہے تو طبیب اور ڈاکٹر چکرا جاتے ہیں ان کی عقل کام نہیں کرتی بڑے لوگوں کو موت آنے لگتی ہے تو بڑے ڈاکٹروں کا رخ کرتے ہیں امراض کے بڑے بڑے اسپیشلسٹ جمع ہوتے ہیں اس موقع پر اللہ تعالیٰ ان کا ہنر اور تجربہ سلب فرمالیتے ہیں سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں مگر بے سود۔ یا تو بیماری سمجھ میں نہیں آتی یا بیماری کی تشخیص ہو جاتی ہے مگر صحیح علاج سمجھ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ ان کے فن کو دماغ سے نکال دیتے ہیں، علم نہیں کہہ رہا فن کہہ رہا ہوں ان کا فن چھین لیتے ہیں علم تو صرف علم دین ہے باقی کوئی علم نہیں سب فنون ہیں، اس لئے ان کو علم کہنا صحیح نہیں صرف علم دین اس قابل ہے کہ اسے علم کہا جائے۔ پہلی بات تو یہ کہ اللہ تعالیٰ جب اسباب کو سوخت کرنے پر آتے ہیں تو طبیب کا فن سلب کر لیتے ہیں اسے مرض کا پتا ہی نہیں چلتا دوسری بات یہ کہ مرض کی تشخیص تو صحیح ہو گئی، مناسب دواء بھی تجویز کر دی مگر آگے کیا ہوتا ہے؟

ع وان دوا در نفع خود گمرہ شود

اللہ تعالیٰ دواء کو حکم دیتے ہیں کہ آگے چلنے کی بجائے پیچھے کو چل۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ باحق زندہ اند

مٹی ہوا پانی اور آگ وغیرہ دنیا کی وہ تمام اشیاء جنہیں ہم مردہ سمجھتے ہیں کہ ان میں سننے کی طاقت نہ سمجھنے کی استطاعت پھر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم کیسے سنتی ہیں اور کیسے تعمیل کرتی ہیں؟ دواء بھی ایک بے جان اور مردہ چیز ہے اگر اس سے کوئی التجاء کرے کہ اری دواء! جلدی سے میرے مرض کو ٹھیک کر دے تو یہ کہنے کا کیا فائدہ؟ بلکہ لوگ بے وقوف کہیں گے، اللہ تعالیٰ دواء کو کیسے خطاب فرماتے ہیں؟ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں میرے تیرے سامنے مردہ ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے زندہ ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنتی اور سمجھتی ہیں اور عمل کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں، سب حکم کے بندے ہیں دواء کو حکم ہوتا ہے کہ سیدھی چلنے کی بجائے الٹی چل تو اس کا اثر فوراً بدل جاتا ہے آگے اثر بدلنے کی مثالیں بیان فرمارہے ہیں۔

از قضا سر کنگبین صفرا فزود
روغن بادام خشکی می نمود

سرکہ قاطع صفراء ہے سرکہ سے صفراء کا علاج کیا جاتا ہے مگر جب اللہ کا حکم صادر ہوتا ہے تو یہی سرکہ صفراء کو گھٹانے کی بجائے اور بڑھا دیتا ہے یہ چیز بعید از حقیقت نہیں، تجارب اس کی گواہی دیتے ہیں بلکہ آج تو ہسپتالوں میں کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہورہا ہے دواء نفع کی بجائے الٹا نقصان کردیتی ہے آج کل اسے کیا کہتے ہیں؟ ری ایکشن ہوگیا، ڈاکٹر نے پھوڑے پھنسی کی دواء دی انجکشن لگایا مگر دیکھتے ہی دیکھتے سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا مریض بے چارہ اور پریشان کہ ڈاکٹر صاحب یہ کیا ہوگیا؟ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں ری ایکشن ہوگیا، ارے! کبھی آپ لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ یہ ری ایکشن ہے کیا؟ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دواء کو حکم ہے کہ الٹا اثر دکھا حکم ملتے ہی اسے ریورس گیئر لگ جاتا ہے اور صحت کی بجائے بیماری بڑھانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی کو مولانا فرمارہے ہیں۔

از قضا سر کنگبین صفرا فزود
روغن بادام خشکی می نمود

خشکی کے لئے روغن بادام کی مالش بھی کی جاتی ہے پلایا بھی جاتا ہے، مالش کریں پلائیں مگر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو جتنا پلائیں جتنا ملیں خشکی اور بڑھے اور بڑھے۔

از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت
آب آتش را مدد شد ہچو نفت

ہلیلہ قبض کے علاج کے لئے دیا جاتا ہے ہلیلہ معروف دواء ہے تر پھلے کا ایک اہم جزء ہے اطباء کی تحقیق کے مطابق قبض کے لئے بہت اکسیر ہے اور ان کا بارہا کا آزمایا ہوا، مگر ایک مریض آتا ہے کہ حکیم صاحب! قبض کی تکلیف ہے حکیم صاحب اسے ہلیلہ کھلا دیتے ہیں لیکن قبض اور بڑھ گیا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ہلیلہ قبض کشا تھا مگر اب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو اس نے قبض کھولنے کی بجائے اور بند لگا دیا سب میرے اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے یہ باتیں صرف کہنے سننے کی نہیں بلکہ دنیا میں دیکھی جارہی ہیں روز مشاہدہ ہورہا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو پانی آگ کو بجھانے کی بجائے اس کے لئے مددگار بن جاتا ہے اور اسے مزید بھڑکاتا ہے آپ پانی ڈال رہے ہیں کہ کسی طرح آگ بجھ جائے مگر وہ بجھانے کی بجائے اس کے لئے پیٹرول کا کام دے رہا ہے اور اسے اور تیز کر رہا ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

از سبب سازیش من سودائیم
وز خیالاتش چو سوفسطائیم
در سبب سازیش سر گردان شدم
در سبب سوزیش ہم حیران شدم

یا اللہ! تیری سبب سازی اور تیری سبب سوزی کو دیکھ دیکھ کر میری تو عقل حیران ہے یہ عجیب اور حیران کن باتیں عقل میں نہیں آتیں عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے۔ حتیٰ کہ جب زیادہ سوچتا ہوں تو شک گزرتا ہے کہ کہیں میں سوفسطائی تو نہیں بن گیا۔

سوفسطائی فرقہ:

سوفسطائی ایک فرقہ گزرا ہے جو حقائق کا منکر ہے وہ کہتے ہیں دنیا میں کوئی چیز ہے ہی نہیں یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے انسان کا وہم اور تخیل ہے ورنہ حقیقت میں کوئی چیز نہیں حتیٰ کہ ان سے خود اپنے وجود کے متعلق سوال کیا جائے کہ تمہیں اپنے چلتے پھرتے وجود کا تو یقین ہے؟ تو کہتے ہیں یہ بھی وہم ہے، غرض تمام موجودات کے منکر ہیں حتیٰ کہ زمین و آسمان سورج چاند ستارے غرض جو کچھ نظر آ رہا ہے اس کے منکر ہیں کہتے ہیں یہ بھی وہم ہے، ان کے مذہب کی دلیل کیا ہے؟ یہی سبب سازی و سبب سوزی کبھی کوئی بھی سبب موجود نہیں مگر کام بن جاتا ہے اور کسی چیز کے تمام اسباب موجود ہوتے ہیں دنیا کو یقین ہوتا ہے کہ یہ کام ضرور ہوگا مگر سب کے سامنے وہ اسباب ناکام ہو جاتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہو پاتا، معلوم ہوا کہ محسوسات کی بھی کوئی حقیقت نہیں یہ سب نظر کا دھوکا ہے۔

فرمایا: میں بھی جب تیری قدرت میں اور تیری سبب سازی و سبب سوزی میں غور کرنے بیٹھتا ہوں تو عقل جواب دے جاتی ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سوفسطائی بن گیا ہوں۔ تمام اشیاء سے نظر اٹھ جاتی ہے اور وہی سوفسطائیوں والی بات سامنے آ جاتی ہے کہ گویا یہاں کسی چیز کا وجود نہیں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں سب وہم و خیال ہے۔

سوفسطائی مذہب کے لوگوں کا علاج بہت آسان ہے دلائل سے قائل نہ ہوں تو انہیں ایک بار پکڑ کر جلتے تنور میں ڈال دیا جائے اگر چیخیں چلائیں تو کہا جائے آگ واگ کچھ نہیں ہے یونہی تجھے وہم ہو گیا ہے ارے تنور کہاں تلاش کرتے پھریں اس سے بھی آسان سا علاج یہاں ہمارا کوڑا لٹکا رہتا ہے، پکڑ کر سوفسطائی کو ایک کوڑا لگائیں چیخنا شروع کر دے گا اسے کہیں چیختے کیوں ہو یہاں تو کچھ بھی نہیں نہ کوئی کوڑا ہے نہ کوڑا چلانے والا، سب تمہارا وہم ہے۔ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے کہ میں

سوفسطائی ہوں بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی سبب سازی اور سبب سوزی کو سوچنا شروع کرتا ہوں اور بار بار سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی قدرت کے سامنے ساری دنیا ہیچ ہے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
جوئے خون باشد اگر نیلش کنی

یا اللہ! تیری قوت اتنی بڑی ہے جس کے سامنے دنیا بھر کی قوتیں بے حقیقت اور ہیچ معلوم ہوتی ہیں گویا ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہیچ در ہیچ ہیں اس لئے فرمایا کہ میں جب تیری سبب سازی اور سبب سوزی کو سوچتا ہوں اس کا مراقبہ کرتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ میں کہیں سوفسطائی تو نہیں ہوں۔ سوفسطائی تو اس کو کہتے ہیں نا جو حقیقت کا منکر ہو مجھے بھی یہی وہم گزرتا ہے کہ دنیا بھر کی اشیاء اللہ کی قدرت کے سامنے کچھ نہیں ہیں ان کا وجود محض نظر کا دھوکا ہے، اسباب سے نظر اٹھ جائے اور مالک پر نظر رہے۔

اسباب کی مثالیں:

اسباب کی مثالیں یوں سمجھیں:

پہلی مثال:

جیسے گارڈ کے ہاتھ میں جھنڈی ہوتی ہے وہ لال جھنڈی دکھاتا ہے تو گاڑی رک جاتی ہے اور ہری جھنڈی دکھاتا ہے تو گاڑی چلنے لگتی ہے، اگر اس سے کوئی یہ سمجھے کہ گارڈ کے ہاتھ میں جو چھوٹا سا کپڑا ہے اسی میں یہ اثر ہے کہ گاڑی کو روک لیتا ہے اور چلا دیتا ہے، لال کپڑا سامنے آتا ہے تو انجن کو بریک لگ جاتے ہیں اور وہ آگے چل نہیں سکتا پھر ہرا کپڑا سامنے آتا ہے تو انجن میں طاقت بھر جاتی ہے تو بہت تیزی سے چلنے لگتا ہے اگر کوئی یہ خیال کرے تو بتایئے لوگ اسے احمق کہیں گے یا نہیں؟ عقل مند انسان تو ساری حقیقت جانتا ہے کہ اس لال یا سبز جھنڈی میں کچھ نہیں، اصل قصہ یہ

ہے کہ ریلوے والوں کا یہ طے شدہ قانون ہے کہ گارڈ ہری جھنڈی دکھائے تو ڈرائیور اس بات کا پابند ہے کہ گاڑی چلا دے اور جب لال جھنڈی دکھائے تو گاڑی روک لے۔ قانون کے تحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے ورنہ جھنڈی میں تو کچھ نہیں رکھا، اس سے یہ سبق حاصل کیا جائے کہ دنیا میں اسباب پر جو نتائج مرتب ہوتے ہم دیکھ رہے ہیں کہ کھانے سے بھوک ختم ہو جاتی ہے پانی سے پیاس بجھتی ہے اور دواء سے صحت ہو جاتی ہے۔ درحقیقت اللہ نے یہ ایک قانون متعین کر دیا ہے کہ ان اسباب کو جو استعمال کرے گا اس پر یہ نتیجہ مرتب ہوگا خود ان اسباب میں کچھ نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنا دیا ہے، ایک علامت رکھ دی ہے ورنہ سب کچھ اسی احکم الحاکمین کے قبضہ میں ہے جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے حکم سے ہو رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نظر ہٹا کر کوئی ان اسباب میں تاثیر سمجھنے لگے تو یہ وہی احمق والی بات ہوگی جو کپڑے کے چیتھڑے میں گاڑی کے چلانے اور روکنے کی طاقت سمجھ رہا تھا۔

دوسری مثال:

دوسری مثال قلم کی ہے قلم کاتب کے ہاتھ میں ہے وہ لکھ رہا ہے جس طرف چاہتا ہے گھما پھرا کر مختلف حروف اور الفاظ بناتا ہے اسے دیکھ کر شاید کوئی احمق سمجھنے لگے کہ یہ قلم کا کمال ہے کہ اتنے خوشنما حروف لکھ رہا ہے مگر عقل مند سمجھتا ہے کہ قلم کا اس میں کوئی کمال نہیں بلکہ یہ ساری کارفرمائی اس لکھنے والے کی ہے جس نے قلم پکڑا ہوا ہے اور جو اسے حرکت دے رہا ہے اگر وہ چھوڑ دے تو قلم کسی کام کا نہیں، اسی طرح سمجھیں کہ دنیا کے اسباب کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ قلم کی طرح جدھر چاہیں ان کو گھما دیں جب چاہیں روک دیں جب چاہیں رواں کر دیں سب کچھ ان کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ مثال عموماً میرے ذہن میں رہتی ہے جتنے بھی دینی کام کرتا ہوں ساتھ ساتھ سوچتا ہوں کہ قلم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اللہ

تعالیٰ مجھے یوں استعمال کر رہے ہیں جیسے لکھنے والا قلم کو استعمال کرتا ہے، اس میں اپنا کوئی کمال نہیں کوئی اختیار نہیں جو کچھ ہے ان کی عنایت ہے۔

تیسری مثال:

اندھیرے میں کوئی چیونٹی دانہ کھینچ کر لے جا رہی ہے چونٹی سیاہ رنگ کی ہے اس لئے نظر نہیں آ رہی دانہ سفید ہے وہ نظر آ رہا ہے، اگر کوئی دیکھنے والا یوں سمجھ بیٹھے کہ یہ دانہ کا کمال ہے، وہ خود چلتا جا رہا ہے تو یہ اس کی حماقت ہوگی اسے یہی سمجھایا جائے گا کہ دانہ بے جان چیز ہے خود حرکت نہیں کر سکتا ضرور کوئی جاندار چیز اسے کھینچ کر لے جا رہی ہے خواہ ہمیں وہ نظر آئے یا نہ آئے بہر حال اس کا یقین کرنا پڑے گا، بظاہر دیکھنے میں دانہ چل رہا ہے مگر عقل مند سمجھتا ہے کہ اس میں دانہ کا کوئی کمال نہیں۔ اصل کمال چھوٹی سی چونٹی کا ہے، جو اسے لے جا رہی ہے۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے مستور ہے اور اس میں بھی ہماری نظر کا قصور ہے چیونٹی کا تو قصور نہیں۔

چوتھی مثال:

کہیں بندوق کی گولی آ کر لگی، اگر کوئی یوں کہے کہ یہ خود اڑ کر آئی ہے پیچھے کسی سے اس کا کوئی تعلق نہیں نہ کسی نے نشانہ باندھا نہ بندوق چلائی خود ہی گولی اڑی اور آ کر نشانے پر لگ گئی تو بتایئے یہ کہنے والا احمق کہلائے گا یا نہیں؟ عقل مند کے لئے اس میں کوئی شک اور تردد کی بات نہیں کہ گولی خود نہیں اڑ سکتی بلکہ وہ چلانے والے کے تابع ہے، جب چلائے جس طرح چلائے جس پر چلائے ہر بات میں اس کے تابع ہے، بالکل یہی مثال دنیا کے اسباب اور ذرائع کی ہے۔

عقل در اسباب می دارد نظر
عشق گوید تو مسبب رانگر

عقل کی نظر اسباب تک رہتی ہے کہ فلاں چیز فلاں سبب سے پیدا ہوئی فلاں

کام فلاں سبب کے نتیجے میں ہوا مگر جس بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق و محبت کا تعلق ہو وہ کہتا ہے نہیں اسباب میں کچھ نہیں رکھا اسی کے حکم سے ہو رہا ہے۔ جو کچھ ہے وہ اسباب کے پیدا کرنے والے کے ہاتھ میں ہے آج دین کی دعوت دینے والے بھی اسباب پر نظر رکھتے ہیں جو مسلمان دنیوی کاموں میں لگے ہوئے ہیں، اسلام کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان کی نظر بھی اسباب پر نہ رہے اللہ پر ہی رہے لیکن وہ اللہ کی بجائے اسباب پر نظر رکھتے ہیں تو یہ اس قدر تعجب کا مقام نہیں کہ یہ اسباب میں پھنسے ہوئے ہیں ان کا اوڑھنا بچھونا ہی دنیا ہے۔ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور جن کے دعوے بھی یہ ہیں کہ ہم دین کے خادم ہیں ہم دین کے لئے رات دن کام کر رہے ہیں مگر نظر پھر بھی اسباب پر مرکوز ہے اللہ پر نظر نہیں رکھتے اسی اسباب پرستی کا نتیجہ ہے کہ دین کے کاموں میں بھی بے دینی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جب سمجھایا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ یہ غلط کام مصلحت کی خاطر کر رہے ہیں، اتنی عقل بھی نہیں کہ مسلمان کی سب سے بڑی مصلحت تو اللہ کو راضی کرنا ہے اس سے بڑی مصلحت اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوچئے! جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے اس کے احکام کو پس پشت ڈال کر اسے ناراض کر کے اس سے کیا لیں گے؟ کیا اس طریقے سے اس کی مدد آ سکتی ہے؟ اتنی سی عقل بھی نہیں۔

مالک کی رضا سب سے مقدم:

کسی نے بتایا کہ امریکہ میں ایک شخص لوگوں کو وقت بچانے کا مشورہ دیتا ہے اس فن کا بہت ماہر ہے۔ ہزاروں ڈالر فیس لے کر وقت دیتا ہے، پریشان حال لوگوں کی پوری کہانی سن کر ان کے حالات کا جائزہ لے کر آخر میں مشورہ دیتا ہے کہ اپنا نظم اوقات یوں ترتیب دیں اس طریقے سے وقت بچائیں، آج پوری دنیا میں دوڑ لگی ہوئی ہے ہر شخص اپنی جگہ سرگردان اور پریشان ہے وقت میں، مال میں، عمر میں ایسی بے

برکتی آگئی ہے جس نے ہر شخص کو پریشان اور فکر مند کر دیا ہے، میں اللہ کی قدرت پر غور کرتا ہوں تو بڑا تعجب ہوتا ہے ذرا سوچئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں بھلا کون مشغول ہو سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات دن اللہ کا دین آگے پہنچانے کی فکر اور دنیا میں اسے عام کرنے کی فکر لاحق تھی اس مقصد کے لئے بڑے بڑے مجاہدات کئے، بڑی بڑی قربانیاں دیں اللہ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد میں کس قدر مشغول رہتے تھے مگر وقت کی برکت دیکھئے احادیث میں ہے کہ بکری کا دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود دوہتے تھے اپنے دینی کاموں سے اتنی فرصت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل جاتی تھی، اسی طرح کبھی چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لے جا رہے ہیں کبھی صحابہ کے ساتھ بیٹھے خوش طبعی فرما رہے ہیں، یونہی اہل خانہ کے ساتھ ہنسی مزاح فرما رہے ہیں کبھی صحابہ کے ساتھ فلاں باغ میں تشریف لے گئے، کبھی کنویں کی منڈیر پر بیٹھے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بے تکلفی سے گفتگو فرما رہے ہیں، ذرا سوچئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے ہلکے پھلکے کاموں کی فرصت کیسے مل جاتی تھی؟ جواب ایک ہی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت میں برکت تھی یہ سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں کتنا بڑا کام کر گئے، پوری انسانی تاریخ میں اس کارنامہ کی نظیر نہیں ملتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جتنا کام کرنا تو درکنار، آج اگر دنیا میں کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک بٹہ کروڑ حصہ کام کر رہا ہو تو اس کے لئے فرصت نکالنا مشکل ہے۔

اصل قصہ کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق گزرتا تھا لایعنی اور فضول گوئی کا دور دور تک کوئی گزر نہ تھا بظاہر دیکھنے والوں کو فارغ معلوم ہوتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک مخلوق سے فارغ اپنے خالق کے ساتھ مشغول تھا۔ ہر لمحہ ترقی ہو رہی تھی۔

اس شخص نے بتایا کہ امریکا کے اسی ماہر کا مضمون میں نے کسی رسالہ میں پڑھا جو

ہزاروں ڈالر لے کر مشورہ دیتا ہے۔ مضمون اسی پر تھا کہ آپ اپنا وقت کیسے بچائیں؟ اس نے لکھا کہ آپ پہلے اپنے کاموں کی فہرست تیار کرلیں۔ جو کام آپ روزانہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے رات دن پریشان ہیں اور نیند نہیں آتی پہلے ان تمام کاموں کی ایک فہرست تیار کرلیں پھر ان کاموں کی تین قسمیں کریں، پہلی قسم میں صرف وہ کام رکھیں جو ان میں سب سے زیادہ اہم ہوں ان کو پہلے کریں پھر ان سے فرصت مل جائے تو دوسرے درجہ کے پھر فرصت مل جائے تو تیسرے درجہ کے کام کریں، اگر سب سے اہم کام کرنے میں ہی سارا وقت صرف ہو جائے اور دوسرے تیسرے درجے کے کاموں کے لئے فرصت نہ ملے تو ان کو چھوڑ دیجئے، پھر مثال بڑی عجیب دی، مثلاً آپ کسی دفتر میں چپڑاسی ہیں تو آپ کا کام کیا ہوگا؟ صاحب کے کاغذات کی فائلیں وغیرہ درست کرکے رکھنا، انہیں ترتیب اور سلیقہ سے رکھنا، جب صاحب آکر بیٹھیں تو ان کے سامنے رکھ دینا، پھر جھاڑ پونچھ اور صفائی کا کام، لیکن آپ نے ابھی یہ کام شروع ہی کئے تھے کہ صاحب آگئے اور بیٹھتے ہی آواز دی کہ پانی کا گلاس لاؤ۔ اب کاموں کی ترتیب کیا ہوگی کہ سب سے پہلے درجے میں صاحب کو پانی پلانا دوسرے درجہ میں فائلیں جوڑنا اور تیسرے درجے میں صفائی کرنا یہ مثال دے کر اس نے بتایا کہ کاموں میں ترتیب قائم کریں اور جو کام سب سے زیادہ اہم ہے اسے سب سے پہلے انجام دیں۔ ان صاحب نے یہ مضمون جب مجھے سنایا تو میں نے کہا مضمون نگار ہے تو کافر مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آج کل کے مسلمان سے زیادہ ہوشیار ہے اس میں عقل آج کل کے مسلمان سے زیادہ معلوم ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ سب کاموں سے زیادہ اہم کام مالک کو راضی رکھنا ہے یہ کام سب سے مقدم ہے اور کوئی کام ہو سکے یا نہ ہو سکے اس کے لئے فرصت ملے یا نہ ملے بہرصورت مالک کو راضی رکھنے کا کام سب سے مقدم ہے، پہلے صاحب کو پانی پلائے اس کو راضی کرے پھر کسی دوسرے کام میں ہاتھ ڈالے۔ اللہ کرے کہ آج کے مسلمان کو اس کافر کی بات سے سبق مل جائے کہ سب

سے اہم اور مقدم کام کون سا ہے؟ مالک کو راضی کرلو۔ سارے اسباب اس مالک کے تابع ہیں اسی کے قبضے میں ہیں۔ اس مثال میں غور کریں کہ مالک نے پانی مانگا یہ ملازم پانی لینے چلا گیا پیچھے فائلیں بکھری پڑی ہیں پانی لاتے لاتے دیر ہوگئی تو مالک برا نہیں منائے گا اس سے ناراض نہیں ہوگا بلکہ یہی کہے گا کہ یہ میری خدمت میں مشغول تھا یہ ملازم بڑا اطاعت شعار اور خدمت گزار ہے فائلیں لانے میں دیر ہوگئی تو کیا ہوا بلکہ فائلوں کا کام کسی دوسرے سے بھی لے سکتا ہے کہ ملازم میرے لئے پانی لینے گیا ہوا ہے یہ فائلیں ذرا آپ اٹھا دیں، انسان جس کا نوکر یا غلام ہے اس کا سب سے اہم کام مالک کو راضی کرنا ہے۔ مالک راضی ہوگیا تو سارے کام ٹھیک ہیں اور مالک ناراض ہے تو سب کیا کرایا ضائع ہو جائے گا۔

دینی جماعتیں حدود شریعت کی پابند رہیں:

جو حضرات دین کا کام کر رہے ہیں بے شک بہت اونچا مقصد ہے بڑے کام میں لگے ہوئے ہیں مگر ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ شرعی حدود کی پوری رعایت رکھیں، دین کی خدمت کریں مگر دین کے دائرے میں رہ کر۔ دین کی خدمت کے نام سے کوئی ناجائز کام نہ کریں محبوب کی رضا سب سے مقدم ہے، رضائے محبوب کے سامنے کوئی مصلحت نہیں سب سے بڑی مصلحت تو خود محبوب کی رضا ہے اس کے سامنے دنیا بھر کے مصالح ہیچ ہیں۔

دینی کام کرنے والی چاروں جماعتوں کو یہ اصول ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے اگر اس پر عمل کرلیں تو یہ ان کے حق میں قوت کی عمدہ دواء ہے یہ علاج بھی ہے اور طاقت کی دواء بھی اس لئے اس کی قدر کریں۔

محبت خاموش نہیں بیٹھنے دیتی:

اللہ کرے کہ بات دلوں میں اتر جائے جو کچھ کہہ رہا ہوں ان حضرات کی خیر

خواہی کی خاطر کہہ رہا ہوں جو شخص کسی سے محبت کا دم بھرتا ہے مگر اس کے عیوب اور خامیوں پر اس کو مطلع نہیں کرتا نہ کسی قسم کی روک ٹوک کرتا ہے تو یہ صاف اس چیز کی دلیل ہے کہ یہ دوست کا خیر خواہ نہیں، اس کے دل میں اپنے دوست کے لئے درد نہیں۔ اس کا دل درد محبت سے خالی ہے۔ اور جس کے دل میں درد محبت ہو وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا اسے آپ کتنا ہی خاموش کروائیں مگر وہ خاموش نہیں ہوسکتا گویا یہ چیز اس کے تحمل سے باہر ہے۔ وہ بولنے پر مجبور ہے کسی کا چھوٹا سا بچہ بے سمجھ آگ کی طرف لپک رہا ہے، کیا ماں باپ یہ منظر برداشت کریں گے بچہ آگ میں کود جائے اور ماں باپ دیکھتے رہیں کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں وہ تو اپنی جان پر کھیل کر بھی بچے کی جان بچائیں گے، بلکہ زبانی آواز دینے سے بچہ اگر باز نہ آیا تو سختی سے پکڑ کر پیچھے دھکیل دیں گے بلکہ ممکن ہے جلدی میں اسے دھکا دے کر پیچھے گرا دیں خواہ وہ زخمی ہی کیوں نہ ہو جائے زخمی ہونے پر بھی شکر ہی ادا کریں گے کہ زخم کی پروا نہیں مرہم پٹی کروالیں گے مگر شکر ہے کہ بچہ جلنے سے تو بچ گیا، اس کی جان تو محفوظ رہی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا ایک بچہ ایک بار چھت پر چڑھ کر اس کی منڈیر پر بیٹھ گیا اور پاؤں نیچے لٹکا لئے۔ فرمایا میں نے دیکھا تو جلدی جلدی چھت پر چڑھا پیچھے سے دبے پاؤں چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچا اور پکڑ کر زور سے پیچھے کھینچا۔ اس زور سے کھینچا کہ وہ پیچھے کو گرا اور چلا اٹھا، یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس لئے کہ اسے اگر ذرا سا احساس ہو جاتا کہ پیچھے سے کوئی آرہا ہے تو اپنی جگہ سے ہل جاتا اور ہلتے ہی نیچے آگرتا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کچھ نہ کہو، کچھ نہ کہو، کچھ نہ کہو بس چلنے دو گاڑی جیسے چل رہی ہے جو ایسی باتیں کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں امت کو جہنم سے بچانے کا درد نہیں درد ہوتا تو وہ کبھی خاموش نہ بیٹھنے دیتا چہ جائیکہ دوسروں کو خاموش بیٹھنے کا مشورہ دیں۔

میرے اللہ کا مجھ پر کرم ہے جس نے مجھے ایسا دردمند دل عطاء فرمایا ہے جو

لوگوں کی اصلاح کی فکر میں ہر وقت بے چین رہتا ہے یہی درد ہے جو مجھے بولنے پر مجبور کرتا ہے۔

یہ درد اے بدگمان کچھ دیکھنے کی چیز گر ہوتی
میں رکھ دیتا ترے آگے کلیجا چیر کر اپنا

(اس سلسلہ میں حضرت اقدس کا وعظ "دردِ دل" اور رسالہ "تنبیہات" ضرور پڑھیں۔ جامع) اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائیں اسباب کی بجائے اپنی ذات پر کامل یقین عطاء فرمائیں۔

وصل اللّٰھم وبارك وسلم علی عبدك ورسولك محمدٍ
وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین.
والحمد للّٰہ رب العٰلمین.